آئینہ نفس

آیت اللہ سید حسن الطحی

بسم الله الرحمن الرحيم



تمثیل مبارک حضرت آیت اللہ سید حسن ابطحی مدظلہ العالی

آئینہ نفس

تالیف

آیت اللہ سید حسن ابطحی مدظلہ العالی

ترجمہ

حجۃ الاسلام سید ہادی نقوی بخاری

ناشر

مؤسسۂ اہلبیتِ پاکستان

نام کتاب ------------------------------
آئینۂ نفس

تالیف ------------------------------
آیت اللہ سید حسن اعظمی

ترجمہ ------------------------------
حجۃ الاسلام سید ہادی نقوی بخاری

ناشر ------------------------------
موسسہ اہلِ بیتؑ

طبع اول ------------------------------
محرم ۱۴۱۸ھ - مئی ۱۹۹۷ء

تعداد ------------------------------
۲۰۰۰

آئینۂ نفس

بسم اللہ الرحمن الرحیم



جناب پروفیسر سید سجاد رضوی

تقریظ

اُردو کا دامن علمی کتابوں سے خالی ہے۔ مغرب سے درآمد شدہ تصورات کے ماتحت ہمارے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ ادب صرف وہ ہے جو تخلیقی ہو۔ اور تخلیقی سے مراد "با درہوا" باتیں ہیں۔ اُردو شاعری سے قطع نظر اُردو نثر میں بہت کم کام ہوا ہے جس کی اساس قصہ کہانیوں کے علاوہ عقل و خرد پر ہو۔ اس رویے کے ماتحت ہمارے ہاں جو دیسی کتابیں شائع ہوئیں ہیں وہ قرآن و حدیث کے علاوہ یا تو خالص فرقہ وارانہ مناظرے پر مبنی ہیں یا ان کی بنیاد تاریخ اور شخصیات نویسی پر ہے اور دونوں میں منطق غائب ہے۔ جو کسی نے سنا اُس نے لکھ دیا یہ نہ سوچا کہ کہنے والے کی حیثیت کیا ہے۔ اس بنا پر یہ بات مبالغہ نہیں کہ اُردو میں ہمارے پڑھنے والے طبقے کے لیے ایسی کتابیں ناپید ہیں جن میں صحیح تاریخ، درست شخصیات نگاری ہو۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ علم کے باقی شعبوں میں اُردو تصانیف ناپید نہ ہوں تو کیوں نہ ہوں!

ایسی صورتِ حال میں بہتر یہی ہوتا ہے کہ غیر زبانوں میں لکھی ہوئی معیاری کتابوں کا ترجمہ ہو جن کا تعلق خیال آفرینی سے کم ہو اور عقل پروری سے زیادہ۔ اور ہر تہی دامن زبان میں یوں ہی ہوا ہے۔ اسلام سے پہلے عربی نثر ناپید تھی۔ اسلام کے بعد غیر ملکی زبانوں کے تراجم ہونا شروع ہوئے۔ قدیم پہلوی سے، یونانی سے، سنسکرت سے ترجمے ہوئے۔ اور ان ترجموں نے مسلمانوں کے ہاں ایک خالص علمی فضا پیدا کی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اسلامی تہذیب کا دامن ان جوہروں سے خالی ہی رہتا۔

یہ بات بہت خوش کن ہے کہ اُردو میں بھی اس روایت پر عمل کیا گیا ہے اور تقریباً ڈیڑھ سو سال سے غیر ملکی کتابوں کے ترجمے ہونا شروع ہوئے جن کا تعلق علم سے تھا اور انہیں کی اساس پر یا انہیں کے نمونے کے مطابق اردو میں کچھ علمی کتابیں خصوصاً تاریخ اور شخصیات نگاری کے شعبے میں منظرِ عام پر آئیں مگر جیسا کہ بیان ہو چکا ہے دینی شعبہ اس سے خالی ہی رہا۔ کیونکہ جن لوگوں نے دینی رہبری کا کام سنبھالا انہوں نے یا تو اس طرف رغبت کا اظہار نہیں کیا اور یا ان کا اسلوبِ بیان ایسا تھا کہ نہ عوامی سطح نے اُسے قبول کیا اور نہ اُس نے علمی سطح کے تقاضوں کو پورا کیا۔ یہ نہیں کہ یہ میدان بالکل خالی ہے۔ کتابیں ہیں لیکن نہ ہونے کے برابر۔ کیونکہ اُردو لکھنے والا زیادہ تر قصے، ناول، سفرنامے و دینی میدان میں مناظرے سے زیادہ شغف رکھتا ہے۔

ایران کے اسلامی انقلاب نے جہاں اور بہت سے اثرات ہم پر مترتب کیے ہیں۔ ان میں ایک اثر یہ ہے کہ عربی اور فارسی کی کتابیں جن کا تعلق اسلام اور اسلامی تہذیب سے تھا وہ ترجمہ ہونا شروع ہوئیں۔ کیا یہ بات درست نہیں

کہ ہمارے ہاں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبا اب تک انگریزی کی مدد سے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں اور اسلامی ثقافت کی صرف ان کتابوں سے واقف ہیں۔ جن کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے؟ اس کا نتیجہ ہماری ذہنی غلامی کے سوا اور کچھ نہیں۔ عربی اور فارسی کی کتابوں کے ترجموں کی جو تحریک اُبھری ہے۔ اس سے یہ امید بندھی ہے کہ پاکستانی عوام اسلام کے بارے میں اس کے اصلی سرچشموں سے فیضیاب ہوں گے اور ہو رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں جو فرقہ وارانہ تعصب اور جہالت کی پرچھائیاں جو ہمارے دلوں پر سایہ فگن ہیں وہ آہستہ آہستہ دور ہونا شروع ہوئیں ہیں۔ اس لیے ترجمے کی ہر کاوش جس کی اساس علم اور واقفیت پر ہو اس قابل ہے کہ اسے سراہا جائے۔ اور لوگوں نے اسے سراہنا شروع کیا ہے۔ ورنہ ایک دَور میں تو ترجمہ شدہ کتابوں کو مانگے کا اجالا کہا جاتا تھا۔ قابلِ قدر ہیں وہ لوگ جو اسلام کے اصلی مصادر کو اردو میں ڈھال رہے ہیں۔ گذشتہ پچاس سال میں فقہ، تجوید، علوم قرآن کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی کتابیں تاریخ، اسلامی ثقافت، اسلامی شخصیات نگاری اور اس نوع کی دیگر کتب ترجمہ ہوئیں ہیں اور ہو رہی ہیں۔ ہماری مستقبل کی تاریخ ان لوگوں کی ممنون ہوگی۔ جنہوں نے اس کام کا بیڑہ اُٹھایا اور سستی شہرت کے حاصل کرنے کے فریب میں نہ آئے۔

اس لحاظ سے حجت الاسلام مولانا ہادی حسن نقوی قابلِ مبارک باد ہیں کہ انہوں ایران کے مشہور عالم آقائے سید حسن ابطحی کی گراں قدر تصنیف "درمحضر استاد" کا اُردو میں ترجمہ کر ڈالا۔ اور ان جواہر ریزوں کو جن کو علامہ ابطحی کے قلم نے سلکِ تحریر میں پرویا ہے اُردو کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ یہ کام خاصہ کٹھن تھا کیونکہ اس

کتاب کا موضوع اور اسلوب دونوں اردو داں طبقے کے لیے غیر مانوس ہیں۔ موضوع اس کا مختصر لفظوں میں عرفان و آگہی ہے جس میں انسان کی نفسیاتی اور روحانی ضرورتوں پر ایسے انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے جو دلچسپ بھی ہے اور رُوح کی گہرائیوں تک پہنچنے والا بھی ہے۔ مولانا ہادی حسن نقوی کی کاوش یوں قابل داد ہے کہ کتاب زیرِ نظر کے شائع ہونے سے پہلے اس قسم کی کوئی کتاب کم از کم راقم کی نگاہ سے نہیں گذری جس میں انسان کی سیرت و کردار کو چمکانے کا سامان بھی ہو۔ اور روح کو فروزاں کرنے کا انداز بھی۔ اس کتاب کا اسلوب جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اُردو میں عام طور پر رائج نہیں مصنف نے اخلاقیات اور عرفان کے مسائل کو اصطلاحی زبان میں بیان کرنے کے بجائے، ایک ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ سب کچھ کہہ بھی گئے ہیں لیکن کڑی اصطلاحوں کے چکر میں ڈالنے کے بجائے طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ بات دل میں اُترتی چلی جائے اور دماغ پر بوجھ نہ پڑے۔

سیرت و کردار کو اخلاقیات کے نقطۂ نظر سے سنوارنے اور سجانے کا کام قوموں کی انسانی ترقی کے لیے بے حد ضروری ہے۔ مادی ترقی کا وجود نسبتاً آسان ہے۔ لیکن اس مادی ترقی کی سطح کو انسانی اور روحانی بلندیوں تک پہنچانا خاصا مشکل کام ہے۔ بدقسمتی سے اس دور میں جب ترقی کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد مادی ترقی ہوتی ہے۔ مگر ہماری قدیم تہذیبی روایت میں جہاں مادی ترقی کو فراموش نہیں کیا گیا۔ وہاں ماورائے مادہ بلندیوں کا سراغ لگانے کی ضرورت پر بھی زور دیا گیا ہے۔ امیرالمومنین علیہ السلام کا مشہور قول ہے کہ "مال جمع کرنے والے چلتے پھرتے مُردے ہیں۔ مگر اہلِ علم حیاتِ جاوداں رکھتے ہیں۔ اُن کی شکلیں آنکھوں سے اوجھل ہوجاتی ہیں مگر ان کی مثالی زندگی دلوں کی

تاریکیوں کو دُور کرتی رہتی ہے" اس طرح جنابِ امیر علیہ السلام ہی کا قول کہ زہد یہ نہیں کہ تیرے پاس کچھ نہ ہو بلکہ زہد یہ ہے کہ مادی اشیاء تجھے اپنا غلام نہ بنالیں۔ پھر انہیں کا ارشاد ہے کہ تو صرف ان چیزوں کا مالک ہے جن کو تو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ باقی چیزیں تیری نہیں ہیں۔ کسی سے تجھ تک پہنچ گئیں اور تیرے بعد کوئی اور شخص ان پر قابض و متصرف ہوگا۔ اس قسم کی حکمت آفریں باتیں انسان کو لبھاتی ہیں کہ وہ مادیات کی سطح سے ابھر کر اور بشری تقاضوں سے گزر کر انسانی منزلوں کو حاصل کرے

مولانا ہادی حسن نقوی نے اِس کتاب کا ترجمہ کر کے اہلِ علم و خرد پر احسان کیا ہے کہ ان کو اس راہ کی خبر دی جسے فارسی میں تلاش کیا گیا اور جو راہِ بشر کو اِنسان بناتی ہے۔ ایسا انسان جس کو دنیا اور آخرت میں خسارہ نہیں ہوتا۔ بلکہ دونوں زندگیوں میں حسنات ہی اس کے قلب و نظر کی زینت بنتی ہیں۔

خدا مولانا ہادی حسن نقوی کو مزید ہمت دے کہ وہ اس قسم کی کتابیں پڑھ کر اُردو داں طبقے کو اُن سے آشنا کریں۔ (آمین)

پروفیسر سید سجاد رضوی



حجۃ الاسلام سید ہادی نقوی بخاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف !

قارئین کرام ! یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، فارسی کی ایک کتاب " در محضر استاد " کا ترجمہ ہے۔ کتاب کے فاضل مصنف کا نامِ نامی عزت مآب جناب سید حسن ابطحی ہے۔ معاصر علماء میں آپ کا مقام نمایاں اور ممتاز ہے۔ اگرچہ اصطلاحی طور پر آپ " آیۃ اللہ " یعنی مجتہدِ صاحب فتویٰ نہیں سمجھے جاتے اور نہ ہی دنیا میں معاصر مراجع عظام کی طرح آپ کا کوئی مقلد ہے لیکن آپ کی مقبولیتِ عامہ اور ہر دلعزیزی کسی بھی مرجع سے کم نہیں ہے۔ ایک عالم آپ کا مداح اور عقیدت مند ہے۔ آپ کی پُرکشش شخصیت، دلفریب اندازِ رفاقت ، دلنشین طرزِ بیاں ، فطری استدلال ، جاذبِ طبیعت برتاؤ، سادہ اٹھنا بیٹھنا اور بغیر تکلف اور رکھ رکھاؤ، طرزِ زندگی انسان کو چند ہی دنوں میں آپ کا گرویدہ بنا دیتی ہے۔

آپ غضب کے انسان شناس ہیں جہاں کہیں کوئی مخلص طالب علم نظر آیا ماہر گلچین کی طرح آپ نے اس کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کر لیا۔ اپنا سب کچھ اس کا فرشِ راہ کر دیا۔ کوئی اجنبیت ، غیریت اور دوئی محسوس ہی نہیں ہونے دی۔ غرضیکہ اس طرح سے اس کو اپنایا کہ وہ بے چارہ اپنا سب کچھ ہار دینے پر مجبور ہو گیا بعد کو اس کی تمام مادی و روحانی اور دنیاوی و اُخروی ضروریات کا یوں خیال رکھا جیسے کوئی ولی اور سرپرست رکھا کرتا ہے۔

آپ سے میری پہلی ملاقات ۱۹۷۵ء میں ہوئی۔ ماہ مبارک رمضان کے دن تھے۔ طالب علمی کے دوران میرا اصول تھا کہ ہر سال ماہ مبارک رمضان کے دوران میں پندرہ روزے حوزہ علمیہ قم گزارتا اور اس کے بعد مشہد مقدس چلا جاتا خاص طور پر میری یہ کوشش رہتی کہ شب عید الفطر سمیت ماہ مبارک کا آخری عشرہ جو دراصل سال بھر کی کوتاہیوں کو بخشوانے اور اللہ سبحانہ کے فیوض و برکات کے سمیٹنے کا سنہری موقع ہوتا ہے، سلطانِ عرب و عجم، امام ثامن و ضامن حضرت ابوالحسن علی الرضا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں رہوں۔ اس سال بھی میں مشہد مقدس میں مقیم تھا۔ ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ کل شب جمعہ ہے جناب البلطی صاحب کے درس میں چلیں گے۔ میرے لیے کسی علمی محفل میں شرکت کرنا تحصیل ہدف سے کم نہیں ہوا کرتا تھا چنانچہ میں فوراً راضی ہوگیا۔ اگلی شب ہم "کانون وبحث استقرار دینی" جناب البلطی کے مدرسے کا نام اکے وسیع وعریض ہال میں بیٹھے آپ کے فکر انگیز بیان سے مستفیض ہو رہے تھے۔ آپ کے دہن مبارک سے نکلنے والا ایک ایک جملہ اپنے اندر عرفانی حلاوت لیے ہوئے تھا اور دل میں یوں اتر رہا تھا جیسے شہد معدے میں اترتا ہے۔ روحانی فرحت وانبساط سے مملو فضا، روح کی تسکین کے تمام وسائل بدرجہ اتم مہیا کر رہی تھی اور گویا کہ میں اپنی اس مطلوبہ درس گاہ میں آگیا تھا جس کے لیے میں اپنی نئی نویلی دلہن لے کر شادی کے صرف تین ماہ بعد ہی لاہور سے چل نکلا تھا۔ درس کے بعد استفسارات کی محفل جمی ایک ایک سائل کی تسلی و تشفی گویا کہ جناب البلطی صاحب کا فریضہ تھا۔ مجھے ایسے ہی استاد کی تلاش تھی بس مجھے اپنا آئیڈیل مل گیا تھا۔ میں دل ہی دل میں نہال ہوگیا میرے سوال کرنے کی باری بھی آگئی۔ اس وقت تک مجھے فارسی نہیں آتی تھی۔ ٹوٹی پھوٹی زبان میں سوال کی جرأت کی ساتھ ہی یہ خوف بھی دامن گیر رہا کہ کہیں نظرانداز نہ کر دیا جاؤں مگر خلاف توقع زبان کی ناآشنائی سوچ کی شناسائی میں رکاوٹ نہ بن سکی۔ آپ نے کچھ ایسی

خصوصی شفقت اور دل موہ لینے والے انداز میں آبِ علم و معرفت سے مجھے سیراب کیا کہ میں دل باختہ ہو گیا۔ اگلے دن آنے کا وعدہ کر کے اُٹھنے لگا مگر آپ نے سحر تک رُکنے کو کہا۔ پیش کش ایسی محبت بھری ادا سے کی گئی تھی کہ انکار کرنا بد ذوقیِ الفت کی علامت تھا لہٰذا رکنا پڑا۔ تمام حاضرین ایک آدھ گھنٹے میں گھروں کو چلے گئے اور محترم موصوف اپنے گھر کے افراد کے ساتھ میری تواضع میں جت گئے۔ دستر خوان چنا گیا۔ سادہ مگر وافر مقدار میں کھانا موجود تھا۔ آقا و غلام یا نوکر و مالک کی کوئی تفریق نظر نہ آئی۔ سبھی ایک جگہ بیٹھے ایک ہی کھانا کھا رہے تھے۔ اخوت و مروت کے ماحول میں لذیذ کھانا سیر شکم ہو جانے کے باوجود چھوڑنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ کھانے کے بعد خاص ایرانی طرز کی چائے کا دَور چلا۔ پھر محترم استاد نہایت بے تکلف انداز میں تھوڑی دیر بعد لوٹ آنے کا کہہ کر تشریف لے گئے۔

شاید رات کے گیارہ بجے کا وقت تھا دوبارہ محفل جمی جوق در جوق لوگ اکٹھے ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وسیع عریض ہال کھچا کھچ بھر گیا۔ ایک خوش الحان نوجوان حدیثِ کسا پڑھنے لگا۔ وقتاً فوقتاً درود شریف کے نعرے اور سبحان اللہ کی گونج نے ماحول کو خالص روحانی بنا دیا تھا۔ ایک دلکش بھینی خوشبو ہال کو معطر کر رہی تھی جب کہ میں نے کسی کو بھی عطر استعمال کرتے یا اگربتی سلگاتے نہیں دیکھا تھا۔ حدیثِ کسا کی قرأت کے بعد خود محترم موصوف دُعائے کمیل پڑھنے کے لیے بالائے منبر تشریف لے گئے۔ اگرچہ میں پہلے بھی ایران میں کئی بار دعائے کمیل کی محفل میں شرکت کر چکا تھا۔ مگر آج رات اس دعا کی قرأت، تشریح، تاثیر اور سامعین و حاضرین کا ردِ عمل، حیرت انگیز حد تک مسحور کن تھا۔ نوجوان چہروں پر دوہتھڑ مار کر رو رہے تھے۔ بوڑھے اپنی سفید داڑھیاں نوچ رہے تھے خواتین کے گریہ کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ مدہم روشنی میں ہر شخص گویا کہ میدانِ محشر میں عالمِ احتساب میں کھڑا تھا اور اپنی سیاہ کاریاں یاد دلائے جانے پر عفو و بخشش کے

لیے گڑگڑا رہا تھا۔ اللہ سبحانہ سے اتنا قریبی رابطہ میرے لیے بالکل نئی بات تھی۔ لوگ یوں اللہ سبحانہ سے مخاطب تھے گویا کہ انہیں "نحن اقرب الیہ من حبل الورید" کا محسوس حد تک ادراک ہو گیا ہو! اس موقع پر میں ایک حقیقت کا انکشاف ضرور کرنا چاہوں گا وہ یہ کہ ہمارے یہاں عام طور پر ادعیہ ماثورہ یا احادیثِ معتبرہ کی قرأت کے بعد مادری زبان میں الگ سے دعا مانگی جاتی ہے۔ مثلاً حدیثِ کساء، دعائے ندبہ اور دعائے کمیل وغیرہ کے بعد گویا کہ ہم زبانِ حال سے اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ جو دُعا ہم نے پڑھی ہے اس کو ہم سمجھ نہیں سکے اور اپنی زبان میں اللہ سُبحانہ سے الگ سے بات کر رہے ہیں! اس کے برعکس محترم استاد کے ہاں خود دعائے کمیل ہی کو سب اپنی دعا سمجھ رہے تھے جو یقیناً دُعا کے مقصد کے حصول کی علامت ہے اسی لیے اس کا اثر دیدنی تھا۔

دعائے کمیل تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے جاری رہی۔ میں سمجھا اب سب لوگ گھروں کو چلے جائیں گے اور ہمیں بھی سونے کا موقع ملے گا مگر وہاں تو گویا کہ دن نکل آیا تھا۔ فوراً اعلان ہو گیا جن حضرات نے تجدید وضو کرنا ہے جلدی سے کرلیں کیونکہ ابھی حضرت ولی العصر، قائم آلِ مُحمد حضرت امام مہدی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ عالیہ میں حاضری ہوگی اور اُن سے استغاثہ کیا جائے گا۔ یہ کام میرے لیے غیر مانوس حد تک نیا تھا۔ پہلے تو میں نے اسے تصنع اور اداکاری جانا مگر جلد ہی مجھ پر منکشف ہوا کہ میں خود ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا تھا۔ میں اپنے زمانے کے اِمام برحق، ولیٔ معصوم اور سرپرستِ اعلیٰ کو بھولا ہوا تھا۔ موصوف استاد مجھے میرے اِمام سے ملانے اور مربوط کرنے لے جا رہے تھے۔ سب حاضرین قبلہ رو ہو کر نہایت مؤدب کھڑے ہو گئے۔ محترم استاد نے نہایت عجز، انکساری اور تواضع سے

فریاد شروع کی۔ حضرت حجتؑ کی راہبری، سرداری، احسانات، لطف و کرم اور آفاقی مہربانیوں کا گن گن کر تذکرہ کیا اپنی بلکہ ہماری عدم توجہ، بیوفائی، بے مروتی اور مجرمانہ غفلت سے معذرت کی۔ مسلمانوں کی لاچاری، بے بسی، بے بضاعتی اور کم مائیگی کا ذکر کرتے ہوئے امامؑ سے پشت پناہی، مدد اور سرپرستی کی درخواست اس انداز سے کی کہ مجھ جیسے نووارد، بے معرفت اور لاتعلق شخص کو بھی حقیقتِ حال کا احساس ہونے لگا۔ غیبتِ کبریٰ، کجا غیبت صغریٰ کا تصور بھی جاتا رہا، یوں محسوس ہونے لگا گویا کہ ہم اپنے امامؑ کی بارگاہ میں حاضر ہیں آپ بنفس نفیس جلوہ افروز ہیں۔ ہماری گزارشات سماعت فرما رہے ہیں۔ ایک ایک سائل کا مسئلہ حل فرما رہے ہیں بلکہ آج کی اصطلاح کے مطابق بعض درخواستوں پر موقع پر ہی احکامات جاری فرما رہے ہیں۔ میں کیا اگر میری جگہ پر حضرت امامِ زمانہؑ کی موجودگی پر ایمان نہ رکھنے والا کوئی اور شخص بھی ہوتا تو کم از کم اس محفل میں ان کی موجودگی اور اختیارات پر ضرور ایمان لے آتا۔

قارئین کرام! میں نے موصوف استاد سے چند گھنٹوں کی ملاقات کو اس تفصیل سے اس لئے آپ کے سامنے پیش کیا ہے کہ آپ ان سے متعارف ہو جائیں۔ اب آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ جس شخص کی پہلی ملاقات انسان کو تصورات و خیالات سے نکال کر حقیقی دنیا میں لے آئے اس کی مسلسل کئی سالوں کی مسلسل راہبری اور سرپرستی انسان کو کن اوصاف و کمالات سے روشناس کرا سکے گی!!

محترم استاد کے بارے میں مختصر طور پر صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ انسان کو اسی دنیا میں انہی مادی حواس و اعضاء کے ساتھ نہ صرف بارگاہِ حضرت حجتؑ میں لے جاتے ہیں بلکہ بارگاہِ حضرت سید الشہداء، مظلوم کربلا روحی و ارواح العالمین لمقدمہ فداہ، بارگاہِ حضرت رسول اعظم جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حتیٰ کہ

بارگاہِ ذاتِ باری تعالیٰ عزوجل تک لے جاتے ہیں۔ انسان کو موت سے پہلے ہی وہ مراحل دکھا دیتے ہیں جن کا تصور مابعد دنیا و مادیات کیا جاسکتا ہے۔ محترم استاد اپنے شاگردوں کو پڑھاتے نہیں بلکہ تربیت کرتے ہیں۔ آپ کی طرف سے دیا جانے والا علم صرف کہنے سننے کی حد تک محدود نہیں ہوتا بلکہ کر کے دکھانے اور محسوس کرنے کی حد تک لے جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تمام تصانیف چاہے "علمِ مناظرہ" سے متعلق ہوں یا "عبادات و تاریخ" سے یا زیرِ نظر کتاب "روحانیت و اخلاقیات" سے، قاری پر انتہائی مشکل مفاہیم بڑی آسانی سے واضح کرتی چلی جاتی ہیں۔ عام فہم آدمی بھی ان گھمبیر علمی مفاہیم کو نہ صرف سمجھنے لگتا ہے۔ بلکہ محسوس کرنے لگتا ہے! بقول جناب مولانا ظفر علی خان صاحب، مرحوم کے:

ع جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

آپ دنیا و آخرت کا تمام فلسفہ چند سادہ مثالوں سے واضح کر دیتے ہیں!

آخر میں بارگاہ رب العزت سبحانہٗ میں دعا ہے کہ بہ تصدق حضرات چہاردہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام محترم استاد جناب آیۃ اللہ سید حسن ابطحی مدظلہ العالی کا سایۂ علم و معرفت طلبار کے سروں پر تا دیر سلامت رہے اور رہروان راہ صدق و حق ان سے منزل کا پتا پوچھتے رہیں۔

نالائق شاگرد

سید ہادی نقوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ آغاز

کاروانِ شہدا، راہِ خدا کے سالار حضرت ابُوعبداللہ امام حسین علیہ السلام کی شب ولادت یعنی شعبان ۱۴۰۲ھ کو اِس کتاب کا آغاز کر رہا ہوں اور آپ ہی سے ہر قسم کی مدد کا طالب ہوں تاکہ اِس کتاب کو احسن طور پر ختم کر سکوں۔ میری خواہش ہے کہ اِس کتاب میں علمی اور معنوی مُشکل مسائل کو نہایت سادہ عبارت اور واضح مثالوں کے ذریعہ حق و صداقت کے متلاشیوں کی خدمت میں پیش کر کے اعلیٰ ترین حقائق پیش کروں تاکہ اللہ سُبحانہٗ کی خوشنودی کا کوئی سامان ہو سکے!

مُحترم اُستاد کے حضُور!

بُہت عرصہ پہلے کی بات ہے۔ ہمارے ایک بہت اچھے اُستاد تھے۔ بہت شفقت و محبت سے پیش آتے تھے۔ اُن سے جو کچھ بھی پُوچھا جاتا خندہ پیشانی سے شافی اور تسلی بخش جواب فرماتے تھے۔ بڑے دِلچسپ اور سبق آموز واقعات سنایا کرتے تھے۔ نہایت زیرک اور بالغ نظر تھے۔ معنوی اسرار و رموز کو بھی گویا ظاہر بظاہر دیکھا کرتے تھے۔ ارواح سے متعلق معاملات میں یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ اور ارواح کے بارے میں بہت سے مسائل بیان کیا کرتے تھے۔ رُوح کی حیثیت سے آشنا تھے اور اس کی مُختلف کیفیت و حالت کی تشریح کیا کرتے تھے۔ یُوں کہہ لیجیے کہ اُن کا مُقدّس نُورِ الہٰی سے قریبی رابطہ تھا۔ حقائق کو محسوس حد تک جان لیتے تھے اور ہمیں بھی بتایا کرتے تھے۔ جب بھی ہم اُن کے حضور کسبِ فیض کے لئے حاضر ہوتے گویا ہماری رُوح عالمِ بالا کی سیر کو نکل جاتی اور اللہ سُبحانہٗ سے ہمارا رابطہ، تعلق اور عشق و محبت کئی گنا بڑھ جاتا ہم اپنے آپ کو حضرت رسولِ اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ کی بارگاہ میں محسوس کرتے۔ کبھی غلطی نہ کرتے

واجبات ادا کرتے اور محرمات سے پرہیز کرتے۔ وہ بڑی شفقت سے ہمارے سروں پر ہاتھ پھیرا کرتے اور یوں ہماری تربیت کیا کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ ہمارے ہمدرد رہے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ہمیں ذرا سی بھی کوئی معنوی پریشانی لاحق ہو۔

میرا دل چاہتا ہے کہ اس کتاب کو لکھتے ہوئے میں ایک بار پھر اس قابلِ صد احترام اُستاد کے حضور رہنے والے پُر لطف لمحات کی یاد تازہ کروں اور ان کی بارگاہ میں رہتے ہوئے جو معنوی کیف میں نے حاصل کیا ہے اسی سُرور کو گھنٹوں پھر محسوس کروں شاید اسی طرح میرے حالات پھر ویسے ہی ہو جائیں، عشقِ معنوی دوبارہ سرگرم ہو جائے اور اللہ سُبحانہٗ کی رحمت کے دروازے ایک بار پھر مجھ پر پوری وسعت سے وا ہو جائیں!

قارئین کرام!

آپ سے بھی پُرخلوص گذارش ہے کہ اس موقع سے فائدہ اُٹھائیں اور ہمارے محترم و مکرم اُستاد سے رُوحانی کمالات حاصل کرنے کا سلیقہ سیکھیں!

موصُوف محترم اُستاد کون ہیں؟ اور کہاں تشریف رکھتے ہیں؟

میرا خیال ہے کہ آپ کو اس سے زیادہ دلچسپی نہیں ہوگی! کیونکہ آپ تو صرف اس بات میں دلچسپی رکھتے ہیں کہ اُن سے علمی، اخلاقی، رُوحانی اور معنوی مسائل سیکھیں اور عمل کریں۔ اگر محترم اُستاد کا وجود آپ پر ظاہر نہ بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے!

مزید براں فرض کریں در واقع کوئی اُستاد ہے ہی نہیں بلکہ میں اس طریقے سے چاہتا ہوں کہ اہم روحانی حقائق آپ تک پہنچاؤں۔ میرے خیال میں آپ کو ان مفاہیم سے آشنا کرنے کا طریقہ زیادہ بہتر ہے۔ کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ میرے خیال میں کوئی حرج نہیں۔ آپ اطمینان رکھیں اس طریقۂ تحریر و تفہیم میں کسی قسم کا کوئی سقم نہیں ہے۔

قارئین کرام!

آپ مفاہیم و مسائل پر توجہ مرکوز رکھیں جو گہرے اور اہم اسلامی معارف میں بڑی محنت سے آپ کے سامنے سادہ عبارت میں پیش کر رہا ہوں ان کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

یہ بھی عرض کر دوں کہ اس کتاب میں گمنام اُستاد کے لئے لفظ "وہ" یا "اُن" کا استعمال کیا جائے گا جس سے مراد صرف "وہ" ہیں۔ چنانچہ آپ بھی کسی اور کو ذہن میں نہ لائیے گا۔

علاوہ بریں اس کتاب میں بیان شدہ مسائل میرے نزدیک مستند اور ثقہ ہیں اور میں اپنے آپ کو اللہ سُبحانہٗ کی بارگاہ میں جوابدہ سمجھتے ہوئے بڑی دیانتداری سے انہیں رقم کر رہا ہوں۔ یہ مسائل ومفاہیم آیاتِ قرآن مجید، حضرت رسُولِ اکرمؐ اور آپؐ کے معصوم جانشین یعنی آلِ محمّد علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کا نچوڑ ہیں۔ حوالہ جات ساتھ ساتھ پیش کر دیئے گئے ہیں۔

بیداری

وہ فرماتے ہیں:

ایک رات نمازِ مغرب وعشاء ادا کرنے کے بعد یونہی سوچ میں گم تھا کہ اگرچہ ہم دوسروں کی طرح "ماوراء دنیا" اور عالم اسباب کے "اُس طرف" کے منکر نہیں ہیں مگر عمل کی دنیا میں کچھ کم بھی نہیں ہیں! ہم پر نہ اپنا ماضی روشن ہے اور نہ مستقبل واضح ہے!

حالانکہ حدیثِ شریف میں ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (ص)

رَحِمَ اللّٰہُ امْرَأً عَرَفَ قَدْرَہٗ وَعَلِمَ مِنْ اَیْنَ؟ وَفِیْ اَیْنَ؟ وَاِلٰی اَیْنَ؟

(بحارالانوار جلد نمبر ۱۰ صـ ۹۸)

حضرت رسول اکرمؐ فرماتے ہیں:

اللہ سُبحانہٗ اس شخص پر رحم فرمائے جو اپنی حیثیت سے آگاہ ہے، اُسے معلوم ہے کہ کہاں سے آیا ہے؟ کس جگہ پر آیا ہے؟ اور وہ کس طرف جانے والا ہے؟!

نہ اپنے اللہ سے ہمارا کوئی براہِ راست رابطہ ہے، نہ ہم اُس سے بات کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی طرف سے دیئے جانے والے کسی جواب کو سن سکتے ہیں!

حالانکہ اللہ سبحانہ اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتا ہے:

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (اللہ سبحانہ نے) انسان کو اچھے اور بُرے کردار بتا رکھے ہیں:

(سورہ الشمس آیت نمبر ۸)

اسی طرح جب ہم حضرت رسولِ اکرمؐ، ائمہ اطہارؑ اور دیگر شہداء و صدیقینؓ کی زیارت کو جاتے ہیں۔ وہاں اپنی گذارشات پیش کرتے ہیں مگر یہ کام بھی یکطرفہ رہتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ ہمارے سلام کا کوئی جواب ہمیں سنائی نہیں دیتا بلکہ ہمیں جواب کی توقع ہی نہیں ہوتی!

ہم اپنے زمانے کے امام حضرت مہدی علیہ السلام سے بالکل لاتعلق ہیں جبکہ اللہ سُبحانہٗ نے اُنہیں ابھی تک ظاہری بدن میں محفوظ رکھا ہوا ہے تاکہ ہم ان کی بارگاہ سے کسبِ فیض کریں، ان سے گفت و شنید کریں، ان کے نزدیک ہوں اور اپنے اور اللہ سُبحانہٗ کے درمیان ان کو قابلِ اعتماد واسطہ قرار دیں۔ حد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آپؑ سے ملاقات کا دعویٰ کرے تو سب اس کو جھٹلاتے ہیں۔

ہم صرف عادت کی حد تک نمازی ہیں۔ نہ ہماری نماز ہمیں اللہ سُبحانہٗ کے قریب کرتی ہے اور نہ ہی ہم اللہ سبحانہٗ کے نزدیک ہونے کے مفہوم کو سمجھتے ہیں جب کہ مستند حدیث شریف ہے:

اَلصَّلٰوةُ قُرْبَانُ كُلِّ تَقِيٍّ نماز ہر متقی مسلمان کو اللہ سُبحانہٗ کے قریب کر دیتی ہے۔

(بحار الانوار ج ۱۰ صفحہ ۱۱)

نہ ہماری نماز ہمیں معراج پر لے جاتی ہے اور نہ ہی ہم "معراج و علو" کے مفہوم سے آگاہ ہیں جب کہ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنْ — نماز مومن کی معراج ہے۔

ہماری نماز ہمیں فحاشی و عریانی سے نہیں روکتی نہ ہی ہم نماز کے ذریعہ فحاشی و بے حیائی سے رُکنے کے مفہوم سے آشنا ہیں جب کہ اللہ سُبحانہٗ واشگاف الفاظ میں ارشاد فرماتا ہے:

"... اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ — یقیناً نماز فحاشی و برائی سے روکتی ہے

(سورہ عنکبوت آیت نمبر ۴۵)

ہم نے کبھی کسی فرشتے کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ہم ان کی خلقت کی وجہ جانتے ہیں جبکہ امام رضاؑ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمَلَائِکَۃَ لَخُدَّامُنَا وَخُدَّامُ مُحِبِّیْنَا — بیشک فرشتے ہمارے اور ہمارے چاہنے والوں کے خدمت گزار ہیں۔

(عیون اخبار الرضاؑ باب نمبر ۲۶ حدیث ۲۲)

جنّوں سے ہماری کوئی واقفیت ہی نہیں بلکہ ہم تو ان کے وجود کے صحیح طریقے سے معتقد بھی نہیں ہیں جبکہ اللہ سبحانہٗ ارشاد فرماتا ہے:

"مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ. — میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے

(سورہ ذاریات آیت نمبر ۵۶)

ہم نے شیطان کا صرف نام ہی سن رکھا ہے اور کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ وہ کس طرح چند لمحوں میں تمام بنی نوع انسان کو ورغلا سکتا ہے؟ جبکہ اللہ سُبحانہٗ ارشاد فرماتا ہے:

قَالَ رَبِّ بِمَآ أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ○

(شیطان بولا) تو نے مجھے راندۂ درگاہ قرار دے دیا ہے۔ اب میں دنیا کو انسانوں کے سامنے پرکشش صورت میں پیش کروں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔

(سورۃ الحجر آیت نمبر ۴۰)

زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ہم خود اپنی رُوح کے ہی شناسا نہیں ہیں اور نہ ہی اس کے اسرار و رموز، خواب و بیداری اور حیات و مرگ کو سمجھ سکے ہیں جبکہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں :

هَلَكَ امْرُءٌ لَمْ يَعْرِفْ قَدْرَهُ

جو شخص اپنی (رُوحانی) قدر و منزلت سے آگاہ نہیں وہ مارا گیا۔

(نہج البلاغہ ص۹۴۳)

مختصر یہ کہ اس مادی دنیا کے اس طرف اور آگے ہم کچھ بھی نہیں جانتے!

اُس رات میں نے مذکورہ بالا مسائل پر خاصہ غور و خوض کیا کہ ایسا کیوں ہے ؟ کافی دیر انہی خیالات کے طوفان میں گھرا رہا۔ میرے ذہن پر اس قدر دباؤ بڑھا کہ اگر تھوڑی دیر اور یہی کیفیت رہتی تو شاید میں چیختا ہوا گلی میں نکل جاتا اور اپنی ساکھ کھو بیٹھتا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ میں اللہ سُبحانہٗ پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں نے اس کا وجود ثابت کرنے کے لئے اپنے شاگردوں کو دس مضبوط دلیلیں تعلیم کی ہیں۔ برسوں کی تحقیق کے ذریعہ دلیل و منطق کی بنیاد پر علم الیقین کی منزل تک پہنچا ہوا ہوں۔ اُس سے محبت کرتا ہوں بلکہ ہر چیز سے بڑھ کر اس سے لگاؤ رکھتا ہوں۔ اس نے بھی ہمیشہ مجھے اپنے لُطف و کرم سے نوازا ہے۔ کیوں نہ ان فکری مشکلات کا حل اس سے چاہوں ؟ کیا اس نے نہیں فرمایا:

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ — کیا اللہ سبحانہٗ اپنے بندے کیلئے ہر طرح سے کافی نہیں ہے؟

(سورہ الزمر آیت نمبر ۳۶)

اور

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ — جو شخص اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ کرے وہ اُسے کسی کا محتاج نہیں بننے دے گا۔

(سورہ الطلاق آیت نمبر ۳)

کیوں نہ میں اس کے دروازے پر دستک دوں! خود اسی سے مدد چاہوں۔! قبلہ رُو تو میں پہلے ہی تھا میں نے فوراً اپنی توجہ تمام مادی چیزوں سے ہٹا لی اور اپنی مجموعی ادراکی توانائیوں کو سمیٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دل کی آنکھوں کو کھولا اور اُس کی قدرت کا نظارہ کرنے کے لئے ہمہ تن چشم بن گیا!

مجھ پر بیخودی کی ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ بے اختیار میری زبان پر یہ ذکر جاری ہو گیا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ — مالک! تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور تو ہر عیب سے منزہ ہے۔ البتہ میں ہی غلط کار ہوں!

(سورہ یونس آیت نمبر ۸۷ یا ذکر یونسیہ)

گویا کہ:

" اے اللہ سبحانہٗ! اس کائنات میں تیرے سوا اور کوئی وجود اثر انداز ہونے کی قوت نہیں رکھتا۔ یہ جہالت کے دبیز پردے، یہ لاعلمی اور بے خبری تیری طرف سے نہیں ہو سکتی! تو اس سے بلند ہے کہ بغیر وجہ کے اپنے

بندوں کو آزمائش میں مبتلا کرے !

میں ہی بُرا ہوں میں نے خود اپنے آپ سے زیادتی کی ہے اور اپنی عقل پر جہالت و لاعلمی کے پردے ڈال دیئے ہیں !

میں نے حالتِ سجدہ میں مذکورہ ذکر شاید کوئی سو مرتبہ دہرایا ہوگا کہ میرے مہربان اللہ نے وعدہ وفا اللہ نے، پیارے اللہ نے اور قادرِ مطلق اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا جیسا کہ اسی آیۂ مبارکہ کے آخر میں یہ الفاظ ہیں :

وکذالک ننجی المومنین

جس طرح (یہی جملہ دہرانے پر حضرت یونسؑ کو تکلیف و اندوہ سے نجات دی تھی) اسی طرح ہر مومن کو، ہر پریشانی سے نجات دیتے ہیں !

چنانچہ حضرت یونسؑ کی طرح مجھے بھی جہالت کے تمام تاریک پردوں، ہر قسم کے اضطراب اور رحمت و محبت سے دوری سے نجات مل گئی۔ میرے دل کی زبان، آنکھ، کان، اور احساس بیدار ہوگیا! میرا سینہ علم و معرفت سے مملو ہوگیا.

اس موقع پر مجھے یوں محسوس ہوا گویا کہ میں گہری نیند سے بیدار ہوگیا ہوں، اپنی پسماندگی کمزوری اور نقائص سے باخبر ہوگیا ہوں اور فوراً تلافی کے لئے کمربستہ ہوگیا ہوں۔ اللہ سبحانہٗ کی اس نعمت کا شکر بھلا کیسے ادا کر سکتا ہوں جبکہ حضرت داؤدؑ اس کا شکر ادا نہ کر سکے !

اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَوْحٰى اِلٰى دَاوٗدَ اُشْكُرْنِىْ حَقَّ شُكْرِىْ. فَقَالَ يَارَبِّ! كَيْفَ اَشْكُرُكَ وَاَنَا لَآ اَسْتَطِيْعُ اَنْ اَشْكُرَكَ اِلَّا بِنِعْمَةٍ ثَانِيَةٍ مِّنْ نِّعَمِكَ.

ایک دفعہ اللہ سبحانہٗ نے حضرت داؤدؑ سے فرمایا کہ میرا اس طرح شکریہ ادا کر جو شکریہ ادا کرنے کا حق ہے! آپ نے عرض کیا، پروردگار! میں تیرے شکر کا حق کیسے ادا کر سکتا ہوں کہ میں تیری جس نعمت کا بھی شکریہ ادا کروں گا تو یہ شکریہ ادا کرنے

کی توفیق بھی تو تیری ایک نعمت ہی ہے پھر
اس کا شکریہ کس طرح ادا کروں !!!

(جامع السادات جلد نمبر۲ ص۲۴۲)

وہ فرماتے ہیں :

مذکورہ بالا واقعے کے بعد مجھ میں اتنی استعداد پیدا ہوگئی کہ اپنے پیارے، جان و دل سے عزیز اور اپنے رحمٰن و رحیم اللہ کو دل کی نگاہوں سے دیکھوں، اس سے باتیں کروں اس سے راز و نیاز کروں، اس سے برابر وابستہ رہوں، اس کے ارشادات سنوں، اس سے جدا ہوکر بے چین رہوں، ہر جگہ اس کے ساتھ ساتھ رہوں اور ہمیشہ اسی کے دامنِ فیض بخش کے سایہ میں زندگی بسر کروں!

اور ایسا کیوں نہ کروں کیونکہ وہ خود ہی تو فرماتا ہے :

هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ — تم جہاں بھی رہو وہ تمہارے ساتھ ساتھ ہوتا ہے

(سورہ الحدید آیت نمبر ۴)

اور

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ. — ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

(سورہ ق آیت نمبر ۱۶)

اور

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ — وہ ہر چیز پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔

(سورہ المائدہ آیت نمبر ۱۲۰)

اور

اَلَا اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ — خبردار ! ہر چیز اس کے احاطہ اختیار

میں ہے۔

(سورہ انعام آیت نمبر ۱۷)

اور

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا

نفس کی قسم اور اس کی قسم جس نے نفس کو صحیح و سالم بنایا۔ پس اللہ سبحانہ نے نفس کو اس کی اچھائیاں اور برائیاں الہام کر دیں۔

(سورہ الشمس آیت نمبر ۷)

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ ہر چیز کے ساتھ ہو مگر میرے ساتھ نہ ہو!

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ ہر چیز پر اختیار رکھے اور جو کچھ میرے ساتھ ہوا ہے اس پر اختیار نہ رکھے!

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ ہر نفس سے بات چیت کرے، اس کی اچھائیاں اور برائیاں اس سے بیان کرے اور میرے ساتھ بات چیت نہ کرے اور مجھ سے کچھ نہ کہے؟!

وہ فرماتے ہیں:

ابھی میں عنفوانِ شباب کی عمر میں ہی تھا اور علم معنویات اور اسرار و رموزِ خلقت بالکل نہیں سمجھتا تھا، ایک بزرگ عالمِ دینؒ کی ہدایت کے مطابق ایک رات نمازِ شب میں مصروف تھا، شاید آخری سجدے میں مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا، میں نے سنا جیسے کوئی شخص قرآن مجید کی سورہ الشمس پڑھ کر مجھے سنا رہا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝

رحمٰن اور رحیم اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ قسم سورج کی اور اس کی روشنی کی، قسم چاند کی جب وہ اس کے بعد نکلے، قسم دن کی۔ جب اللہ سبحانہ اسے روشن

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ٥ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ٥ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ٥ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ٥ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ٥

کرے۔ قسم رات کی جب وہ سورج کو ڈھانپ لے۔ قسم آسمان کی اور جس نے اُسے بنایا۔ قسم زمین کی اور جس نے اُسے بچھایا؟ قسم نفس کی اور جس نے اسے صحیح و سالم بنایا۔

(سورہ الشمس آیت نمبر ۱ تا ۹)

جب میں بیدار ہوا تو یہ آیت "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا" بار بار پڑھی جا رہی تھی۔ ہر بار آواز پہلے سے زیادہ بلند ہوتی گئی حتٰی یوں محسوس ہوا کہ میرے کان کے پردے پھٹ جائیں گے۔ میں نے ایک چیخ ماری اور خوف سے بے حال ہو کر گر گیا اس کے بعد گویا کہ مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔

اسی عالم میں مجھ پر اس سورہ مبارکہ کے مطالب و مفاہیم منکشف ہوئے کہ:

"مسلمانو! اپنے رب اور اپنے خالق کے احکامات کیوں نہیں مانتے ہو؟ جس نے تمہیں ہر چیز سے نوازا ہے۔ جو نہ کبھی غلط بات کرتا ہے اور نہ مبالغہ آرائی کرتا ہے۔ تم کیوں نہیں سمجھتے کہ وہ کتنی تاکید سے، کتنے اصرار سے اور کتنی عظیم قسمیں کھا کھا کر یہ بتا رہا ہے کہ کامیابی اور رستگاری صرف اُسی کے قدم چومتی ہے جو تزکیہ نفس کرتا ہے؟

کیا تمہارے خوابِ غفلت سے بیدار ہونے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ اللہ سبحانہٗ ہر اُس چیز کی قسم کھا کر تمہیں ہدایت کرے جو اس کے ہاں قابلِ احترام ہے؟!

"وَالشَّمْسِ" سورج کی قسم یعنی حضرت رسولِ اکرمؐ کی قسم

"وَضُحٰهَا" سورج کی ضیاء کی قسم یعنی دینِ مقدس اسلام (بقول بعض مفسرین ضیا سے مراد حضرت سیدۂ عالم ہیں — مترجم)

"وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا" چاند کی قسم جو سورج کے بعد نکلتا ہے۔یعنی امیرالمومنین حضرت علیؑ کی قسم جو اپنے آپ کو حضورِ اکرمؐ کے غلاموں میں کا ایک غلام سمجھتے ہیں۔

"وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا" دن کی قسم جب ایک عالم روشن ہو جاتا ہے۔یعنی حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی قسم جنہوں نے اپنے اعلیٰ کردار اور معصوم اولاد کے ذریعہ کائنات کو منور فرمایا۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ : قَالَ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا یَعْنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) وَدِیْنَهٗ وَاَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ (ع) وَالْحَسَنُ وَ وَالْحُسَیْنُ عَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

حضرت ابو عبداللہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ والشمس سے مراد حضرت رسولِ اکرمؐ ہیں اور ضحٰھا سے مراد اُن کا دینِ اسلام ہے۔ والقمر سے مراد امیرالمومنین حضرت علیؑ ہیں اور والنہار سے مراد حسنینؑ ہیں۔

(تفسیر برہان جلد نمبر ۴ ص ۳۶۷)

وہ فرماتے ہیں :

ایک رات اپنے اس اُستاد کی ہدایات کے مطابق جنہوں نے مجھے اپنی رُوح بدن سے الگ کرنے کا طریقہ سکھایا تھا، میں نے رُوح الگ کرنے کے تمام انتظامات مکمل کر لئے تھے۔ بستر میں دراز ہو کر لیٹ گیا تھا۔ اور اپنے اوپر لحاف اچھی طرح اوڑھ لیا تھا۔ ابھی میری آنکھیں کھلی ہی تھیں کہ اچانک ایسا محسوس ہوا کہ میرے پاؤں کی طرف والا دھڑ ہلکا ہو رہا ہے جب کہ سر اور سینہ بہت بھاری۔ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ میری رُوح پاؤں کی طرف سے میرے جسم سے الگ ہو رہی ہے۔یعنی پاؤں وہیں بستر میں پڑے ہوئے ہیں مگر پاؤں اور ٹانگوں کی شکل کا ایک لطیف جسم اوپر کی طرف اُٹھ رہا ہے اور کمر تک اُوپر اُٹھ گیا ہے۔یعنی کمر سے نیچے میرے دو بدن ہو گئے جبکہ اُوپر ایک ہی رہا۔ اس منظر سے میں

خاصہ خوف زدہ ہوگیا اور ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ چنانچہ الگ شدہ رُوح دوبارہ میرے جسم کے ساتھ یک جان ہوگئی۔

اس تجربے سے مجھے یہ پتا چلا کہ بدن کے برخلاف، رُوح لطیف شفاف بخارات کی طرح ہے جو احساس ادراک اور سوجھ بوجھ کی صلاحیتوں کی حامل ہے۔ البتہ اس کے بعد میں نے مزید دلیری اور ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پورے بدن سے روح کو جب الگ کر کے دیکھا تو کئی اور قابلِ قدر معلومات حاصل ہوئیں۔ جن میں کی بعض یہ ہیں کہ رُوح بہت زیادہ سفید اور شفاف ہوتی ہے جبکہ بدن گوشت، کھال، ہڈیوں اور خون پر مشتمل ہوتا ہے۔ جب رُوح بدن سے نکل جاتی ہے تو جسم بستر پر یونہی پڑا رہتا ہے جیسا کہ انسان سونے کی حالت میں ہوتا ہے۔

حضرت امام صادقؑ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں رُوح کی جسمانیت کے بارے فرمایا گیا ہے:

"قَالَ الصَّادِقُ الرُّوحُ لَا يُوصَفُ بِثِقْلٍ وَلَا خِفَّةٍ وَهِيَ جِسْمٌ رَقِيقٌ أُلْبِسَ قَالِبًا كَثِيفًا"

رُوح کو ہلکا یا بھاری نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ یہ ایک لطیف جسم ہے جس کے اوپر موٹے بھاری جسم کا غلاف چڑھا دیا گیا ہے

دراصل رُوح کو بدن سے الگ کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے خواب دیکھتے ہوئے انسان کے جسم سے رُوح کا خارج ہونا۔ البتہ حالتِ خواب میں روح کا بدن سے الگ ہونا اور از خود روح کو بدن سے الگ کرنے میں تھوڑا سا فرق ہے۔ پہلی صُورت میں رُوح کا بدن سے نکلنا اور دوبارہ داخل ہونا انسان کے اختیار میں نہیں جبکہ دوسری صُورت میں انسان کے اختیار میں ہوتا ہے اور اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ کب رُوح نکل گئی اور کب واپس آئی۔ مزید براں رُوح کے اخراج کے بعد روح جو دیکھتی ہے یا سمجھتی ہے۔ انسان کو بالکل ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسے رُوح کے بدن میں ہونے کی صورت محسوس ہوتا ہے اور انسان اسے آسانی سے بھول بھی نہیں سکتا۔

میری رُوح اعلیٰ صفات اور وسیع معلومات کی حامل تھی۔ البتہ ان دنوں مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ صفات اور معلومات اس نے کیسے حاصل کیں مگر ان صفات و معلومات کے ساتھ ساتھ کچھ صفاتِ رذیلہ اور بُری خواہشات بھی تھیں جو میں نے تھوڑی سی سوچ بچار کے بعد ہی معلوم کر لیا کہ بدن میں آنے کے بعد اور کچھ عالمِ ذر سے اس میں پیدا ہو گئی تھیں۔ یہ بھی مجھے پتا چل گیا کہ اگر رُوح چاہتی ہے کہ آسمانِ کمالات کی طرف پرواز کرے تو اسے ان بُری خواہشات اور گھٹیا صفات کو اپنے سے دُور کرنا ہوگا یعنی اپنا تزکیہ کرنا ہوگا۔ وگرنہ یہ بُری صفات مقناطیس کی طرح اسے دنیا اور مادے کی طرف کھینچتی رہیں گی۔

چنانچہ اکثر و بیشتر میں روح کو بدن سے الگ کرنے کے بعد زیادہ دیر باہر نہ رکھ سکا کیونکہ میری رُوح تزکیہ یافتہ نہ تھی اس لئے بدن کی طرف جلدی لوٹ آتی تھی۔

وہ فرماتے ہیں :

میرا یہ معمول تھا کہ ہر رات سونے سے کوئی آدھ گھنٹہ پہلے بارگاہِ چہاردہ معصومین علیہم السلام میں حاضر ہوتا اور اپنی ناقص زبان و کلام سے باری باری ہر ایک معصومؑ کی خدمت میں سلام عقیدت عرض کرتا یعنی سب سے پہلے حضرت رسولِ اکرمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا بالکل اسی طرح جیسے آپؐ کی حیاتِ ظاہری کے زمانے میں کوئی ہو اور باآواز بلند کرے۔ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِؐ پھر دست بوسی کے لئے جھکے پھر عرضِ حال اور اظہارِ محبت و عقیدت کے لئے چند کلمات کا رد و بدل کرے وغیرہ وغیرہ۔

پھر حضرت امیرالمومنینؑ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا۔ اسی طرح ایک ایک کرکے تمام ائمہ معصومینؑ کی بارگاہ میں حاضری دیتا حتّٰی کہ کائنات کی رُوحِ رواں حضرت بقیۃ اللہ العظمیٰ امام مہدی آخرالزماں روحی و ارواح العالمین لتراب مقدمہ الفداء کی بارگاہ میں پہنچ جاتا۔ مجھے یقین کامل ہے کہ آپؑ ظاہری بدن کے ساتھ اسی دنیا میں جلوہ افروز ہیں۔ اس لئے کچھ زیادہ ہی ادب کے ساتھ کھڑا ہوتا۔ اور بدنی آداب بھی بجالاتا یعنی اگر بیٹھا ہوتا تو کھڑا ہوجاتا، کھڑا ہوتا

تو تعظیماً جھک جاتا اور ادب سے کورنش بجالاتا اور عرض کرتا سَلَامٌ عَلَیکُمْ یَااِمَامَ زَمَانِیْ
میری جان، مال، ماں باپ غرضیکہ میری ہر چیز آپ کے مبارک قدموں پر قربان۔ کبھی تو میں
ایسے میں زمین پر گر جاتا گویا کہ حضورؑ کی قدم بوسی کر رہا ہوں اور اپنی ناقص گذارشات پیش
کر رہا ہوں اور اس وقت تک اسی حالت میں رہتا جب تک آپؑ کا لطف و کرم سے بھرپور
جواب میرے دل کو الہام نہ ہو جاتا!

ایک رات میں حسبِ معمول مذکورہ بالا عمل میں معروف تھا اور چونکہ چند روز قبل میں
نے اپنی رُوح میں بعض جانوروں جیسی صفاتِ رذیلہ مشاہدہ کی تھیں اس لئے خاصہ پریشان بھی
تھا۔ میں کافی دیر تک روتا رہا اور اپنے پیارے، محبوب اور اُس اِمامؑ سے راہنمائی اور مدد
چاہتا رہا جس پر میں ساری کائنات کو قربان کر دینے پر تیار تھا تاکہ ان بُری خواہشات کو
دُور کر سکوں اور اپنی رُوح کو آلودگی سے نجات دے سکوں۔ میں نے عرض کیا:

میرے آقا و مولاؑ حضرت آدمؑ اللہ سُبحانہٗ کے نبی تھے۔ مگر وہ بھی ترکِ اولیٰ
کر بیٹھے حتیٰ کہ انہیں بارگاہِ ایزدی میں کہنا پڑا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ.

پروردگار! بیشک ہم نے اپنے آپ سے زیادتی کی۔ اگر تو ہماری یہ لغزش نہیں بخشے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔

(سورۃ الاعراف نمبر ۲۴)

آقاؑ! میری کیا حیثیت ہے! میری کیا بساط ہے جو اپنے آپ کو خود بخود آلودگیوں سے
پاک رکھ سکوں! آپ کو اپنی جدہٗ طاہرہ جناب سیدۂ عالم سلام اللہ علیہا کا واسطہ میری مدد
فرمایئے تاکہ میں اس مہم میں کامیاب رہوں۔

ایک دم کیا دیکھتا ہوں کہ میرے اردگرد کا سارا ماحول بقعۂ نُور بن گیا اور یہ نُورِ منور
میرے دل کی گہرائیوں تک پہنچ گیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا گویا کہ چاروں طرف سینکڑوں مرکری

جب لگا دیئے گئے ہیں۔ البتہ یہ روشنی آنکھوں کے لئے تکلیف دہ نہیں تھی!
دنیا کی کوئی بھی روشنی اِس نور سے قابلِ موازنہ نہیں تھی!
یہ ایسا نُور تھا جو سب کے لئے یکساں طور پر فیض رساں تھا!
یہ ایسا نُور تھا جس کی حرارت مضر نہ تھی!
الغرض یہ وہ نُورِ مقدس تھا کہ جس سے کوئی علم، کوئی حکمت اور کوئی مسئلہ مخفی نہ تھا۔
میں نے نہایت مؤدبانہ عرض کیا:
اے نورِ مقدس!
تو کون ہے؟ تیری کیا شان ہے؟ کیا مجھے بھی اپنی طرح صاف شفاف بنا سکتا ہے؟ اور مجھے برائیوں، تیرگیوں، جہالتوں اور بُری صفات سے نجات دے سکتا ہے؟
مجھے جواب سنائی دیا، اُس نورِ مقدس نے جواب فرمایا۔
مگر قارئینِ کرام!
یہ ہرگز نہ سمجھے گا کہ اس نورِ مقدس کا جواب فضا میں کسی قسم کی آواز پیدا ہونے اور اس آواز کا میرے کانوں سے ٹکرانے سے سنائی دیا۔ نہیں، نہیں یہ تمام مادی طریقے ہیں۔ اس عالمِ اسباب، عالمِ دُنیا کے طریقے ہیں۔ بلکہ یہ جواب دل کی زبان میں دیا گیا۔ اور مَیں نے دل کے کانوں سے سنا:

"اللہ سُبحانہٗ نے مجھے تیری اور دنیا میں تیرے جیسے دیگر انسانوں کی ہدایت کے لئے ہی تو خلق کیا ہے! میں تیری پناہ مانگتا ہوں! میں تجھے آزمائشوں میں کامیاب کرانے والا ہوں!"

یہ جواب دعائے ندبہ کے مندرجہ ذیل جملوں کے عین مطابق تھا:
اَیْنَ السَّبَبُ الْمُتَّصِلُ بَیْنَ الْاَرْضِ — کون ہے جو زمین کے رشتے آسمان سے

وَالسَّمَآءِ   جوڑنے والا ہے ۔"

خَلَقْتُهُ لَنَا عِصْمَةً وَّمَلَاذاً   جس کو ہمارے لئے محافظ اور پناہ گاہ خلق کیا گیا ہے ۔

"البتہ میری مدد حاصل کرنے سے پہلے تمہارے لئے ضروری ہے کہ مجھے اور اپنے آپ کو پہچانو !

اپنی رُوح و نفس کو پہچانو ! تاکہ جلدی اپنے نفس کا تزکیہ کرسکو ۔ اگر تم نے مجھے بطورِ اُستاد نہ جانا اور اپنی شرعی ذمہ داریاں پوری نہ کیں یعنی اپنے سبق کو نہ پڑھا ، یاد نہ کیا تو پھر تمہاری اصلاح مشکل ہے !"

یہاں تک میں نے سنا تھا کہ رابطہ منقطع ہوگیا ۔ میں اس کی وجہ سمجھ گیا کیونکہ میں اپنی توجہ مرکوز نہ رکھ سکا ۔ اور اپنی روحانی آلودگی کی وجہ سے اس سے زیادہ اس عصمت و طہارت کی معراج کے ساتھ منسلک نہ رہ سکا ۔

قارئینِ کرام !

آپ تو جانتے ہیں کہ ایسے مواقع پر انسان کی کیفیت کیا ہوتی ہے ۔ میں خوابِ غفلت سے جاگ اٹھا تھا ۔ مجھے پل بھر قرار نہیں تھا ۔ برابر روئے چلا جارہا تھا ۔ میری کوشش تھی کہ جس طرح بھی ہو ان گندگیوں سے نجات پاؤں ۔ میری جگہ اگر آپ ہوتے یا ابھی اس کتاب کو پڑھتے ہوئے اُس کیفیت کا تصور کریں تو آپ کی حالت بھی مجھ سے کچھ مختلف نہیں ہوگی !

آپ کی حالت بھی ایسی کیوں نہ ہو ؟ آپ بھی تو قرآنِ مجید پر ایمان رکھتے ہیں ۔ اور آپ بھی عقل رکھتے ہیں ! یہ بھی کیا ضروری ہے کہ انسان ہمیشہ مادیت اور حیوانیت کی انتہاہ گہرائیوں میں گرا رہے !؟

کیا انسان مرتے دم تک خوابِ غفلت میں پڑا رہے ؟!

کیا اللہ سبحانہٗ نے اِنسانوں کو اپنے لئے، اپنے ساتھ راز و نیاز کرنے کے لئے اور اپنے ساتھ روابط بڑھانے کے لئے پیدا نہیں کیا ؟!

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ." — میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے !

کی نص صریح کے تحت کیا اللہ سبحانہٗ نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا نہیں کیا ہے !

پس اِن واضح قرائن و براہین کے باوجود یہ غفلت کیوں ؟ یہ لاپرواہی کیوں! نفس کی پاکیزگی اور تزکیہ سے لاپرواہی کیوں ؟

اللہ سبحانہٗ ہم سب کو خوابِ غفلت سے بیدار فرمائے۔ آمین !

انہوں نے فرمایا:

اِسی طرح کئی روز گزر گئے میں اپنی روحانی پسماندگی اور صفاتِ رذیلہ کی موجودگی پر آنسو بہا رہا تھا۔ میں بہت رنجیدہ اور دل گرفتہ تھا۔ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔ ایک رات میں نے کیا کیا۔ اپنے کمرے کی دری کا ایک کونہ اٹھایا۔ اپنے چہرے کو زمین پر رکھا۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور گڑگڑا کر توبہ استغفار کیا۔ مختصر یہ کہ اِتنا رویا کہ زمین میرے آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

ایک دم کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بیابان جنگل ہے۔ مجھے پا بہ زنجیر کر رکھا ہے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہیں اور مجھے زمین پر زور سے پھینک دیا گیا ہے۔ طوق و سلاسل کا بوجھ اس قدر ہے کہ میں اپنی جگہ سے اُٹھ نہیں سکتا۔ ایسے میں حضرت امیرالمومنینؑ کی تعلیم کردہ "دعائے کمیل" کا یہ جُملہ معاً میری زبان پر آ گیا:

وَقَعَدَتْ بِيْ اَغْلَالِيْ — میرے گناہوں کے بوجھ نے مجھے زمین گیر کر رکھا ہے۔

بہت زیادہ پریشان ہوگیا اس حال میں چند دفعہ بآواز بلند "یا صاحب الزمانؑ" کی فریاد میرے منہ سے نکلی کچھ ہی لمحوں بعد ایسا محسوس ہوا کہ آپؑ کا وجود ذی جود کہیں میرے آس پاس موجود ہے۔ مگر میری بصارت بالکل کام نہیں کر رہی کہ آپؑ کی زیارت سے مشرف ہو سکوں۔

اس وقت میری حالت اِن اشعار کی مجسم تصویر تھی۔

دوست نزدیک تر از من بہ من است وایں عجب تر کہ من از وی دورم گفتم بہ کام وصلت خواہم رسید روزی گفتا کہ نیک بنگر شاید رسیدہ باشی	میرا محبوب خود مجھ سے زیادہ میرے نزدیک ہے۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ میں اب بھی اس سے دُور ہوں۔ میں نے عرض کیا کسی نہ کسی دن تو آپؑ کی بارگاہ میں حاضر ہو ہی جاؤں گا! فرمایا غور سے دیکھو شاید تم پہنچ ہی گئے ہو!

یا بقول جناب حافظؒ

تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز	حافظ! تو خود ہی اپنے آپ پر پڑے پردے ہٹا دے۔

میں نے عرض کیا:

میرے آقاؑ، میرے مولاؑ، میرے سردارؑ، آپؑ کے نقشِ قدم پر تمام اہلِ دنیا قربان! آپ تو میری مدد فرمائیں کم از کم ان زنجیروں سے تو چھڑوا دیں۔ کیونکہ اس بوجھ کے ساتھ اگر میں علو و رفعت کی طرف جانا بھی چاہوں تو ہرگز نہیں جا سکتا۔

اچانک سنتا ہوں کہ مجھے حکم دیا گیا کہ صحیفۂ سجادیہ کی آٹھویں دعا "یَا مَنْ تُحَلُّ بِهِ عُقَدُ الْمَكَارِهِ" پڑھوں۔ میں نے فوراً بیٹھ کر پڑھنا شروع کیا اور جب وقتِ زوال ہوا لفظ "القدوس" کو ایک سو ستر مرتبہ پڑھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ زنجیریں ہتھکڑیاں وغیرہ سب کچھ اتار دیا گیا۔

حضرت امام علی الرضاؑ نے فرمایا کہ جو شخص ہر روز وقتِ زوال لفظ "القدوس" ایک سو ستر مرتبہ پڑھے۔ اس کا دل ہر آلائش سے پاک ہو جائے گا اور وہ شیطان کے وسوسوں سے

محفوظ رہے گا۔ (کتاب بحر الغرائب)

اُستاد ضروری ہے!

انہوں نے فرمایا:

میرے شاگردوں میں کا ایک شاگرد بڑا صاحبِ صلاحیت و استعداد تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ جلدی اور زیادہ روحانی کمالات حاصل کرے۔ شروع شروع میں اس نے کچھ ہٹ دھرمی اور خود سری کا مظاہرہ کیا اور پوری طرح میری ہدایات پر کان نہ دھرا۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا:

جناب محترم استاد صاحب!

کیا سیر و سلوک الی اللہؒ اور معنوی و روحانی کمالات کے حصول کے لئے بھی استاد کی ضرورت ہے، یا انسان خود ہی اپنی عقل و ہوش کے بل پر اس منزل کو پاسکتا ہے؟

میں نے جواباً کہا: کوئی آسان سے آسان کام بھی استاد یا راہنما کے بغیر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچتا چہ جائیکہ یہ پیچیدہ اور کٹھن مرحلہ! ہمارے بزرگ فرما گئے ہیں:

"ملا شدن چہ آسان، آدم شدن چہ مشکل! — عالم بن جانا بہت آسان کام ہے مگر ایک انسان کامل بننا بہت مشکل کام ہے۔"

یہ کیسے ممکن ہے انسان استاد اور رہبر کے بغیر اس خطرناک راستے کو عبور کرے۔ روحانی اصلاح دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ایک ہے اور یہ مسئلہ بڑا الجھا ہوا ہے۔ پھر بغیر استاد کے اس کا طے کرلینا کس طرح ممکن ہوسکتا ہے!

اس موقع پر میں نے اسے حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ کا واقعہ سناتے ہوئے کہا، حضرت موسیٰؑ ایک اولوالعزم پیغمبر ضرور تھے مگر معنوی بلندیوں تک ابھی نہیں پہنچے تھے۔

بچنانچہ جس وقت اللہ سُبحانہٗ نے انہیں تورات کی الواح عنایت فرمائیں وہ اپنی قوم میں تشریف لائے۔ تدریس و تعلیم شروع کی۔ اللہ سُبحانہٗ کی بے پایاں کرم نوازیوں کا ذکر کیا تو دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ دنیا میں مجھ سے زیادہ لائق آدمی شاید کوئی نہ ہو!

اللہ سُبحانہٗ نے فوراً جبرائیل امینؑ کو حکم دیا کہ جلدی جاؤ اور موسیٰؑ سے کہو کہ دو سمندروں کے ملاپ کی جگہ پر چلے جائیں وہاں ایک بڑی سی چٹان پڑی ہوئی ہے اور ہمارا ایک بندہ کھڑا ہوا ہے۔ اس سے علوم و معرفت کا فیض حاصل کریں۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ حضرت موسیٰؑ کہیں عُجب و تکبر کی رُوحانی بیماری میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

حضرت جبرائیلؑ برق رفتاری سے حضرت موسیٰؑ کی خدمت میں پہنچے اور اللہ سُبحانہٗ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت موسیٰؑ فوراً سمجھ گئے کہ کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ آپ خوفزدہ ہو گئے اور اپنے وصی حضرت یوشعؑ کو بلا کر فرمایا۔

"اللہ سُبحانہٗ نے مجھے حکم دیا ہے کہ دو سمندروں کے ملاپ کی جگہ جاؤں اور ایک عالم ربانی سے کسبِ فیض کروں!"

حضرت یوشعؑ نے جلدی جلدی سفر کا سامان کیا۔ کھانا لیا جس میں تلی ہوئی مچھلی اور چپاتیاں تھیں اور دونوں چل پڑے۔ جب مذکورہ جگہ پر پہنچے، وہاں چٹان دیکھی اس پر تھوڑی دیر کے لئے بیٹھے۔ حضرت یوشعؑ نے کھانا نکالا۔ اس میں سے مچھلی نکال کر ایک طرف رکھی۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد حضرت موسیٰؑ نے پھر چلنے کو کہہ دیا۔ حضرت یوشعؑ نے جلدی جلدی سامان اکٹھا کیا مگر مچھلی کو سنبھالنا بھول گئے۔ جب چلنے لگے تو مچھلی کو دیکھا اور چاہا کہ سامان میں رکھ لیں۔ اس کو پکڑنے کے لئے لپکے تو وہ زندہ ہو گئی اور پانی میں کود گئی۔ حضرت یوشعؑ ورطۂ حیرت میں آ گئے۔ اسی اثنا میں حضرت موسیٰؑ بہت دور جا چکے تھے چنانچہ انہوں نے جلدی جلدی اپنے آپ کو حضرت موسیٰؑ تک پہنچایا۔ تھوڑا سا دور چلے ہوں گے تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا، "لاؤ بھئی ہمارا ناشتہ لاؤ، بہت تھکن ہو رہی ہے!" اس وقت حضرت یوشعؑ نے سارا واقعہ کہہ سنایا

کہ کس طرح وہ مچھلی بھول گئے اور دوبارہ پکڑنا چاہا تو وہ زندہ ہوکر پانی میں کود گئی۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اوہ ہو! یہی تو اس شخص کی موجودگی کی نشانی تھی۔ بہرحال دونوں واپس لوٹے اسی جگہ پر آئے تو کیا دیکھتے ہیں ایک صاحب نماز میں مشغول ہیں۔ آپ ان کے پاس بیٹھ گئے۔

وہ جب نماز سے فارغ ہوئے، انہوں نے ان دونوں کو سلام کیا۔ دونوں نے جواب سلام دیا۔ ایک دو کلمات کے ردوبدل ہی سے دونوں نے محسوس کیا کہ وہ اللہ سبحانہٗ کے کوئی خاص بندہ ہیں اور اللہ سبحانہٗ نے ان کو اپنے خاص علم و معرفت سے نوازا ہے۔

انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے پوچھا: آپ اپنا تعارف فرمائیں!

حضرت موسیٰؑ نے کہا میرا نام موسیٰؑ بن عمرانؑ ہے۔

انہوں نے فرمایا، وہی موسیٰؑ جن سے اللہ سبحانہٗ ہم کلام ہوتا ہے؟

حضرت موسیٰؑ نے اثبات میں جواب دیا۔ کیسے تشریف لائے؟ انہوں نے دریافت فرمایا:

حضرت موسیٰؑ نے کہا: میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ سے کسبِ فیض کروں اور اللہ سبحانہٗ نے آپ کو علم و معرفت کا جو بحرِ ذخار عطا کر رکھا ہے میں اس میں غوطہ زن ہونا چاہتا ہوں تاکہ منزلِ کمال تک پہنچ سکوں!

انہوں نے فرمایا: مگر میرے ساتھ رہ کر میری کارکردگی کا صبر و تحمل سے مشاہدہ کرنا بڑا مشکل کام ہے کیونکہ وہ آپ کے احاطۂ ادراک و شعور سے ماوراء ہے!

حضرت موسیٰؑ نے کہا: انشاء اللہ تعالیٰ میں تحمل کا مظاہرہ کروں گا۔ اور پوری کوشش کروں گا کہ آپ کی نافرمانی نہ ہونے پائے۔

انہوں نے فرمایا، اچھا! اگر یہ بات ہے اور آپ میری شاگردی پر مصر ہیں تو ایک بات پلے باندھ لیں کہ میں جو کچھ بھی کروں مجھ پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کیجئے گا۔ جب تک میں خود اس کی وضاحت نہ کر دوں!

حضرت موسیٰؑ نے وعدہ کر لیا اور ان شرائط پر وہ ایک طرف کو چل پڑے۔ تعلیم و تعلّم کا ایک

طریقہ سفر بھی ہے اور ایک اچھا شاگرد دورانِ سفر اپنے استاد سے بہت کچھ اور بہتر طور پر سیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت خضرؑ حضرت موسیٰؑ کو لے کر سفر پر روانہ ہو گئے۔

چلتے چلتے دریا پر پہنچے۔ ایک کشتی کرایہ پر لی اور اس پر سوار ہو گئے۔ حضرت موسیٰؑ اپنے استاد کی ہر حرکت و سکونت بڑی توجہ سے ملاحظہ فرما رہے تھے اور گویا کہ ہمہ تن گوش چشم اور ناک بنے بیٹھے تھے۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت خضرؑ کشتی میں سوراخ کر رہے ہیں اور کشتی کو ناقص بنا رہے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ جذباتی ہو گئے اور فوراً بول اٹھے، ارے یہ آپ کیا کر رہے ہیں ؟ کشتی میں سوراخ کر رہے ہیں ؟ کیا سب کو ڈبونے کے ارادے ہیں ؟ آپ جیسے عالم فاضل آدمی سے یہ کام ! بہت نامناسب بات ہے ؟!

حضرت خضرؑ بولے ، میں نے نہیں کہا تھا کہ میرے کام آپ کی سمجھ سے بالاتر ہیں! حضرت موسیٰؑ کو اپنا وعدہ یاد آگیا۔ انہوں نے معذرت کی اور کہا میں بھول گیا تھا۔ آپ درگزر فرمائیں !

حضرت خضرؑ نے پھر ان کو اپنے ساتھ رکھنے پر آمادگی ظاہر کر دی اور آگے بڑھ گئے۔ کشتی کنارے پر پہنچی سب اتر پڑے۔ حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ ایک شہر میں داخل ہو گئے۔ چلتے چلتے ایک نوجوان لڑکا نظر پڑا۔ حضرت موسیٰؑ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت خضرؑ نے اس نوعمر لڑکے کو پکڑا ایک طرف لے گئے۔ آلہ قتل نکالا اور اسے وہیں ڈھیر کر دیا۔

حضرت موسیٰؑ اس دردناک منظر پر پہلے سے کہیں زیادہ جذباتی ہو گئے اور قدرے درشت لہجے میں حضرت خضرؑ پر گویا کہ ناراض ہوتے ہوئے بول اٹھے !

کمال ہے استاد صاحب ! ایک بے گناہ بچے کو قتل کر ڈالا ! آپ کس قدر برے کاموں میں معروف ہیں ؟!

حضرت خضرؑ نے پھر وہی جملہ دوہرایا کہ میں نے پہلے ہی آپ کو نہیں بتا دیا تھا کہ میری معروفیات آپ کی سمجھ سے بالاتر ہیں !!

حضرت موسیٰؑ نے ایک بار پھر معذرت کی اب کے یہ اضافہ کر دیا کہ اگر اب میں بولا تو

آپ کو پورا حق ہے کہ مجھے اپنی رفاقت سے محروم کر دیں۔

پھر وہ آگے چل دیے یہاں تک کہ انطاکیہ گاؤں پہنچ گئے۔ انہوں نے وہاں کے باسیوں سے خورد و نوش کی چیزیں مانگیں مگر ان لوگوں نے بخل کا ثبوت دیا اور ان کو ایک وقت کا کھانا تک نہ دیا۔ اسی عالم میں وہ ادھر ادھر بھوکے پیاسے پھر رہے تھے کہ ان کی نظر ایک دیوار پر پڑی جو گری ہی چاہتی تھی۔ حضرت خضرؑ اس کی مرمت کرنے بیٹھ گئے۔

یہ دیکھ کر پھر حضرت موسیٰؑ سے نہ رہا گیا۔ فوراً بول پڑے، اگر آپ اس دیوار کی مرمت سے پہلے اِن لوگوں سے اُجرت کے طور پر کھانا ہی طے کر لیتے تو کیا اچھا ہوتا؟!

اس موقع پر حضرت خضرؑ فیصلہ کن اور دو ٹوک انداز میں بولے کہ بھئی اب میں آپ کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا لہٰذا مہربانی فرما کر مجھے تنہا ہی جانے دیجئے۔ البتہ میں آپ کو اِن تمام واقعات کی تفصیلات سے آگاہ کر دیتا ہوں۔ جو آپ سمجھ نہیں پائے۔

حضرت خضرؑ نے ایک ایک کر کے تمام واقعات کے پس پردہ اسرار و رموز حضرت موسیٰؑ کو بتا دیئے۔ جن کا ذکر سورہ کہف آیت نمبر ۶۰ تا ۸۵ میں موجود ہے۔ میں یہاں اس تفصیل میں نہیں جاتا کیونکہ وہ میرے موضوع سے متعلق نہیں ہے۔ البتہ اس واقعے سے جو نتائج میں قارئین کرام تک پہنچانا چاہتا ہوں وہ درج ذیل ہیں:

پہلا:

اِنسان کو چاہیئے کہ اپنا استاد اور راہبر اللہ سبحانہٗ کی ہدایت کے مطابق بنائے۔ کیونکہ دنیا میں طالع آزماؤں کی بہتات ہے جو انسان کو گمراہی و ضلالت کی ایسی اتھاہ گھاٹیوں میں گرا دیتے ہیں جہاں سے نکلنا قریب قریب محال ہوتا ہے۔ مزید براں وہ انسان کی گمراہی کے لئے تمام ضروری وسائل سے لیس بھی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

اللہ سبحانہٗ نے لوگوں کو احکاماتِ دین، رشد و ہدایت اور روحانی کمالات سکھانے کے لئے اپنے نیک اور پاک بندوں، انبیاءؑ اوصیاءؑ، ائمہ معصومینؑ، شہداءؓ و صدیقینؓ اور

اولیاءؒ و علماء کرام کو مقرر فرمایا ہے۔ ان کے مقابلے میں شیطان مردود نے بھی اپنے پست ترین چیلوں کو مذہب، سیاست، تعلیم اور ثقافت کا "رہبر و قائد" بنا کر لوگوں میں بھیج دیا ہے۔

اللہ سبحانہٗ اپنے بندوں پر وحی بھیجتا ہے اور ان سے رابطہ قائم رکھتا ہے تو شیطان مردود بھی بر نص قرآن مجید اپنے چیلوں کے کانوں میں ناپاک منصوبے پھونک دیتا ہے اور نحوست و گمراہی کے ٹھکانوں کی طرف اپنے جتھے کی باقاعدہ راہنمائی کرتا ہے!

اگر اللہ سبحانہٗ کا کوئی نیک بندہ عالمِ برزخ میں کسی نیک روح سے رابطہ قائم کر سکتا ہے تو شیطانی چیلے ارواح خبیثہ سے بہتر طور پر رابطہ کر سکتے ہیں اور یوں لوگوں کو الو بنانے کے لئے طرح طرح کے عجیب تماشے دکھا سکتے ہیں۔ الغرض اگر اللہ سبحانہٗ اپنے بندوں سے ہمیشہ بذریعہ الہام بات چیت کرتا ہے تو شیطان مردود بھی شیطانی وسوسوں کے ذریعہ اپنے چیلوں سے مربوط رہتا ہے۔ اگر کسی آدمی کو رحمانی خواب آتے ہیں تو شیطانی خواب بھی آتے ہیں۔

جس طرح اللہ سبحانہٗ نے حضرت موسیٰؑ کو ایک رہبر کے پاس بھیجا اسی طرح دنیا میں ہر ایک آدمی کے لئے کوئی نہ کوئی استاد اور رہبر من جانب اللہ سبحانہٗ مقرر ہے اور روزِ قیامت یہی رہبر اور استاد اسے بارگاہِ الٰہی میں لے کر حاضر ہوگا۔ رہ گیا یہ سوال کہ اس منصوص من اللہ رہبر کا پتہ کیسے چلے۔ اور انسان کس طرح مطمئن ہو کر فلاں ہستی کو اللہ سبحانہٗ نے ہمارے لئے رہبر و راہنما بنایا ہے تو جواباً عرض ہے کہ آگے چل کر میں ایک طریقہ بتا رہا ہوں جس کے ذریعہ میں نے اپنے راہبروں اور اساتید کو پہچانا ہے۔ آپ بھی اپنے رہبروں کو اسی طرح پہچان سکتے ہیں؛

ابھی میں نے عنفوانِ شباب میں قدم رکھا ہی تھا کہ میرا دل حقائق کی معرفت اور روحانی کمالات کے حصول کی طرف خاصہ مائل ہوگیا۔ اس منزل کو پانے کے لئے مدتوں میں حضرت امام زمانہؑ روحی و ارواح العالمین لتراب مقدمہ الفداء سے مربوط ہونے کی کوشش کرتا رہا۔ اور

مادی وظاہری طور پر بھی کسی کامل استاد کی تلاش میں رہا۔ اس اثنا میں مجھے جو کوئی بھی استاد بننے کے لائق نظر آتا تو اس کا بڑے قریب سے جائزہ لیتا خوب پرکھتا کہ وہ کہاں تک احکاماتِ پروردگار اور سُنتِ حضرت رسولِ اکرمؐ کا پابند ہے۔ اگر وہ بظاہر پابندِ اسوۂ حسنۂ حضرات محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام دکھائی دیتا تو اس کو اس لحاظ سے پرکھتا کہ کہیں وہ دکھاوا نہ کر رہا ہو اور یوں مجھے دھوکہ نہ دے رہا ہو۔ یہاں تک کہ کئی مہینوں کی لگاتار چھان پھٹک کے بعد مجھے اطمینان ہو جاتا ہے کہ وہ ایک مخلص اُستاد ہے اور صرف اللہ سبحانہٗ کی خوشنودی کے لئے میری راہنمائی کر رہا ہے۔

یہاں پر بھی میں بس نہ کرتا بلکہ اللہ سبحانہٗ کی بارگاہ میں گڑگڑاتا؛ اس کے علاوہ میرے پاس رہبر تلاش کرنے کا کوئی طریقہ نہیں۔ اگر میں غلطی کر رہا ہوں تو تجھے اپنی رحمت کا واسطہ میری راہنمائی فرما! چنانچہ اس کے بعد اگر اُس اُستاد کے خلاف کوئی شہادت مل جاتی تو اُسے چھوڑ دیتا ورنہ اسی کو رہبر و استادِ برحق سمجھ کر اس سے کسبِ فیض شروع کر دیتا۔

میں نے اسی طریقے سے ایک نہیں بلکہ پانچ خدا رسیدہ استاد ڈھونڈے اور نہ صرف یہ کہ (معاذاللہ) وہ فریبی اور خودغرض نہیں بلکہ روحانیت میں یدِطولیٰ بھی رکھتے ہیں۔ انہوں نے آج تک مجھ سے کچھ نہیں لیا اور نہ کبھی کچھ لینے کی خواہش کی ہے۔ البتہ مجھے علومِ حقائق و روحانیت سے مالامال ضرور کر دیا۔

اس موقع پر شاید قارئینِ کرام یہ سوال کریں کہ اگر کسی کو خدا رسیدہ اور کامل استاد مل جائے تو پھر ایک ہی کافی ہوتا ہے تو مجھے پانچ استاد رکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟!!

جواباً عرض ہے کہ میں نے کب بیک وقت استاد رکھے؟ میں نے انہیں چھوڑا بھی نہیں بلکہ آخری دم تک میں ان کی خدمت میں رہا۔ مگر تقدیر کا لکھا اٹل ہوتا ہے۔ قضا و قدر کے قانون نے انہیں مجھ سے چھین لیا۔ میرے چار قابلِ صد احترام استاد داعئ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اب اللہ سبحانہٗ پانچویں کو تاحیات میرے سر پر سلامت رکھے اور میں ان سے کسبِ فیض کرتا رہوں۔

دوسرا:

حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ کے واقعے سے جو دوسرا نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے: استاد اور رہبر کی تلاش کے دوران انسان کو کبھی "انا" کو رکاوٹ نہیں بنانا چاہیئے! جب کوئی شخص محسوس کرے کہ اُسے کوئی روحانی مرض لاحق ہوگیا ہے اور اس کا علاج فلاں شخصیت کے پاس ہے تو نہایت انکساری اور تواضع سے ان کی خدمت میں چلا جانا چاہیئے اور ان سے کسبِ فیض کرنا چاہیئے گرچہ ظاہراً وہ کم حیثیت کے مالک ہی کیوں نہ دکھائی دیتے ہوں! جس طرح حضرت خضرؑ کے واقعہ میں ظاہراً حضرت موسیٰؑ کی حیثیت زیادہ وسیع اور بلند معلوم دیتی ہے کیونکہ آپؑ وقت کے اولوالعزم اور صاحبِ شریعت وکتاب نبیؑ تھے اور ان کے زمانے میں کسی اور کو ان سے کسی لحاظ سے بھی بڑا نہیں ہونا چاہیئے تھا مگر یہ رموز و اسرارِ الٰہی ہیں چنانچہ جب کسبِ فیض کرنا ٹھہرا تو آپؑ نے بڑی انکساری سے حضرت خضرؑ کی بارگاہ میں عرض کیا: "اگر آپ اجازت فرمائیں تو میں کسبِ فیض کی خاطر آپ کی معیت میں رہوں اور آپ کی پیروی کروں!"

جواباً حضرت خضر بھی لگی لپٹی کے بغیر کمالِ صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے فرماتے ہیں: مجھے ڈر ہے کہ رموز واسرارِ الٰہی سے ناآشنائی کے سبب آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے اور نہ ہی میری سرگرمیوں کو سمجھ پائیں گے!

تیسرا، اس واقعہ سے تیسرا سبق یہ ہے:

جب انسان کو مقدر سے ایک مخلص کامل اور خدارسیدہ استاد مل جائے تو اس کے سامنے ہر طرح سے سرِتسلیم خم کر دینا چاہیئے اور اس کے سامنے چناں وچنیں نہیں کہنا چاہیئے اور نہ ہی چیں بہ چیں ہونا چاہیئے بلکہ اگر کوئی بات ظاہراً خلافِ صحت دکھائی بھی دے تو صبر کرنا چاہیئے حتیٰ کہ مصلحت معلوم ہوجائے۔ جیساکہ اپنے ساتھ رکھنے سے پہلے حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے وعدہ لیا تھا۔

چوتھا: اس واقعے کا چوتھا سبق یہ ہے:

اگر کوئی شاگرد اپنے کامل استاد سے پہلے سے طے شدہ شرائط کے خلاف رویہ اختیار کرے تو اُستاد کو حق حاصل ہے کہ وہ اُسے ہمیشہ کے لئے رخصت دے دے اور اپنے ساتھ نہ رکھے جس طرح آخرکار حضرت خضرؑ کو حضرت موسیٰؑ سے کرنا پڑا

توبہ اور اللہ سُبحانہٗ سے رجُوع

انھوں نے فرمایا:

اوقاتِ شب و روز میں مجھے راتیں بہت پسند تھیں. جب لوگ نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہیں اپنے عبادت والے خاص کمرے میں چلا جاتا اور اپنے پالنے والے کیساتھ راز و نیاز میں مصروف ہو جاتا مجھے اللہ سُبحانہٗ سے راز و نیاز کرتے ہوئے ایک خاص لطف اور سرور حاصل ہوتا ہے. پہلے جب میں گناہوں میں ڈوبا ہوا تھا. میرے اردگرد گناہوں کے دبیز پردوں نے گھٹا ٹوپ اندھیرا کر رکھا تھا اور میں اس تاریکی میں بالکل اسی طرح گھرا رہتا تھا جیسے حضرت یونسؑ مچھلی کے تاریک پیٹ میں! مجھے اللہ سُبحانہٗ سے بات چیت کا بالکل لطف نہیں آتا تھا حتیٰ کہ میں نماز اور دیگر واجب عبادات بھی بڑی بے رغبتی اور بے دلی سے بجا لاتا تھا. ایک دن میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ ان پردوں کو چاک کر کے اپنے آپ کو گناہوں کے حصار سے آزاد کرا لوں! میں نے قرآنِ مجید کی آیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کیا. بڑے حوصلہ افزا مطالب سامنے آئے. سب کی سب آیات ہی مجھے امید دلا رہی تھیں اور سب آیات اللہ سُبحانہٗ کی رحمت و بخشش کی عکاسی کر رہی تھیں. بلکہ بعض آیات میں تو بندوں کو اللہ سُبحانہٗ نے اپنا مخاطب بننے کا شرف بھی بخشا تھا اور ساتھ ہی ان کے تمام گناہوں کو معاف کر دینے کا وعدہ بھی کیا گیا تھا.

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ

(اے حبیبؐ) میرے ان بندوں سے کہہ دیجئے جنھوں نے گناہ کر کے اپنے آپ سے زیادتی کی ہے کہ اللہ کی رحمت سے

يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۗ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝

ہرگز مایوس نہ ہوں۔ اللہ تمام گناہ بخش دیا کرتا ہے کیونکہ وہ بڑا بخشنہار ہے۔

(الزمر آیت نمبر ۵۳)

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہر سورہ مبارکہ کی پہلی آیت میں اللہ سبحانہ نے اپنا تعارف ایک رحمٰن اور رحیم ہستی کے طور پر کرایا تھا اپنی رحمت کو اپنے غیظ و غضب پر فوقیت دی تھی اور اپنے آپ کو بخشنے والا، معاف کر دینے والا اور درگزر کرنے والا ظاہر کیا گیا تھا۔

قرآنِ مجید کے مطالعے کے بعد میں بے حد خوش ہوا اور بے خود سجدہ ریز ہو کر اپنے گناہوں کی صدق دل سے معافی مانگنے لگا، اچانک میرے دل کے کانوں میں یہ آیت گونجنے لگی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

اے ایمان والو! اگر تم گناہوں کو صدق دل سے چھوڑ کر اللہ سبحانہ کے مخلص بندے بن جاؤ تو اللہ سبحانہ تمہارے گناہوں کی تلافی فرما دے گا اور بہتی نہروں والے باغات تمہارے نام کر دے گا۔"

(سورہ التحریم نمبر ۸)

اور پھر یہ آیت سنائی دی:

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

جو شخص اللہ سبحانہ سے رجوع کرے اور اعمالِ صالح بجا لائے وہ اس کے گناہوں کو مٹا دے گا اور گناہوں کے بجائے اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھ دے گا کیونکہ وہ بڑا بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔

(سورہ الفرقان نمبر ۷۰)

اور یہ کہ :

اگر کوئی شخص اپنے سابقہ گناہوں کو مکمل طور پر ترک کر دے، آئندہ ایک مخلص بندے کی طرح اللہ سبحانہٗ کی اطاعت کرے اس طرح کہ اگر اس کے بدن کے ٹکڑے بھی کر دیئے جائیں تو پھر بھی گناہ کی طرف مائل نہ ہو، تو ایسا شخص مندرجہ بالا آیاتِ مبارکہ میں بیان شدہ رعایات کا مستحق قرار پائے گا۔ نہ صرف اس کے گناہوں کی طویل فہرستیں محو کر دی جائیں گی بلکہ ایسی ہی طویل فہرستیں نیکیوں سے بھری ہوئی اس کے نام لکھ دی جائیں گی اور اس کو روحانیت کی کٹھن منازل بھی طے کرا دی جائیں گی۔

واہ سبحان اللہ! کس قدر خوش آئند اور حوصلہ افزا حقیقت ہے! کائنات میں اللہ سبحانہٗ کے علاوہ کون ہے جو نہ صرف اپنے مجرمین کو معاف کر دے بلکہ ان کے جرائم حسنات سے بدل کر بہترین بدلہ بھی دے!

قارئینِ کرام! آپ ہی بتائیں اِن پُرکشش آسان شرائط پر بھلا کیسے میں توبہ نہ کرتا، کیسے گناہوں کو چھوڑ کر اللہ سبحانہٗ کی طرف مائل نہ ہو جاتا! اللہ سبحانہٗ کی اس قدر مہربانی، کرم نوازی اور بندہ پروری پر کیسے معذرت خواہ نہ ہوتا اور اپنی جان ان بے پایاں عنایات پر قربان نہ کرتا!

جی ہاں! ایک سلیم العقل آدمی سے بعید ہے کہ اس بہترین موقع سے فائدہ نہ اٹھائے! بلکہ عقلمند آدمی وہی ہے جو اوّلین فرصت میں توبہ کرے!

توبہ کرنے کے لئے کسی خاص وقت یا جگہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ انسان کو ہر وقت موت کا ڈر لگا رہتا ہے۔ حضرت رسولِ اکرمؐ کی حدیث کے مطابق:

عَجِّلُوْا بِالتَّوْبَةِ قَبْلَ الْمَوْتِ — مرنے سے پہلے پہلے توبہ کر لو!

(بحار الانوار باب وقت نماز)

— چنانچہ میں بُری طرح گریہ کرتا ہوا چاہ رہا تھا کہ کسی ایسے طریقے سے التماس کروں کہ میرے تمام

گناہ ابھی معاف ہو جائیں یکدم مجھے امام سجادؑ کی "مناجاتِ تائبین" کا خیال آیا۔ اس دعا میں ایک غلام اور بندے کی طرف سے اپنے آقا و مولا کی بارگاہ میں نہایت سلیقے سے گزارشات پیش کی گئی ہیں اور حدِ ادب کے تمام تقاضوں کو مدِنظر رکھا گیا ہے۔ جو بات میں اپنی ٹوٹی پھوٹی اور آداب سے لابلد زبان سے اللہ سُبحانہٗ کی بارگاہ میں عرض کرنا چاہتا تھا، وہ بہترین طریقے سے کہی گئی ہے۔ پس میں نے اس دعا میں بیان شدہ معنی خیز الفاظ کے مفاہیم کی طرف بھرپور توجہ کرکے آہستہ آہستہ پڑھنا شروع کیا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِلٰهِی اَلْبَسَتْنِی الْخَطَایَا ثَوْبَ مَذَلَّتِی وَ
جَلَّلَنِی التَّبَاعُدُ مِنْكَ لِبَاسَ مَسْكَنَتِی وَ
اَمَاتَ قَلْبِی عَظِیْمُ جِنَایَتِی فَاَحْیِهٖ بِتَوْبَةٍ
مِنْكَ یَا اَمَلِی وَ بُغْیَتِی وَ یَا سُؤْلِی وَ مُنْیَتِی
فَوَعِزَّتِكَ مَا اَجِدُ لِذُنُوْبِی سِوَاكَ غَافِرًا
وَ لَا اَرٰی لِكَسْرِی غَیْرَكَ جَابِرًا وَ قَدْ خَضَعْتُ
بِالْاِنَابَةِ اِلَیْكَ وَ عَنَوْتُ بِالْاِسْتِكَانَةِ
لَدَیْكَ فَاِنْ طَرَدْتَنِی مِنْ بَابِكَ فَبِمَنْ
اَلُوْذُ وَ اِنْ رَدَدْتَنِی عَنْ جَنَابِكَ فَبِمَنْ
اَعُوْذُ فَوَا اَسَفَاهُ مِنْ خَجْلَتِی وَ افْتِضَاحِی وَ
وَا لَهْفَاهُ مِنْ سُوْءِ عَمَلِی وَ اجْتِرَاحِی اَسْئَلُكَ
یَا غَافِرَ الذَّنْبِ الْكَبِیْرِ وَ یَا جَابِرَ الْعَظْمِ الْكَسِیْرِ
اَنْ تَهَبَ لِیْ مُوْبِقَاتِ الْجَرَائِرِ وَ تَسْتُرَ عَلَیَّ
فَاضِحَاتِ السَّرَائِرِ وَ لَا تُخْلِنِیْ فِیْ مَشْهَدِ الْقِیٰمَةِ
مِنْ بَرْدِ عَفْوِكَ وَ غَفْرِكَ وَ لَا تُعْرِنِیْ مِنْ جَمِیْلِ

اے میرے پالنے والے! میرے پیارے خدا! میرے مالک! میرے گناہوں نے مجھے سراپا سوالی بنا دیا ہے۔ تیری جدائی نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ میری سیاہ کاریوں نے میرا ضمیر مردہ کر دیا ہے! مالک! آج کی توبہ کی وجہ سے میرے دل کو روشن کر دے! خدایا! میری تمام امیدیں تجھی سے وابستہ ہیں۔ تیرے سوا کون ہے جس کے سامنے دستِ سوال دراز کروں! تیرے علاوہ کون ہے جو میرے سنگین گناہوں کو بخشے۔ میرے اس ہمہ جہت دیوالیہ پن میں تیرے سوا کون ہے جو میری تلافی کرے۔ میں بڑی آس لگائے تیرے دروازے پر آیا ہوں۔ میں ایک پسماندہ اور ناکام بندہ تیرے در پر کھڑا ہوں۔ اگر تو بھی دھتکار دے گا تو میں کہاں جاؤں گا؟ اگر اس وقت تو میری دستگیری نہیں کرے گا تو پھر میرا ٹھکانہ کہاں

صَفْحِكَ وَسَتْرِكَ اِلٰهِیْ ظَلِّلْ عَلٰی ذُنُوْبِیْ
غَمَامَ رَحْمَتِكَ وَاَرْسِلْ عَلٰی عُیُوْبِیْ سَحَابَ
رَاْفَتِكَ اِلٰهِیْ هَلْ یَرْجِعُ الْعَبْدُ الْاٰبِقُ اِلَّا
مَوْلَاهُ اَمْ هَلْ یُجِیْرُهٗ مِنْ سَخَطِهٖ اَحَدٌ
سِوَاهُ اِلٰهِیْ اِنْ كَانَ النَّدَمُ عَلَی الذَّنْبِ تَوْبَةً
فَاِنِّیْ وَعِزَّتِكَ مِنَ النَّادِمِیْنَ وَاِنْ كَانَ الْاِسْتِغْفَارُ
مِنَ الْخَطِیْئَةِ حِطَّةً فَاِنِّیْ لَكَ مِنَ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ
لَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی اِلٰهِیْ بِقُدْرَتِكَ عَلَیَّ
تُبْ عَلَیَّ وَبِحِلْمِكَ عَنِّیْ اعْفُ عَنِّیْ
وَبِعِلْمِكَ بِیْ اَرْفِقْ بِیْ اِلٰهِیْ اَنْتَ الَّذِیْ
فَتَحْتَ لِعِبَادِكَ بَابًا اِلٰی عَفْوِكَ سَمَّیْتَهُ
التَّوْبَةَ فَقُلْتَ "تُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا"
فَمَا عُذْرُ مَنْ اَغْفَلَ دُخُوْلَ الْبَابِ بَعْدَ
فَتْحِهٖ اِلٰهِیْ اِنْ كَانَ قَبُحَ الذَّنْبُ مِنْ
عَبْدِكَ فَلْیَحْسُنِ الْعَفْوُ مِنْ عِنْدِكَ اِلٰهِیْ
مَا اَنَا بِاَوَّلِ مَنْ عَصَاكَ فَتُبْتَ عَلَیْهِ وَ
تَعَرَّضَ لِمَعْرُوْفِكَ فَجُدْتَ عَلَیْهِ
یَا مُجِیْبَ الْمُضْطَرِّ یَا كَاشِفَ الضُّرِّ یَا عَظِیْمَ
الْبِرِّ یَا عَلِیْمًا بِمَا فِی السِّرِّ یَا جَمِیْلَ السِّتْرِ
اِسْتَشْفَعْتُ بِجُوْدِكَ وَكَرَمِكَ اِلَیْكَ وَتَوَسَّلْتُ
بِجَنَابِكَ وَتَرَحُّمِكَ لَدَیْكَ فَاسْتَجِبْ دُعَائِیْ

ہوگا! مجھے اپنے آپ پر افسوس ہے کہ اب تک میں تیرے در پر آنے سے کیوں جھجکتا رہا اور اب اگر تو نے مجھے نہ بخشا تو لوگوں میں میری کس قدر تضحیک ہوگی۔ اے بخشتے رہنے والے مالک! میرے جرائم سے صرف نظر فرما! اے بڑے بڑے گناہوں کو بخش دینے والے! اے دیوانہ پن کے بعد ساری کمی پوری کر دینے والے! میری زیادتیوں کو بھی معاف کر دے، مجھے رسوائی سے بچالے اور روزِ قیامت اپنی بخشش ودرگذر سے محروم نہ کر!

میرے اچھے مالک! اے میرے پیارے خدا! رحمت کی گھٹائیں بھیج تاکہ میرے گناہوں کی غلاظت دھو ڈالیں۔ میرے آقا! ایک فریب خوردہ غلام اپنے آقا کے سوا کس کے پاس پناہ حاصل کر سکتا ہے؟ اور کیا اس کے آقا کے غیظ وغضب سے خود آقا کے علاوہ کوئی اور اسے بچا سکتا ہے؟

میرے پیارے خدا! اگر پشیمانی ہی توبہ ہے تیری عزت وجلال کی قسم میں سب سے زیادہ پشیمان ہوں۔ اگر طلب مغفرت سے گناہوں کا بوجھ ہلکا ہو سکتا ہے تو میں اسی وقت، بخشش کا سوال کرتا ہوں تو مجھ سے راضی ہوجا اور اگر

وَلَا تُخَيِّبْ فِيْكَ رَجَآئِیْ وَتَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ وَ
كَفِّرْ خَطِيْئَتِیْ بِمَنِّكَ وَرَحْمَتِكَ يَا
اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

عذاب دیئے بغیر تو راضی نہیں ہونا چاہتا تو میں تیار ہوں، بیشک عذاب دے دے! میرے مالک! میرے پالنے والے! تو مجھے ہر قسم کی سزا دینے کے لئے پورا صاحبِ اختیار ہے مگر میری گزارش ہے کہ مجھے بخش دے، میری توبہ قبول فرما! اپنے حلم و بردباری کے وسیلے سے مجھے معاف فرما اور جانتے ہوئے کہ میں تیرے عذاب کے مقابلے میں بہت کمزور ہوں مجھ پر رحم فرما!

میرے دل و جان سے عزیز خدا! تو نے اپنے بندوں کو اپنی طرف بلانے کے لئے ایک دروازہ کھول رکھا ہے جس کا نام "توبہ" ہے اور تو ارشاد فرماتا ہے:

تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً
نَّصُوْحًا

اس طرح اس کے ہو جاؤ کہ کسی اور کا دھیان نہ رہے۔

چنانچہ اب کوئی شخص جو اس سنہری موقعہ سے فائدہ نہ اٹھائے۔ رحمت کے دروازے کے کھل جانے کے باوجود داخل نہ ہو اس کے پاس اپنی غفلت کا کوئی جواب نہیں۔

میرے مالک! میرے خدا! میں نے گناہ کیا بہت بُرا کام کیا مگر تیرے پاس بھلائی کے سوا کچھ نہیں، چنانچہ مجھ سے بھلائی فرما اور معاف فرما دے!

میرے آقا! میں تیرا پہلا بندہ تو نہیں جس نے گناہ کیا ہو، مجھ سے پہلے بہت سے گناہگاروں کو تو نے بخشا ہے۔ وہ تیرے در لُطف وکرم پر آئے تو نے اُن کی معذرت قبول کی! اے بے نواؤں کے چارہ گر! اے رنجیدہ لوگوں کے غم و اندوہ کو دُور کرنے والے! اے وہ خدا! جس کے احسانات ناقابلِ شمار ہیں۔ اے وہ خدا جو لوگوں کی خلوتوں سے آگاہ ہے! اے وہ آقا جو غلاموں کے عیوب پر پردہ ڈالتا ہے! میں تیرے درِ کرم پر آکر تیرے لطف و احسان کو وسیلہ بنا رہا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کے ذریعہ متوسل ہو رہا ہوں۔ آج میری فریاد رسی کر اور مجھے نامید و مایوس نہ لوٹا! میری توبہ قبول فرما اور اپنی رحمت و کرم کے واسطے میرے گناہ کو نظر انداز کر دے! اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان خدا!

(مفاتیح الجنان صفحہ ۱۱۸)

اس مناجات، ترک گناہ کے پکے ارادے اور حقیقی توبہ کے بعد آہستہ آہستہ میرا دل روشن ہوگیا۔ میں مناجات کی لذّت سے محظوظ ہوا، میرا ذوق بیدار ہوگیا اور گویا کہ میں ایک بار پھر صحیح و سالم ہوگیا۔

افسوس کہ شیطان اور نفسِ امارہ نے میرا پیچھا نہ چھوڑا مجھے سخت پریشان کیا مجھ پر شدید دباؤ بڑھا دیا۔ گناہوں کو پرکشش بنا بنا کر مجھے دکھاتے رہے۔ فحاشی اور بے راہروی کی طرف طرح طرح سے بلاتے رہے۔ اللہ سُبحانہٗ کی اطاعت کو میری نظر میں ایک "مشکل" بلکہ "محال کام" ظاہر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دن جب میں نے گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ کیا ہوا تھا۔ گناہ پر اکسانے لگے کچھ اس طرح سے انہوں نے مجھے پھسلایا کہ میں ان کے جال میں پھنس گیا اور آخرکار میرے تمام کئے دھرے پر پانی پھر گیا اور میں بدنصیب پھر گناہ کر کے ذلیل و خوار ہوا۔ مگر بعد میں پھر جلدی ہی سخت پشیمان ہوگیا۔

اُس دن سارا دن شرمندہ شرمندہ رہا اور جب دن ڈھلنے لگا، نمازِ عصر کا آخری وقت ہوا، میری خوش نصیبی کہ اس دن روایات کے مطابق حضرت اِمام زمانہؑ سے متوسل ہونے کا دن تھا۔ چنانچہ میں نے موقع غنیمت سمجھا۔ شہر سے باہر چلا گیا ایک کونے میں تنہا عبادت کرنے لگا۔ بڑے خضوع اور خشوع سے پہلے دو رکعت نمازِ استغاثہ بحضرت اِمام زمانہؑ ادا کی پھر قبلہ رُو ہوکر کمالِ توجہ سے آپؑ کی بارگاہ میں عفو و درگزر میں دعائے استغاثہ پڑھی۔ (یہ دعا استغاثہ اِمام زمانہؑ کہلاتی ہے اور مفاتیح الجنان صہ ۱۱۷ پر درج ہے۔ مترجم) میں نے رو رو کر اور گڑگڑا کر نفسِ امارہ اور شیطانِ لعین سے نجات اور چھٹکارے کی دُعا کی۔ اس کے بعد میں اس قابل ہوا کہ بارگاہِ اللہ سُبحانہٗ میں حاضر ہو سکوں۔ چنانچہ میں نے دعائے حزین کے الفاظ میں اپنے مہربان اور جلدی راضی ہو جانے والے اللہ سُبحانہٗ کی بارگاہ میں یوں عرض کیا؛

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أُنَاجِيكَ يَا مَوْجُودٌ فِي كُلِّ مَكَانٍ لَعَلَّكَ
تَسْمَعُ نِدَائِي فَقَدْ عَظُمَ جُرْمِي وَقَلَّ
حَيَائِي مَوْلَايَ يَا مَوْلَايَ أَيَّ الْأَهْوَالِ
أَتَذَكَّرُ وَأَيَّهَا أَنْسَى وَلَوْ لَمْ يَكُنْ إِلَّا
الْمَوْتُ لَكَفَى كَيْفَ وَمَا بَعْدَ الْمَوْتِ
أَعْظَمُ وَأَدْهَى مَوْلَايَ يَا مَوْلَايَ حَتَّى مَتَى
وَإِلَى مَتَى أَقُولُ لَكَ الْعُتْبَى مَرَّةً بَعْدَ
أُخْرَى ثُمَّ لَا تَجِدُ عِنْدِي صِدْقًا وَلَا
وَفَاءً فَيَا غَوْثَاهُ ثُمَّ وَا غَوْثَاهُ بِكَ يَا اللهُ
مِنْ هَوًى قَدْ غَلَبَنِي وَمِنْ عَدُوٍّ قَدِ
اسْتَكْلَبَ عَلَيَّ وَمِنْ دُنْيَا قَدْ تَزَيَّنَتْ
لِي وَمِنْ نَفْسٍ أَمَّارَةٍ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ
رَبِّي مَوْلَايَ يَا مَوْلَايَ إِنْ كُنْتَ رَحِمْتَ
مِثْلِي فَارْحَمْنِي وَإِنْ كُنْتَ قَبِلْتَ مِثْلِي
فَاقْبَلْنِي يَا قَابِلَ السَّحَرَةِ اقْبَلْنِي يَا مَنْ
لَمْ أَزَلْ أَتَعَرَّفُ مِنْهُ الْحُسْنَى
يَا مَنْ يُغَذِّينِي بِالنِّعَمِ صَبَاحًا وَمَسَاءً
ارْحَمْنِي يَوْمَ آتِيكَ فَرْدًا شَاخِصًا إِلَيْكَ
بَصَرِي مُقَلَّدًا عَمَلِي قَدْ تَبَرَّأَ جَمِيعُ
الْخَلْقِ مِنِّي نَعَمْ وَأَبِي وَأُمِّي وَمَنْ كَانَ

اے ہر جگہ پہ موجود رہنے والے مالک ! میں
تجھے جگہ جگہ پکار رہا ہوں ! شاید تو میری
فریاد سن لے ! بیشک میرا گناہ ، میری غلطی
اور جرم بہت سنگین ہے اور پشیمانی نہایت
کم ! میرے آقا ! کس کس عذاب کے خوف
کا ذکر کروں اور کس کو چھوڑ دوں ؟ اگر صرف
موت ہی کا ڈر ہوتا تو کافی تھا مگر میری حالت
تو یہ ہے کہ موت کے بعد نت نیا عذاب
میرا منتظر ہے ! میرے مالک ! میں کب سے
توبہ و استغفار کر رہا ہوں اور نہ جانے کب
تک مجھے مزید کرنا ہوگا ! مگر تجھے میری
سچائی اور ثابت قدمی کا اعتبار ہی نہیں آرہا
میں تیری مہربان بارگاہ میں فریاد کر رہا ہوں
نفسِ امارہ کے غلبے اور زیادتی کی بار بار دہائی
دے رہا ہوں اور اس شریر نفس کے شر
سے تیری بارگاہ میں پناہ ڈھونڈ رہا ہوں ۔
ہمیشہ ہمیشہ تیری پناہ میں رہنا چاہتا ہوں !
اس مکار و عیار دنیا سے پناہ مانگتا ہوں
جو نئے نئے سوانگ رچا کر مجھے اپنی طرف
متوجہ کر لیتی ۔ بارِ الٰہا ! اس نفسِ امارہ کی

لَهُ كَدِّيْ وَسَعْيِيْ فَإِنْ لَمْ تَرْحَمْنِيْ فَمَنْ
يَرْحَمُنِيْ وَمَنْ يُؤْنِسُ فِي الْقَبْرِ وَحْشَتِيْ وَ
مَنْ يُنْطِقُ لِسَانِيْ إِذَا خَلَوْتُ بِعَمَلِيْ وَ
سَائَلْتَنِيْ عَمَّا أَنْتَ أَعْلَمُ
بِهٖ مِنِّيْ فَإِنْ قُلْتُ نَعَمْ فَأَيْنَ الْمَهْرَبُ
مِنْ عَدْلِكَ وَإِنْ قُلْتُ لَمْ أَفْعَلْ قُلْتَ
أَلَمْ أَكُنِ الشَّاهِدَ عَلَيْكَ فَعَفْوَكَ عَفْوَكَ
يَا مَوْلَايَ قَبْلَ سَرَابِيْلِ الْقَطِرَانِ عَفْوَكَ
عَفْوَكَ يَا مَوْلَايَ قَبْلَ جَهَنَّمَ وَ
النِّيْرَانِ أَنْ تُغَلَّ الْأَيْدِيْ إِلَى الْأَعْنَاقِ
يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَيَا خَيْرَ الْغَافِرِيْنَ!

ذلت آمیز بے رحمیوں سے تیرے رحم و کرم
کی پناہ میں آنا چاہتا جو قدم قدم پر مجھے برائی
کی راہ پر ڈالتا ہے!

پروردگارا! اگر مجھ سے پہلے میرے جیسے
گنہگاروں پر تو نے نظرِ کرم ڈالی ہے تو مجھ پر
بھی ڈال دے اور جب کہ تو نے انہیں، ان
کے بڑے بڑے گناہوں کے باوجود معاف
کر دیا ہے تو مجھے بھی معاف فرما!
بارِ الہا! تو نے جادوگروں تک کی توبہ قبول
کی ہے تو میری بھی کر لے!
میرے پیارے خدا میں نے ہمیشہ تجھ سے
بھلائی ہی پائی ہے! میرے اچھے مالک!
تو مجھے صبح و شام روزی دیتا ہے۔
جب کبھی میں تنہا تیری بارگاہ میں آتا
ہوں تو مجھے تیری رحمت ہی کی تو اُمید
ہوتی ہے۔ آہ! خدایا اب تو میں بالکل
تنہا رہ گیا ہوں۔ سب لوگ مجھ سے کنارہ کش
ہوگئے ہیں حتیٰ کہ میرے ماں باپ بھی۔
.. وہ سب جن کے لئے میں دن رات
ایک کر دیتا تھا۔ وہ اپنے اپنے کاموں
میں مشغول و معروف ہوگئے ہیں ایسے

میں تو مجھ پر رحم فرما !

پروردگارا! اگر تو بھی مجھ پر رحم نہیں کھائے گا تو پھر کون کھائے گا؟ قبر میں کون میرا مونس و ہمدم ہوگا؟ کون تنہائی سے نجات دے گا، اور جب تو مجھ سے سوال کرے گا۔ اس شے کے بارے میں جو تو مجھ سے بہتر جانتا ہے تو کون مجھے قوتِ گویائی عطا کرے گا۔ اگر میں جواب میں اپنے گناہوں کا اقرار کروں گا۔ تو پھر تیرے عدل و انصاف سے کیسے بچوں گا اور اگر انکار کروں گا تو سب سے بڑا گواہ تو خود ہے۔ پس میرے چھٹکارے کا ایک ہی راستہ ہے کہ تو مجھے معاف کر دے !

میرے آقا ! یہ صرف تیری بخشش ہی ہے جو مجھے عذاب کے آزار سے بچا سکتی ہے۔ اے سب سے زیادہ مہربان اور سب سے زیادہ بخشنے والے ! قبل اس کے کہ میرے ہاتھ میری ہی گردن سے باندھ دیئے جائیں صرف تیری معافی ہی مجھے بچا سکتی ہے !

(مفاتیح الجنان ص ۱۰۱ حاشیہ در مصباح المتہجد)

اس لق و دق بیابان میں جب میں نے یہ دعا عربی میں پڑھی اور خوب گڑگڑایا تو ایک خیال یہ آیا کہ بس اب میرے گناہ بخشے گئے اور میں معصوم بچے کی طرح پاک صاف ہوگیا مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ میرے گناہ تو ریت کے ذروں سے بھی زیادہ ہیں کیا اس ایک دُعا سے سب بخشے گئے ؟! میں اسی گومگو کی کیفیت میں تھا کہ مجھے حضرت رسولِ اکرمؐ کی ایک حدیث شریف یاد آگئی جو میں نے بحار الانوار جلد نمبر ۹۴ صہ ۶۳ پر پڑھی تھی کہ :

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مَرَّةً لَمْ يَبْقَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ ذَرَّةٌ

جس کسی نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اس کی گردن پر ایک ذرے کے برابر بھی گناہ نہیں رہے گا۔

بس میں نے تسبیح پکڑ لی اور سو مرتبہ درود پڑھ ڈالا مگر ابھی تک سارے گناہوں معاف ہونے کی علامتیں مجھ پر ظاہر نہیں ہوئیں تھیں اور ایسا بھی نہیں تھا کہ مجھے محولہ بالا حدیث پر کوئی شک و شبہ تھا (معاذاللہ) بلکہ شاید درود پڑھنے کے ساتھ کچھ شرائط بھی ہوں جو میں نے پوری نہ کی ہوں یا شاید میرے گناہ اس سے زیادہ ہوں جو اتنی سی زحمت سے بخشے جا سکتے ہوں۔ اسی مخمصے میں تھا کہ مجھے ایک عالم کی بات یاد آگئی جو ایک دن حضرت امام صادقؑ کا یہ واقعہ بیان کر رہا تھا کہ ایک آدمی آپؑ کی بارگاہ میں آیا اور عرض کیا، " آقا ! میں نے ایک دفعہ "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ" پڑھ لیا ہے کیا میرا فلاں گناہِ صغیرہ معاف ہوگیا ؟! آپؑ نے فرمایا :

قُمْ فَاغْتَسِلْ وَصَلِّ فَاِنَّكَ كُنْتَ مُقِيْمًا عَلٰى اَمْرٍ عَظِيْمٍ مَا اَسْوَأَ حَالَكَ اِذَا مُتَّ عَلٰى ذٰلِكَ !

(بحار الانوار جلد نمبر ۶ صہ ۳۶)

نہیں، صرف اس طرح "استغفر ... الیہ" کہنے سے نہیں بلکہ اٹھو، غسل توبہ کرو دو رکعت نماز پڑھو کیونکہ تم ایک عرصہ گناہ کرتے رہے ہو اور اگر تم اسی عالم (یعنی بغیر بخشش کے) میں مرجاتے تو تمہارا بہت بُرا حال ہوتا۔

میں نے بھی ایسا ہی کیا غسل میں نے پہلے ہی کیا ہوا تھا لہذا اُٹھا دو رکعت نماز پڑھی اور دو تین بار استغفار کیا مگر بخشش کی علامت مجھ پر طاری نہ ہوئی!

میں روئے چلا جا رہا تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں! آخرکار میں نے وہ تاریخی واقعات ذہن میں دہرائے جن میں بزرگانِ دین نے اللہ سبحانہٗ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگی تھی۔ میں نے جناب شیخ جعفر شوستری کی کتاب "خصائص الحسینیہ" اور "بکاء الحسینؑ" میں پڑھا تھا کہ انبیاءؑ اور اولیاء ایسے مواقع پر سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی عزاداری کو وسیلہ بنایا کرتے تھے۔ حضرت آدمؑ ایک ترکِ اولیٰ کی معافی کے لئے دو صدیاں روتے رہے۔ مگر معافی نہ ہوئی۔ مگر جب روتے ہوئے یوں دُعا کی:

يَا حَمِيْدُ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّ يَا عَالِيْ بِحَقِّ عَلِيٍّ وَّ يَا فَاطِرُ بِحَقِّ فَاطِمَةَ وَ يَا مُحْسِنُ بِحَقِّ الْحَسَنِ وَ يَا قَدِيْمَ الْإِحْسَانِ بِحَقِّ الْحُسَيْنِ اِقْبَلْ تَوْبَتِيْ

اے سب تعریفوں کے لائق تجھے حضرت محمد مصطفٰے کا واسطہ، اے بلند و بالا تجھے حضرت علی کا واسطہ، اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے تجھے حضرت زہراؑ کا واسطہ، اے احسان کرنے والے تجھے امام حسنؑ کا واسطہ اور اے ازلی محسن تجھے حضرت امام حسینؑ کا واسطہ میری توبہ قبول فرما!

آپؑ حضرت امام حسینؑ کے غم میں بے حال ہو گئے تو فوراً اللہ سبحانہٗ کی طرف سے قبولیتِ توبہ کی خوشخبری آ گئی!

بس مجھے بھی ایسا ہی کرنا چاہیے مگر میں اس جنگل میں تنہا مجلسِ عزا کیسے منعقد کروں؟ مجھے خیال آیا ایک مرثیے کے چند اشعار یاد ہیں وہ پڑھ لیتا ہوں اور گریہ کرتا ہوں۔ اللہ سبحانہٗ اپنے پیارے حسینؑ کا نوحہ پڑھنے کی وجہ سے میرے گناہ معاف کر دے گا۔ یہ سوچ کر میں زمین سے اٹھا، منہ قبلہ کی طرف کیا، پہلے حضرت سید الشہداء امام حسینؑ کی بارگاہ میں مودبانہ سلام عرض کیا پھر روتے ہوئے کہا، "مولا حسینؑ، قَتَلُوْكَ وَمَا عَرَفُوْكَ" ظالموں نے آپ کو قتل کر ڈالا، کیا آپ کو پہچانتے

دیتے ؟! پھر مقتل خوارزمی جلد نمبر ۲ صہ ۳۷ پر لکھا ہوا جملہ دہرایا۔

" مولا حسینؑ ، میں وہ وقت کبھی نہیں بھول سکتا جب آپ کا باوفا ذوالجناح اپنی پیشانی کے بال آپ کے مقدس خون میں تر کئے ہوئے ۔ ڈھلکی ہوئی زین کے ساتھ خیمے کی طرف جا رہا تھا اور کہہ رہا تھا :

اَلظَّلِيْمَةُ ، اَلظَّلِيْمَةُ مِنْ اُمَّةٍ قَتَلَتِ ابْنَ بِنْتِ نَبِيِّهَا۔

فریاد ! فریاد اس بے پناہ ظلم پر کہ امت نے اپنے نبیؐ کے نواسے کو قتل کر ڈالا !!!

پھر زیارتِ ناحیہ میں حضرت امام زمانہؑ کے جملے دہرائے ۔

" اَلسَّلَامُ عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الْحُسَيْنِ الطِّفْلِ الرَّضِيْعِ الْمَرْمِيِّ الصَّرِيْعِ الْمُتَشَحِّطِ دَمًا اَلْمُصَعَّدِ دَمُهٗ فِي السَّمَاءِ الْمَذْبُوْحِ بِالسَّهْمِ فِيْ حِجْرِ اَبِيْهِ لَعَنَ اللّٰهُ رَامِيَهٗ حُرْمَلَةَ بْنَ كَاهِلِ الْاَسَدِيَّ وَ ذَوِيْهِ !

سلام ، حسینؑ کے شیر خوار فرزند عبداللہؑ (حضرت علی اصغرؑ) پر جو ظلم کا نشانہ بن کر شہید ہوئے ۔ اپنے ہی خون میں نہائے گئے جن کے خون کے قطرے امامؑ نے اللہ سبحانہٗ کی نظر کر کے آسمان کی طرف پھینکے اور جو اپنے پدرِ بزرگوار کی گود میں ظلم کے تیر سے ذبح کر دیئے گئے ۔ اس بے زبان بچے کو تیر مارنے والے حرملہ بن کاہل اسدی اور اس کے ساتھیوں پر خدا لعنت کرے ! "

(زیارت ناحیہ)

مولا حسینؑ ! آپ کا مقدس جسدِ اطہر گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا گیا .... " اسی طرح کے چند جملے میں نے کہے اور یوں امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر کافی گریہ کیا ۔ اللہ سبحانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ! میرا دل ہلکا ہو گیا ۔ سینہ کھل گیا ۔ گناہوں کی بخشش کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں ۔ اچانک سارا جنگل ایک مسرور کن خوشبو سے مہک اٹھا ۔ سچ ہے بغیر محنت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا ۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے :

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ — انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لئے وہ ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔

(سورہ النجم آیت نمبر ۳۹)

اس واقعے کے بعد گویا کہ میں ایک قدم اور حق و صداقت کی طرف بڑھ گیا۔ میرے ذہن سے ایک پردہ اور اُٹھ گیا تھا۔ اب شیطان مردود مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا تھا۔ اب جب کہ میں نے اللہ سبحانہٗ سے راز و نیاز کرنے، گناہوں کی معافی کے بعد فرحت حاصل کرنے اور معنوی عطر کی خوشبو سونگھنے کا لذیذ مزہ چکھ ہی لیا تھا تو کیسے ممکن تھا کہ ایک بار پھر خاکم بدہن، گناہ کی غلاظت و کالک اپنے اوپر مل لیتا۔ اب شیطان میرا کچھ بھی تو نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ اللہ سبحانہٗ نے اسے خبردار کیا ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ! — شیطان، میرے بندوں کا تو بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔

(سورہ حجر آیہ نمبر ۴۲)

اور ارشاد ہوتا ہے

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ. — شیطان کا بس صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو سرپرست بناتے ہیں!

(سورہ النحل نمبر ۱۰۲)

میں نے تو اس کی سرپرستی کو ٹھکرا دیا تھا، پھر وہ مجھ پر کیسے مسلط ہو سکتا تھا۔ میں نے اس دن جب گڑگڑا کر سچی توبہ کر لی، اللہ سبحانہٗ نے بھی حسب وعدہ نہ صرف یہ کہ میرے گناہ بخش دیئے بلکہ گناہوں کی جگہ نیکیاں لکھ دیں۔ میری معنوی حسِ ذائقہ بیدار ہو گئی اور اب میں اللہ سبحانہٗ سے راز و نیاز کا لطف لیتا ہوں۔ معنوی حسِ شامہ کھل جانے کے بعد اللہ سبحانہٗ نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا ہے، اپنے برگزیدہ بندوں میں شمار کر لیا ہے اور شیطانی غلبے سے مجھے اپنے ہاں پناہ

دی ہے۔

مگر میرا نفسِ امارہ اب بھی باقی ہے میں اس کا کیا کروں ؟! یہ وہی نفسِ امارہ ہے جس سے اللہ سُبحانہٗ کے بڑے بڑے برگزیدہ بندے نالاں رہے ہیں۔ نفسِ امارہ ہی کی وجہ سے زلیخا کو اتنی ذلت اُٹھانی پڑی۔ آخر وہ بول اُٹھی۔ بالفاظ قرآنِ مجید:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیۡ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ۔

میں اپنے آپ کو برائی سے بری نہیں سمجھتی کیونکہ میرا نفسِ امارہ ہمیشہ برائی کی طرف مائل کرتا رہتا ہے۔ البتہ اللہ سبحانہٗ کے فضل و کرم سے میں بچ گئی۔"

(سورہ یوسف آیت نمبر ۵۳)

اسی نفسِ امارہ کی کمزور اور ہلکی سی شکل ذاتی خواہش ہے جس کی وجہ سے بعض انبیاءؑ کو بھی پریشانی ہوئی۔ حضرت آدمؑ اسی ذاتی خواہش کی تکمیل کی وجہ سے گندم کھا بیٹھے اور ان کو جنت سے نکلنا پڑا۔ اسی وجہ سے حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے۔

پس میں کس کھیت کی مُولی ہوں چنانچہ جب تک میں اپنے نفس کی تربیت نہ کروں۔ اس کو اللہ سُبحانہٗ کی بارگاہ میں سرنگوں نہ کروں اس کو "نفسِ مطمئنہ" اور "راضیہ و مرضیہ" کی منازل نہ دکھاؤں، میں ترقی نہیں کرسکتا اور اس کی تربیت کے بغیر اس دنیا میں اور بعد کے عالموں میں سُکھ کا سانس نہیں لے سکتا۔ البتہ یہ مشکل کام میں کروں تو کیسے ؟ کس سے مدد مانگوں ؟ دُنیا میں آسان سے آسان کام بھی استاد کے بغیر کبھی انجام نہیں دیا جا سکتا۔ اس مہم کو سَر کرنے کیلئے بھی استاد کی ضرورت ہے ! اُستاد بھی کونسا استاد ؟ ! معمولی نہیں بلکہ بڑا بلند پایہ، معصومؑ، وہ ذات جو کائنات کا مرکز ہو ! ہر علم پر اس کو مکمل عبور حاصل ہو ! اور ایسی شخصیت سوائے حضرت امام زمانہؑ کے کوئی اور نہیں ہو سکتی ! مگر میں حضرت امام زمانہؑ روحی و ارواحنالہ الفداء تک پہنچوں کیسے ؟ عنقا کو کیسے پاؤں اور سوت کی اَنٹی سے 'یوسف' کیسے خریدوں ! بس ان خیالات کے آتے ہی میری پھر چیخیں نکل

گئیں اور میں بے حال ہوگیا۔ اس کیفیت سے میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ بہر طور نفسِ امارہ کی تربیت کروں تاکہ حقائق کا ادراک کر سکوں اور اس کی شرارتوں سے محفوظ رہ سکوں!

دُنیا کی چاہت

وہ فرماتے ہیں:

ایک دن امام رضاؑ کی زیارت سے مشرف ہونے کے لیے آپ کے روضہ مبارک پر حاضر ہوا۔ زیارتِ جامعہ کبیرہ پڑھنے لگا۔ میں بڑے انہماک سے زیارت کے ایک ایک جملے کو پوری توجہ سے پڑھ رہا تھا۔ ہر جملے کو پوری طرح سمجھتے ہوئے باقاعدہ خطاب اور گفتگو کے ارادے سے ادا کر رہا تھا۔ میری رُوح عالم بالا میں محو پرواز تھی۔ اس وقت میری حالت بالکل اس کبوتر کی طرح تھی جو ابھی ابھی پنجرے سے آزاد ہو کر وسیع و عریض فضا میں کھو جانا چاہتا ہو! مگر میں اس عالم میں مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے پاؤں کے ساتھ کوئی بھاری پتھر بندھا ہوا ہے اور مجھے زمین کی طرف برابر کھینچ رہا ہے حتّٰی کہ اس بھاری پتھر نے مجھے زمین پر پٹخ دیا! افسوس! صد افسوس! یہ کیا ہوگیا؟ اور یہ پتھر کیا ہے؟ میں نے غور سے اس پتھر کو ادھر اُدھر سے دیکھا اُس کے ایک طرف لکھا ہوا تھا "دنیا کی چاہت"۔

بیشک یہی گھٹیا خواہش تمام برائیوں کی جڑ ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے:

حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ۔ دُنیا کی محبت ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

(بحار الانوار کی جلد نمبر۲، ص ۹۰)

میں بے اختیار فریاد کرنے لگا! پروردگارا! اس رکاوٹ کو کیسے دُور کروں؟ کس قدر بھاری پتھر نے مجھے آلیا ہے! میری ترقی کی راہ میں یہ کیوں حائل ہوگیا ہے کیوں میرا دل دنیا کی محبت میں گرفتار ہوگیا ہے۔ کیا مجھے نہیں معلوم کہ دنیا کی حقیقت چند روزہ کھیل کے سوا کچھ نہیں؟! حضرت امیرالمومنینؑ کے مطابق

اَلدُّنْیَا دَارُ مَمَرٍّ وَلَا دَارُ مَقَرٍّ۔ دُنیا ٹھہرنے کی جگہ نہیں بلکہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے چلے جانے کی جگہ ہے۔

(نہج البلاغہ حکمت نمبر ۱۳۳)

کیا دنیا میں صرف اور صرف تکالیف و رنج و غم ہیں!! جیسا کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

اَلدُّنْیَا دَارٌ بِالْبَلَاءِ مَحْفُوْفَۃٌ۔ دنیا مصائب و آلام کا گھر ہے۔

(نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۱۷)

دنیا نے کس کے ساتھ وفا کی ہے ؟ پس میں کیوں اپنا دل دنیا سے لگاؤں! کیوں میں اس پر فریفتہ ہوں! مجھے تو اس سے ذرا سا بھی لگاؤ نہیں رکھنا چاہیئے! اگر مجھے ابھی موت آ جائے تو دنیا کی کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی، جس سے میں نے دل لگا رکھا ہے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا! مجھے اپنا گھر بار چھوڑ کر جانا پڑے گا، اہلیہ اور بچوں کو چھوڑ کر جانا ہوگا! جائیداد تمام دنیوی آرام و آسائش حتیٰ کہ اپنے کپڑے اور اپنا جسم بھی چھوڑ کر جانا ہوگا! صرف اور صرف میں تنہا اللہ سبحانہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا! اگر میرا لگاؤ دنیاوی مال و دولت سے ہوگا تو اُس کی بارگاہ میں حاضری کے وقت میری توجہ پوری طرح اس کی طرف نہیں ہو سکے گی۔ اس موقع پر میں غیظ و غضبِ پروردگار کا نشانہ بنوں گا اور وہ مجھے راندۂ درگاہ قرار دے دے گا۔ مجھے اپنی رحمت و برکت سے دُور کر دے گا جس طرح اس نے شیطانِ مردود کو اپنے فیوض و برکات سے محروم کیا ہے مجھے بھی قیامت تک رحمت و نعمتِ پروردگار کی دُوری جھیلنا ہوگی! پس میں کیوں بیکار ایسی چیز سے دل لگاؤں اور اپنے آپ کو مصیبتِ جانکاہ میں ڈالوں۔"

اللہ سبحانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ خانوادۂ عصمت و طہارتؑ کے طفیل میں اس دن اپنے دل سے مکمل طور پر دنیا کی محبت نکال باہر کی اور اس فاختہ کی طرح آسمانِ معنویات کی طرف پرواز کر گیا جس کا پنجرہ اچانک ٹوٹ جائے اور وہ آزاد فضاؤں میں اُڑنے لگے!

انہوں نے فرمایا:

یہ "یوم عرفات" (۹ ذوالحجہ) کا دن تھا۔ میں اپنے کمرے میں تنہا بیٹھ کر اس دن کے لئے مخصوص حضرت امام حسینؑ کی دعا پڑھ رہا تھا۔ ابھی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ مجھ پر "مکاشفے" کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اُف! اس دن میں نے اپنے آپ کو دنیا میں ایسی حالت میں دیکھا (ابھی تفصیل سے عرض کروں گا) کہ میں اس سے متنفر ہو گیا۔ اور آج تک دنیا کے لئے اچھی رائے قائم نہیں کر سکا۔

عالمِ مکاشفہ میں یہ دیکھا کہ ایک نشیب سی جگہ ہے چاروں طرف اونچے اونچے سر بفلک

پہاڑ ہیں گویا کہ میں ایک بڑے سے کنوئیں میں کھڑا ہوں جہاں سے نکل بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں اگر ایسے میں پہاڑ کی چوٹی سے کوئی پتھر لڑھکے تو سیدھا میرے سر پر آلگے !

اسی خوف و ہراس کے عالم میں کھڑا تھا اور لمحہ بہ لمحہ میرا خوف زیادہ ہورہا تھا کہ میں نے کیا دیکھا کہ چاروں طرف پہاڑوں کی چوٹیوں سے پتھر میری طرف لڑھکنا شروع ہوئے جو سیدھے میری طرف بڑھ رہے تھے۔ ان پتھروں پر دنیا کی مختلف آزمائشوں اور سرگرمیوں کا نام لکھا ہوا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ عنقریب یہ پتھر مجھ پر آگریں گے اور میرا کچومر نکال دیں گے، یا میں ان کے نیچے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو جاؤں گا۔ اچانک میری نظر اپنے اوپر فضا میں پڑی کیا دیکھتا ہوں کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام اکٹھے تشریف فرما ہیں اور میری بے بسی پر پریشان ہو رہے ہیں، میں نے فوراً اپنے زمانے کے امام حضرت امام آخر الزمانؑ سے فریاد کی، "میرے آقا و مولا" یہ تمام آزمائشوں اور مصیبتوں کے پہاڑ جو مجھ پر ٹوٹنے والے ہیں میں ان سے محفوظ رہنے کے لئے آپ کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں۔ یہ تمام میرے سخت دشمن ہیں اور آپ ان کو دُور کرنے کی بھرپور طاقت رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے مندرجہ ذیل جملے دہرانے شروع کر دیئے:

أَنْتَ يَا مَوْلَايَ مِنْ أَوْلَادِ الْكِرَامِ وَمَأْمُورٌ بِالضِّيَافَةِ وَالْإِجَارَةِ فَأَضِفْنِي وَأَجِرْنِي صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْكَ وَعَلَى آبَائِكَ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ۔

مفاتیح الجنان صہ ۱۳ (زیارت روز جمعہ)

آقا، آپ دستگیر و مشکل کشا ہیں اور امت کی مشکل حل کرنے والوں کی اولاد ہیں اس پر مستزاد یہ کہ آپ اللہ سبحانہٗ کیطرف سے ہمیں پناہ دینے اور ہماری دستگیری پر مامور بھی تو ہیں پس مجھ پر رحم فرمایئے اور اپنے ہاں مجھے پناہ دیجئے آپ پر اور آپ کے پاک و پاکیزہ آباء اجداد پر لاکھ لاکھ درود و سلام!

میں نے اتنا کہا تھا کہ حضرت امام زمانہؑ نے اشارہ فرمایا اور میرے سر کے قریب پہنچ جانے والی ساری بلائیں وہیں رک گئیں۔ اسی عالم میں مجھے ایک رسیلی اور دلنشین آواز سنائی دی جو میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں سنی تھی، میں نے کان لگا کر سنا تو کوئی قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت کر رہا ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ ۭ
وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ
يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

زندگانی دنیا تو ایک فسانہ ہے البتہ آخرت (حقیقی و دائمی زندگی ہے) جو صرف ان لوگوں کے لیے پُر آسائش ہے جو دنیا میں اللہ سبحانہٗ کی نا فرمانی سے پرہیز کرتے رہے ہوں!

(سورہ انعام آیۃ نمبر ۳۲)

أَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ
الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝

کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیوی زندگی پر قناعت کر بیٹھے ہو؟ حالانکہ آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کی حیثیت ہی کیا ہے؟

(سورہ توبہ آیت نمبر ۳۸)

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ
رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا
بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا
غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ
بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

وہ لوگ جن کو پتا ہی نہیں کہ وہ کل ہماری بارگاہ میں حاضر ہوں گے، دنیوی زندگی ہی میں مگن ہیں اور اسی پر مطمئن بھی ہیں۔ ان کے علاوہ وہ لوگ جو ہماری قدرت کے کرشموں کو نظر انداز کر رہے ہیں بیشک ان سب کو اس مجرمانہ غفلت کی سزا ملے گی اور ان کا ٹھکانا آگ ہوگا!

(سورہ یونس آیت نمبر ۷)

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ
اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ
بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ
النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ

دنیوی زندگی کی مثال بارش کی سی ہے جسے ہم آسمانوں سے برساتے ہیں پھر زمین پر یہ پانی حیوانوں اور انسانوں کی خوراک کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا ہے یہاں تک کہ زمین سرسبز و شادا

الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَنْ لَمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ

پودوں سے لہلہانے لگتی ہے یہ دیکھ کر زمین پر بسنے والے یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ انہوں نے یہ شادابی پیدا کی ہے۔ اچانک کسی دن یا رات میں ہمارا حکم آجاتا ہے اور وہ لہلہاتی کھیتی یوں ڈھیر ہو جاتی ہے گویا کہ وہ کبھی کھڑی ہی نہیں ہوئی تھی۔ ہم اپنی قدرت کے کرشموں پر غور و خوض کرنے والوں کیلئے یونہی مثالیں واضح کرتے ہیں

(سورہ یونس آیت نمبر ۲۴)

إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ

اللہ سبحانہ کا وعدہ سچا ہے۔ دیکھو! دنیوی زندگی تمہیں دھوکہ نہ دے اور نہ ہی اللہ سبحانہ کی بخشش و درگزر کے معاملے میں کسی غلط فہمی میں رہنا!

(سورہ لقمان آیت ۳۳)

فَأَمَّا مَنْ طَغَىٰ ۝ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝

جو شخص سرکشی کرے گا اور دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دے گا تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے البتہ جو شخص اللہ سبحانہ کی سزا سے ڈرے گا اور ہوس پرستی سے اپنے آپ کو بچائے رکھے گا تو اس کی منزل بہشت بریں ہے"

(سورہ نازعات ۳۷ تا ۴۲)

سبحان اللہ! میں اس دلپذیر آواز کی کیا تعریف کروں؟! اس دلنشین آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کس قدر مؤثر تھی! اس پرکشش آواز کو سن کر کون ہے جس کے دل سے دنیا کی محبت نہ نکلے اور آخرت کی لگن پیدا نہ ہو؟!

اچانک وہ آواز منقطع ہو گئی۔ یوں محسوس ہوا ایک بار پھر میں اسی کنوئیں میں گھرا ہوا کھڑا ہوں اور بعض پتھر اب بھی میری طرف بڑھ رہے ہیں۔ ایک بار پھر میں پریشان ہو گیا اور سمجھ

میں نہ آیا کیا کروں، میں نے چلانا شروع کر دیا اور ایک ایک پتھر سے پناہ کے لئے میں نے ایک ایک معصوم علیہ السلام کو پکارنا شروع کیا۔ کبھی تو میں کسی ایک معصومؑ سے ہی تمام پتھروں سے پناہ کی درخواست کرنے لگتا! ...

آخرکار معصومین علیہم السلام کی مہربانی سے ان پتھروں کی بوچھاڑ سے محفوظ و مامون رہا البتہ مجھے یقین ہوگیا کہ دُنیا کیا بُری جگہ ہے، واقعی جو شخص اس سے لگاؤ رکھتا ہے وہ دیوانہ ہی تو ہے!

جو شخص اس مصیبتوں کے گھر سے الفت رکھتا ہے وہ واقعی بے عقل و خرد ہے اگر کوئی شخص دنیا کی آزمائشوں میں کامیاب ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ چہاردہ معصومینؑ سے منسلک ہو جائے اور اپنے آپ کو ان کے سایۂ عاطفت میں رکھے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل جملوں میں ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ اَتَاكُمْ نَجَا وَمَنْ لَمْ يَأْتِكُمْ هَلَكَ۔

(اے ائمہ برحقؑ) جو آپؑ کی بارگاہ میں حاضر ہوگیا بس فلاح پاگیا اور جس نے آپؑ سے منہ موڑا ناکام رہا۔

(زیارتِ جامعہ)

یہ واقعہ سنانے کے بعد استاد محترم نے فرمایا: اگرچہ اس مکاشفے کو بیس سال کا عرصہ ہو چلا ہے مگر بحمداللہ اب تک ان آزمائشوں سے بچا ہوا ہوں اور ائمہ معصومینؑ کی پناہ میں ہوں!

انہوں نے فرمایا:

ایک دن میں مجلسِ عزائے حضرت سیدالشہداء امام حسینؑ میں بیٹھا بڑی توجہ سے کربلا والوں کے مصائب سن رہا تھا۔ ذاکر صاحب بھی ایک خاص لگن سے مصائب پڑھ رہے تھے اور میں بھی ہمہ تن گوش تھا اس لئے کہ یہ ناقابلِ فراموش مصائب تھے اور اس لئے بھی کہ میں

کربلا والوں کے نقشِ قدم پر کیوں نہیں چلتا! ساتھ میں گریہ بھی کر رہا تھا کہ اچانک مجھ پر ایک خاص کیفیت طاری ہونے لگی! میں نہیں کہہ سکتا کہ خواب تھا بلکہ زیادہ گمان یہی ہے کہ یہ "مکاشفہ" کی کیفیت تھی۔ البتہ یہ "مکاشفہ" عام طور پر، پیش آنے والے 'مکاشفوں' سے ذرا مختلف تھا۔

"میں نے اپنے آپ کو ایک قیدخانے میں دیکھا جہاں افراتفری سی پھیلی ہوئی ہے۔ چند غنڈے قسم کے افراد نے سب کے ناک میں دم کر رکھا ہے یہاں تک کہ داروغہ بھی ان سے عاجز آیا ہوا ہے۔ قیدخانے کے باہر سے مختلف قسم کی خبریں آرہی ہیں۔ ایک آدمی یہ کہہ رہا ہے کہ اگر اس قیدخانے سے باہر نکلے تو طاقتور بادشاہ گرفتار کرے گا۔ تشدد کریگا بلکہ زندہ جلا دے گا اور ایک پل کی مُہلت بھی نہیں دے گا۔ جن قیدیوں کو اس خبر پر یقین آگیا وہ کسی صورت بھی باہر جانے پر تیار نہیں تھے اور تمام تر تکالیف اور اذیتوں کے باوجود انہیں یہ قیدخانہ باہر کی نسبت محفوظ معلوم دیتا تھا۔

بعض قیدی جو بے عقل، بے شعور اور بے خبر قسم کے تھے اور ان کو باہر کی کچھ خبر نہیں تھی یہ کہہ رہے تھے کہ یہ "باہر" اور "اندر" کی بات ہی کیا ہے؟ اس قیدخانے کے علاوہ یہاں کوئی اور جگہ ہے نہیں! وہ بھی باہر نہیں جانا چاہتے تھے۔

قیدیوں کی قلیل تعداد اس حقیقت کو خوب سمجھتی تھی کہ وہ قیدخانے میں ہیں۔ قیدخانہ بھی وہ جس میں سوائے اذیتوں اور تکلیفوں کے کچھ میسر نہیں۔ نہ کسی کے حق کا احترام کیا جاتا ہے اور نہ کسی کو کوئی سہولت حاصل ہے۔ اس حقیقت سے بھی وہ بخوبی واقف تھے کہ قیدخانے کے باہر ان کے لئے کتنی نعمتیں، آسائشیں اور سہولتیں ہیں۔ وہاں ان کے رہنے کے لئے عالیشان محل، سیر و تفریح کے لئے وسیع و سرسبز باغات اور طرح طرح کی دیگر لذتیں موجود ہیں۔ قیدیوں کا یہ گروہ رہائی کے لئے ایک ایک لمحہ گن رہا تھا۔ ہر روز قیدخانے کے داروغے سے رہائی کی درخواست کرتا بلکہ حکامِ بالا سے بھی اکثر استدعا کرتا کہ انہیں جلد از جلد قیدخانے سے

رہا کر دیا جائے۔

ایسے میں ایک شخص نے مجھ سے کہا "الدنیا سجن للمومن یہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے"۔ گویا کہ وہ مجھے سمجھا رہا تھا کہ یہ قید خانہ جو تم دیکھ رہے ہو زندگیٔ دنیا کا بالکل یہی نقشہ ہے۔ دنیا میں رہنے والے کسی سے اگر تم یہ کہو کہ خدا تمہیں موت دے تو بالکل اسی طرح ہوگا جیسے تم اس قید خانے میں رہنے والے کسی شخص کی رہائی کی دُعا کرو۔ البتہ تمہاری اس دعا سے وہی لوگ خوش ہوں گے جو عقل و شعور رکھتے ہوں بلکہ اولیاء اللہ ہوں جیسا کہ میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھی روزِ عاشور خوش تھے کہ آج دنیا کے قید خانے سے چھوٹ کر آخرت کی آزاد فضا میں جانے والے ہیں!

اس سلسلے میں ایک روایت ہے:

خَرَجَ حَبِیْبُ ابْنُ مَظَاهِرٍ یَضْحَکُ فَقَالَ لَهُ یَزِیْدُ ابْنُ الْحُصَیْنِ مَاهٰذِهٖ سَاعَةُ ضُحْکَةٍ قَالَ حَبِیْبٌ وَاَیُّ مَوْضِعٍ اَحَقُّ بِالسُّرُوْرِ مِنْ هٰذَا؟! مَاهُوَ اِلَّا اَنْ یَّمِیْلَ هٰؤُلَاءِ بِاَسْیَافِهِمْ فَنُعَانِقُ الْحُوْرَ.

روزِ عاشور حبیب ابنِ مظاہرؓ بڑے خوش اور مسرور ہو رہے تھے۔ ایسے میں یزید بن حصین نے ان سے کہا: "خوش ہونے کا یہ کون سا موقع ہے؟ حبیبؓ نے کہا: "خدا کی قسم خوش ہونے کا بہترین موقع یہی ہے کہ ادھر دشمنوں نے ہمیں اپنی تلواروں کے وار پر لیا۔ ادھر ہم نے حوروں سے معانقہ کیا۔"

(رجال کشی صہ ۵۳)

مگر بے عقل و شعور لوگ جو دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں آپ کی اس دُعا سے کبھی خوش نہیں ہوں گے کیونکہ وہ اس دنیا سے نکلنا نہیں چاہتے جیسا کہ قرآنِ مجید میں اللہ سُبحانہٗ حریص یہودیوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْا اِنْ

"(اے حبیبؐ) یہودیوں سے کہہ دیجئے، اگر

زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا۔

نہیں زعم ہے کہ تم اولیاءاللہ میں سے ہو تو ذرا موت کی خواہش تو کرو! مگر وہ ہرگز یہ خواہش نہیں کریں گے (دراصل وہ اولیاءاللہ ہیں ہی نہیں)۔

(سورہ جمعہ آیت نمبر۴)

رُوح کی تیرگی اور خبیث حرکات

انہوں نے فرمایا:

مَیں مدت سے اس بات پر غور کر رہا تھا کہ میں کس چیز سے بنا ہوں؟ میرے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ اور میں کیا ہوں؟! ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ میں آپریشن تھیٹر میں ہوں ایک ڈاکٹر جو آپریشن کرنے والے لباس میں ملبوس ہے مجھے آپریشن بیڈ کی طرف کھینچ رہا ہے اور کہہ رہا ہے، "میں تمہارا آپریشن کرنے لگا ہوں تاکہ تم خود دیکھ لو کہ تم کیا ہو اور کن اجزاء سے مرکب ہو! میں نے اپنے آپ کو اس سے چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر بے سُود۔ میں بالکل بے بس ہوگیا اور اس سے پیچھا نہ چھڑا سکا۔ آخر اُس نے مجھے آپریشن بیڈ پر لٹایا اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے خنجر سے عین درمیان میں سے مجھے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ مجھے بالکل بھی درد یا تکلیف کا احساس نہ ہوا۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ میں تین چیزوں سے مرکب ہوں!

(الف) "بدن اور جسم":

بدن کیا؟ وہی چیز جو مرجانے کے بعد دنیا میں لوگوں کے سامنے بچ رہتا ہے۔ گوشت اور ہڈیوں کا ڈھانچہ جس میں خون گردش کرتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر نے میرا بدن اُٹھا کر ایک طرف

کر دیا جیسے اُسے اُس سے کوئی غرض نہ ہو۔

(ب) "جان" یا "نامی رُوح" :

یہ چیز بھی بدن کے ساتھ ہی گر پڑی کیونکہ اس کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے۔ کہنے کو تو اس کو بھی رُوح ہی کہتے ہیں مگر یہ بدن وجسم کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ جب تک بدن صحیح و سالم ہے۔ یہ بھی موجود رہتی ہے یعنی جب شکمِ مادر میں انسانی بچے کے بدنی اعضاء مکمل ہو جاتے ہیں یہ رُوح پیدا ہو جاتی ہے اور تادمِ مرگ بدن کے ساتھ رہتی ہے۔ جب انسان مر جاتا ہے پھر اس کا کوئی وجود باقی نہیں رہتا۔

(ج) اصلی رُوح :

یہ انسانی رُوح ہے جو حالتِ نیند یا بیہوشی میں فعالیت نہیں کرتی یعنی ان صورتوں میں اس کا کوئی کردار نہیں ہوتا گویا کہ رُوح، انسان میں حالتِ بیداری میں ہوتی ہے جبکہ حالتِ نیند یا بیہوشی میں نہیں ہوتی۔

(نوٹ: اس مفہوم کو سمجھنے کے لیے محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا رسالہ "عظمتِ صوم" بڑا ضروری ہے۔ مترجم)

اس سلسلے میں حضرت امام محمد تقیؒ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے:

أَمَّا الرَّجُلُ إِذَا نَامَ فَإِنَّ رُوحَهُ يَخْرُجُ مِثْلَ شُعَاعِ الشَّمْسِ فَيَتَعَلَّقُ بِالرِّيحِ وَالرِّيحُ بِالْهَوَاءِ. فَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ تَرْجِعَ جَذَبَ الرِّيحُ الْهَوَاءَ وَالْهَوَاءُ

جس وقت آدمی سوتا ہے اس کی رُوح اس کے بدن سے بالکل اس طرح خارج ہوتی ہے جس طرح سے سورج سے اس کی شعاع! جیسے سورج کی شعاع اس سے جدا ہونے کے باوجود اس سے متعلق رہتی ہے، اسی طرح روح جسم سے نکل جانے کے باوجود ہوا اور سانس کے ذریعہ جسم سے متعلق رہتی ہے۔

الرُّوحَ فَرَجَعَتْ اِلَى الْبَدَنِ فَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّقْبِضَهَا جَذَبَ الرُّوحُ الْهَوَآءَ وَالْهَوَآءُ الرِّيحَ فَقَبَضَهَا.

اگر اللہ سبحانہٗ رُوح کو واپس بھیجنا چاہتا ہے تو سانس ہوا اور ہوا رُوح کو کھینچ کر بدن میں داخل کر دیتی ہے۔ اور اگر اللہ سبحانہٗ رُوح کو قبض کرنا چاہتا ہے تو رُوح ہوا کو اور ہوا سانس کو کھینچ لیتی ہے جس سے آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۶۱ ص ۳۹)

جناب ڈاکٹر نے اس رُوح کو ہاتھ میں پکڑا اور مجھ سے مخاطب ہوئے کہ یہ ہے "تو" اور "تیری خلقت" وہ دو چیزیں جو وہاں گری پڑی ہیں تیرا لباس اور آلات تھے جو تجھے ایک خاص مدت کے لئے کسی مقصد کے حصول کے لئے دیئے گئے تھے۔ اس اصلی روح پر غور کرو کہ یہ کس حال میں ہے ؟!

میں نے غور سے اس 'رُوح' کو دیکھا وہ میرے جسم و بدن کی طرح کی کوئی چیز تھی بالکل اسی طرح جیسے آپ کسی شیشے کے برتن میں پانی جما کر برف بنالیں اور شیشے کا برتن توڑ دینے کے بعد برف برتن کی شکل اختیار کرے۔

میں نے اس رُوح پر اپنی نظریں گاڑ دیں کیا دیکھتا ہوں کہ دُھوئیں جیسی کسی سیاہ چیز نے اُسے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے اور اس کی نورانیت گہنا گئی ہے۔ ڈاکٹر نے اس سیاہ چیز کو دور ہٹنے کا حکم دیا فوراً سیاہی الگ ہو گئی تب میں نے دیکھا کہ رُوح ایک دلفریب شفاف شئے ہے اس نظارے نے خود مجھے مبہوت کر دیا۔ ڈاکٹر مجھ سے یوں کہنے لگے ، تمہاری حقیقت یہ ہے ! اللہ سُبحانہٗ نے اس چیز کو تیرے نام سے پیدا کیا تھا اور اصل میں تم "یہ" ہو ! جسم نامی رُوح اور وہ سیاہی جس کو میں نے ابھی الگ کیا ہے یہ سب تیرے حقیقی وجود کے اجزاء نہیں ہیں۔ جسم تمہیں بعد میں دیا گیا تھا تاکہ تم اس کے ذریعہ دنیاوی

لے سکو اور اللہ سبحانہٗ کی طرف سے بعض ذمہ داریوں کو ادا کر سکو، کیونکہ جسم کے بغیر تم ان کو ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اس موقع پر حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ایک حدیث پیشِ خدمت ہے جو اس مفہوم کی بھرپور عکاسی کرتی ہے:

سَئَلَ بَعْضٌ عَنِ الصَّادِقِ ؑ:
لِاَيِّ عِلَّةٍ جَعَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْاَرْوَاحَ فِي الْاَبْدَانِ بَعْدَ كَوْنِهَا فِيْ مَلَكُوْتِهِ الْاَعْلٰى فِيْ اَرْفَعِ مَحَلٍّ ـ وَاَحْوَجَ بَعْضَهَا اِلٰى بَعْضٍ وَعَلَّقَ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ وَرَفَعَ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ وَرَفَعَ بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ وَكَفٰى بَعْضَهَا بِبَعْضٍ وَبَعَثَ اِلَيْهِمْ رُسُلَهٗ وَاتَّخَذَ عَلَيْهِمْ حُجَجَهٗ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ يَتَعَاطَى الْعُبُوْدِيَّةَ وَالتَّوَاضُعَ لِمَعْبُوْدِهِمْ بِالْاَنْوَاعِ الَّتِيْ تَعَبَّدُوْا بِهَا وَنَصَبَ لَهُمْ عُقُوْبَاتٍ فِي الْعَاجِلِ وَعُقُوْبَاتٍ فِي الْاٰجِلِ وَ وَمَثُوْبَاتٍ فِي الْعَاجِلِ وَ

کسی نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں سوال کیا کہ اللہ سبحانہٗ نے عالمِ ملکوت کی مخلوق "روح" کو گھٹیا اور پست بدن و جسم میں کیوں قرار دیا؟! آپ نے فرمایا اللہ سبحانہٗ نے عالمِ بالا میں بسنے والی مخلوق کو اس پست عالمِ قالب میں رکھا، تمام انسانوں کو ایک دوسرے کا محتاج بنایا۔ ایک دوسرے سے متعلق و مربوط کیا۔ بعض کو بعض سے پست یا بالا بنایا، بعض کو بعض کے لئے کافی بنایا۔ اپنے پیغمبروںؑ کو ان کی طرف بھیجا۔ ان پر اتمامِ حجت کرنے کے لئے اپنی طرف سے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بھیجے تاکہ لوگ مختلف طریقوں سے اپنے خالق کی عبادت کرنے میں ایک دوسرے سے مسابقت اور مقابلہ کریں۔ پھر اللہ سبحانہٗ نے لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت میں عذاب و ثواب قرار دیا تاکہ لوگ نیکی کی طرف مائل ہوں اور برائی سے

مَحْجُوبَاتٍ فِي الْأَجَلِ لِيُرَغِّبَهُمْ
بِذَالِكَ فِي الْخَيْرِ وَيُزَهِّدَهُمْ
فِي الشَّرِّ وَلِيُذِلَّهُمْ بِطَلَبِ الْمَعَاشِ
وَالْمَكَاسِبِ فَيَعْلَمُوا بِذَالِكَ أَنَّهُمْ
بِهَا مَرْبُوبُوْنَ وَعِبَادٌ مَخْلُوقُوْنَ
يُقْبِلُوا عَلَى عِبَادَتِهِ فَيَسْتَحِقُّوا
بِذَالِكَ نَعِيمَ الْأَبَدِ وَجَنَّةَ الْخُلْدِ وَ
يَأْمَنُوا مِنَ الشُّرُوعِ إِلَى مَا لَيْسَ لَهُمْ بِحَقٍّ۔

بچیں۔ دنیا میں زندہ رہنے کے لئے ان کو کسب معاش کا محتاج بنایا گیا تاکہ وہ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ وہ کسی کی مخلوق ہیں جو ان کو رزق دیتا ہے اور پالتا ہے۔ اسی طرح وہ اللہ سُبحانہ کی طرف راغب ہوتے ہیں اور جنت الفردوس کی ابدالآباد نعمتوں کے مستحق ٹھہرتے ہیں اور جہنم کی ان تپتی ہوئی گہری گھاٹیوں سے محفوظ رہتے ہیں جو ان کا مقام نہیں ہے!

([illegible] جلد ۱ ص ۱۵)

اس کے علاوہ تمہارے بدن کے چھوٹے چھوٹے اجزاء ہیں جن کو "سیل" کہتے ہیں وہ روزانہ بلکہ لمحہ بہ لمحہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں یعنی پرانے "سیل" فناہ ہوجاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے "سیل" بنتے رہتے ہیں، یہ نئے سیل ہماری خوراک اور غذا سے وجود میں آتے ہیں گویا کہ ہمارا جسم ایک ندی کی مانند جاری و ساری ہے جو وادیِ فنا و نیستی کی طرف رواں دواں ہے۔ اگر چند دن غذا نہ ملے اور فنا ہونے والے سیلوں کی جگہ نئے سیل نہ بنیں تو بدن کمزور پڑنے لگ جاتا ہے حتیٰ کہ مُردہ ہو جاتا ہے لہٰذا اس فانی بدن کی زیادہ پرواہ نہیں کرنی چاہیئے!

رہ گئی جان یا نامی رُوح، جس کا کام صرف جسم کو زندہ رکھنا ہے، اس کی اہمیت تو خود بدن سے بھی کم ہے کیونکہ اس کا صرف یہ کام ہے کہ غذا کو جسم کے مختلف 'سیلوں' تک پہنچائے اور بس! نباتات میں بھی تو یہی رُوح ہوتی ہے اور ان کی نشوونما کا باعث بنتی ہے چنانچہ اس کا نام "نامی رُوح" رکھا گیا ہے۔

البتہ وہ سیاہی اور غلاظت جو میں نے تجھ سے الگ کی ہے دراصل وہ خباثت اور گندگی تھی جو انسان "عالم" اور "اس دنیا" میں اپنی غلط کاریوں یا ماحول کی آلودگی کی وجہ سے اپنی "رُوح" پر مل لیتا ہے۔ اس گندگی کو الگ کرنا ہی دنیا میں تمہارا کام ہے!

اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں بتاؤں! یہ سیاہی تیرگی اور ظلمت تیری جہالت کی وجہ سے دنیا میں زیادہ دلچسپی لینے سے اور شیطان کا آلۂ کار بننے سے پیدا ہوگئی ہے پس دنیا میں تمہارا کام یہی ہے کہ اس کالک کو اپنے سے دُور کرو۔ ایک اور بات غور سے سنو کہ اگر فی الحال یہ سیاہی اور خباثت تمہاری "اصل رُوح" سے زیادہ فعال نہیں تو کم فعال بھی نہیں ہوگی۔ اگر تمہاری عقل و خرد نیکی اور بھلائی کے لئے کوشاں رہتی ہے تو یہ تیرگی تجھے گمراہ اور نافرمانِ الٰہی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتی۔ بعض حضرات اس سیاہی کو "نفسِ امارہ اور "حیوانی روح" بھی کہتے ہیں۔

انہوں نے فرمایا:

اب میں نے اس کالک اور سیاہی کو مزید غور سے دیکھا جو جناب ڈاکٹر نے مجھ سے الگ کی تھی۔ وہ اس قدر سیاہ تھی کہ آپ تصور نہیں کر سکتے۔ یہ سیاہی بالکل بدصورت انسان کی شکل کی تھی کیونکہ ایک بار میں نے اس منحوس کو بھی دیکھ لیا تھا۔

ہوا یوں کہ ابھی میں عنفوانِ شباب میں ہی تھا کہ ایک رات ایک گھر میں سویا ہوا تھا۔ اس گھر میں صرف ایک جوان لڑکی اور تھی جو دوسرے کمرے میں سوئی ہوئی تھی۔ ایک دم مجھے یوں لگا کہ کوئی شخص مجھے جگا رہا ہے۔ یاد نہیں پڑتا کہ میں جاگ اٹھا یا نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا کہ میں نے دیکھا ایک شخص جو انسان کی طرح تھا مگر بالکل کالے دھوئیں کی طرح بڑی عیاری سے مجھے بدکاری پر اکسا رہا تھا میں ڈر گیا مجھ پر لرزہ طاری ہوگیا۔ میں نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہوگیا۔

آج کے مکاشفے کے بعد میں پوری طرح سمجھ گیا کہ میری روح میں یہ کالک دراصل وہی شیطنت ہے جو میری شفاف اور نورانی رُوح پر چھا گئی تھی۔

جناب ڈاکٹر نے بالکل صحیح فرمایا کہ جتنی جلدی ممکن ہو مجھے اس سیاہی کو اپنے سے دُور کرنا چاہیئے ورنہ جس طرح شیطانِ مردود اپنی جہالت، بیوفائی، نافرمانی، غرور و تکبر اور خودخواہی جیسی بدخصلتوں کی وجہ سے راندۂ درگاہِ الٰہی قرار پایا، روزِ قیامت تک لعنتی ٹھہرا اور ابدالآباد

تک دوزخی بنا کہیں میں بھی ملعون و مردود اور ہمیشہ کے لئے دوزخی نہ بن جاؤں۔

چنانچہ میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ ایک باقاعدہ پروگرام کے تحت اس تیرگی سے پیچھا چھڑا لوں اور اپنی روح کو اس کے چنگل سے آزاد کرا لوں۔ پروگرام کے پہلے مرحلے میں اس سیاہی کے مختلف اجزاء کو ایک ایک کر کے پہچانوں گا کہ ان کی ماہیت کیا ہے پھر ان سے اپنی رُوح کو الگ کروں گا۔ تاکہ اس اعلیٰ مقام تک پہنچ سکوں جو انسان کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ البتہ یہ پروگرام میں آپ کو آگے چل کر بتاؤں گا۔

انہوں نے فرمایا:

یوں جناب ڈاکٹر نے اس آپریشن کا اختتام کیا۔ مذکورہ بالا چاروں چیزوں کو پھر سے یکجا کیا اور مجھے رُخصت کیا۔ میں نے اللہ سُبحانہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے مجھ پر خاص لطف وکرم روا رکھا اور میں نے رُوح اور نفس کی حقیقتوں کو جان لیا۔ بعد ازاں جب میں نے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کا مطالعہ کیا تو بالکل وہی حقائق میرے سامنے آئے جو میں اس مکاشفے کے دوران اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔

اس کے بعد میری تمام تر توجہ اس سیاہی کی طرف رہتی اور میں ہمیشہ اس کوشش میں رہتا کہ جس طرح بھی ہو سکے اس کو اپنی روح سے الگ کر دوں تاکہ میں اللہ سُبحانہ کی قربت کے حصول میں آگے بڑھتا رہوں اور اس کے آخری نقطے تک پہنچ جاؤں۔ میں حیران تھا کہ کہاں سے شروع کروں؟! آخر کس طرح ان ذلیل خصلتوں کو دُور کروں جنہوں نے میری پاکیزہ اور شفاف روح کو سیاہ اور آلودہ کر رکھا ہے۔ ایک رات میں حسبِ معمول تلاوتِ قرآن مجید میں مصروف تھا کہ مندرجہ ذیل آیات میرے سامنے آئیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ	اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! اللہ سُبحانہ کی نافرمانی سے اپنا دامن آلودہ نہ کرو! ہر شخص کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ

خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا
كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسٰهُمْ
أَنْفُسَهُمْ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۝
لَا يَسْتَوِيْٓ أَصْحٰبُ النَّارِ وَأَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ ۚ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ
الْفَآئِزُونَ ۝ لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ
عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهٗ خَاشِعًا
مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ
وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ
لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ
الشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ ۝
هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ
الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ
الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝
هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ
الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ

وہ کل (آخرت) کے لئے کیا کچھ کر رہا ہے
خبردار! اس کی نافرمانی سے بچو کہ تم جو کچھ
بھی کرتے ہو سب اس کے علم میں ہے۔
خبردار! ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو اللہ
سبحانہ کو بھول جاتے ہیں، جواباً اللہ سبحانہ ان
کو اپنا آپ بھلا دیتا ہے۔ پس یہی لوگ
فاسق ہیں۔ ——— دوزخی اور
جنتی لوگ کبھی نہیں برابر ہو سکتے۔ بیشک
جنتی کامران لوگ ہیں۔ اگر اس قرآن مجید
کو ہم پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ
پہاڑ اللہ سبحانہ کی ہیبت و جلال کے رعب
سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ اللہ سبحانہ اسی
طرح لوگوں کے لئے مثالیں پیش کرتا ہے۔
بیشک اللہ سبحانہٗ کی ذات ہی وہ ذات
ہے جس کے علاوہ کوئی اور قابلِ پرستش و
عبادت نہیں وہ ظاہر و باطن کو جاننے والا
ہے۔ نہایت مہربان و رحم کرنے والا ہے۔
اللہ سبحانہ ہی عبادت و پرستش کے لائق
ہے۔ بیشک وہی بادشاہ ہے۔ مقدس ہے،
سلامتی اور امان دینے والا ہے۔ سب کا

(سورۃ الحشر آیت ١٨ تا ٢٤)

نگہبان ہے۔ صاحبِ قدرت و طاقت، حاکم اور
بڑا ہے۔ ان تمام چیزوں سے منزہ و مبرا ہے
جن کو لوگ اس کا شریک بتاتے ہیں۔ بیشک
اللہ سبحانہٗ ہی سب کا خالق، پیدا کرنے والا اور
جس کو جیسی چاہتا ہے شکل و صورت عطا
کرنے والا ہے۔ تمام اچھے نام اسی کے
ہیں۔ آسمانوں اور زمین پر تمام موجودات اسی
کے گن گاتے ہیں اور وہی صاحبِ قدرت
و حکمت ہے۔

ان آیاتِ حمیدہ کو میں نے زیادہ غور و خوض کے لئے چند بار پڑھا اور اس لئے بھی کہ میں نے ائمہ اطہار کے فرامین میں پڑھا ہوا تھا کہ کسی بھی حاجت کے لئے اگر قرآنِ مجید کی کوئی سورت یا آیت پڑھی جائے تو حاجت روا ہو جاتی ہے۔ میں نے اپنی اس حاجت کے لئے ان آیات کا ورد شروع کر دیا اور اللہ سُبحانہٗ کی بارگاہ میں التجا کی کہ جو سیاہی میری روح پر چھا چکی ہے مجھے اس سے نجات دے۔

اچانک مجھ پر وہی کیفیت طاری ہونے لگی۔ یعنی جسم اور روح کی علیحدگی۔ پھر میں نے دیکھا کہ سیاہی میری روح سے الگ ہو گئی ہے اسی حالت کا مجھے کئی مہینوں سے انتظار تھا۔ چنانچہ میں نے بڑی احتیاط سے کام لیا تاکہ میں ایک بار پھر جائزہ لے سکوں کہ سیاہی کی حقیقت کیا ہے خوش قسمتی سے مجھے جلدی ہی اس کی شناخت ہو گئی اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ وہ دُور کیسے ہو سکتی ہے۔ میں نے غور سے دیکھا تو پتا چلا کہ وہ سیاہی سراپا جہالت اور بے علمی ہے۔ چنانچہ میں حصولِ علم سے بڑی آسانی سے اس کو دُور کر سکتا تھا۔ مزید غور کرنے پر پتا چلا کہ یہ سیاہی یوں میری روح پر چھائی تھی کہ عالمِ ارواح میں مجھے جو کچھ پڑھایا گیا تھا۔ میں دنیا میں اس کو بھلا چکا تھا چنانچہ

علم و معرفت کی جگہ پر جہالت و بے معرفتی چھاگئی تھی اور ایمان و نیکی کی جگہ کفر اور بدی نے لے لی تھی۔ ظاہر سی بات ہے کہ اگر میں اپنے ایمان کو پختہ کرلوں تو گویا کہ کفر و بدی کو اپنے سے دور کرلوں گا۔ نتیجۃً روح کی کچھ سیاہی ختم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ مختصر یہ کہ میں پھر اس فکر میں پڑ گیا کہ جس طرح بھی ہو اس سیاہی کو ختم کرنا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے مختلف ذرائع کو آزمانا شروع کر دیا۔ مثلاً کبھی تو وجودِ خدا کے علمی دلائل کا مطالعہ کرتا اور کبھی کائنات اور اپنے وجود میں موجود اللہ سبحانہ کی قدرت پر غور کرتا۔ کبھی گھنٹوں کائنات کی مختلف مخلوقات پر مغزماری کرتا علی الخصوص حشرات الارض اور مختلف نباتات کی خلقت اور ان کی حرکات و سکنات پر غور کرتا۔

گرچہ ان امور پر غور و خوض سے میرے ایمان میں ایک گونہ تقویت تو ملتی تھی مگر دل مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ یعنی اتنی محنت و مشقت کے باوجود وقتی طور پر ایمان کی پختگی آ جاتی مگر بعد میں پھر متزلزل ہو جاتا، گویا کہ یہ سیاہی گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ کبھی ایمان میں قوت آتی دل مطمئن ہوتا تو کبھی کفر و جہالت مجھ پر چھانے لگتی اور میں شر اور بدی محض معلوم دیتا۔ بہر صورت میرا ایمان مستقر اور دائمی نہ ہوا تھا اور یہ بات میرے لئے بڑی زحمت اور مشقت کا سبب تھی اور میں کبھی کبھی تو بہت پریشان ہو جاتا تھا۔ البتہ میں اس بات پر خوش ضرور تھا کہ میں نے اپنے دل میں ایمان کا ایک گھونسلہ ضرور بنالیا ہے جس میں بلبلِ ایمان نے آنا تو شروع کر دیا ہے مگر اس میں قیام نہیں کرتا۔ شاید اُسے اس گھونسلے میں کوئی دشمن نظر آتا ہے میرا مطلب اس سیاہی سے ہے جس سے ڈر کر وہ بلبلِ ایمان اُڑ جاتا ہے۔ پس مجھے اپنے دل کا ایک بار پھر جائزہ لینا چاہیئے اور ایمان کے مستقر نہ ہونے کا سبب معلوم کرنا چاہیئے تاکہ اس کا علاج ہو سکے۔

پس جب میں نے اپنے دل کو بغور ٹٹولا اور گویا کہ اپنے ایمان کے گھونسلے کا بغور جائزہ لیا تو مجھے اس میں بہت سے خطرناک کیڑے نظر آئے جن کی وجہ سے بلبلِ ایمان اس میں ٹھہرنے سے گریز کرتا ہے۔ مجھے ان سب کو نکال باہر کرنا ہوگا۔ تاکہ انہوں نے جتنی سیاہی روح پر طاری کر رکھی ہے دُور ہو سکے۔ اور طائرِ ایمانی اس میں جاگزیں ہو سکے۔

وہ خطرناک کیڑے مندرجہ ذیل تھے :

۱۔ نفاق
۲۔ اپنے انسان بھائیوں پر ظلم و ستم کرنا
۳۔ ناشکری
۴۔ طمع و لالچ
۵۔ اپنے انسان بھائیوں سے بے مروتی برتنا
۶۔ دنیا کی محبت
۷۔ تکبر
۸۔ بڑائی
۹۔ جلد بازی
۱۰۔ بغض و حسد
۱۱۔ شقاوتِ قلبی
۱۲۔ بے صبری
۱۳۔ انتقامی جذبہ
۱۴۔ کمینگی اور کم ظرفی
۱۵۔ انسان دشمنی
۱۶۔ غداری
۱۷۔ دعوت و تفاخر (عدم انکساری)
۱۸۔ ہٹ دھرمی
۱۹۔ بے حیائی
۲۰۔ اسراف اور فضول خرچی
۲۱۔ سستی و کاہلی
۲۲۔ کنجوسی
۲۳۔ چغلخوری اور غیبت
۲۴۔ خواہشاتِ نفسانی
۲۵۔ جاہ طلبی، ہوسِ اقتدار
۲۶۔ خود نمائی
۲۷۔ اور جھوٹ

(بحوالہ اصولِ کافی جلد ا صہ ۱۴۴)

ان میں سے اکثر کیڑوں کو تو میرے خاندان کے حشرات کش ماحول ہی نے مار ڈالا تھا۔ البتہ محبتِ دنیا، خود نمائی اور ہوسِ اقتدار جیسے موذی کیڑوں نے میری روح میں کالک اور سیاہی پیدا کر رکھی تھی۔ البتہ اہلبیتِ پیغمبرِ اکرمؐ کے گھرانے کی مبارک وابستگی کی وجہ سے میں نے ان کو بھی مارنا شروع کر دیا اور الحمد للہ بہت حد تک کامیاب بھی رہا۔

فرحت وکرب

انہوں نے فرمایا:

ایک دن میرا وہ نوجوان دوست جس سے مجھے بڑی محبت تھی اور وہ ایک شریف گھرانے کا چشم و چراغ بھی تھا، میرے پاس آیا اور کہنے لگا: کچھ دنوں سے مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ میرا ایمان بالکل ختم ہو چکا ہے۔ کائناتِ ہستی کے حقائق پر مجھے بالکل اعتقاد نہیں رہا۔ میں اس بارے میں سوچ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا ہوں یوں محسوس ہوتا ہے کہ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ تم ہی مجھے اس روحانی بیماری سے نجات دلاؤ۔

میں اس کے حالات سے پوری طرح آگاہ تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ "اصولِ اعتقادات" کے علمی دلائل سے یہ جوان واقف نہیں ہے۔ اس بارے میں اس کا کچھ مطالعہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اس عنوان پر اس نے کوئی چھوٹی سی کتاب بھی نہیں پڑھی میں نے اس کو مشورہ دیا کہ اصولِ اعتقادات کا ایک سطحی کورس پڑھ لے اور علمی طور پر اس کو سمجھ لے شاید تمہارے عقائدِ ایمانی میں پختگی پیدا ہو جائے!

اس نے میرا مشورہ مان لیا اور خوش قسمتی سے اس کو ایک اچھا استاد بھی مل گیا۔ میں نے اس کے استاد سے گزارش کی کہ اس کو باقاعدگی سے پڑھائیں تاکہ تھوڑی مدت میں اس کو اعتقادات کی بنیاد سمجھ آ جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا بحمداللہ اسے روحانی بے چینی سے نجات ملی۔

انہوں نے فرمایا:

ایک سن رسیدہ شخص جو بقولِ خود "فلسفہ اور اسلامی عقائد" میں اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا۔ اور بزعمِ خود اس میدان میں یدِطولیٰ رکھتا تھا۔ ایک دن میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ مجھے پتہ نہیں کیا

ہو گیا ہے باوجود علمی طور پر خدا کے وجود کی بہت سی دلیلیں جانتا ہوں اس کے علاوہ دیگر اعتقادات اسلامی کے ثبوت بھی مجھے ازبر ہیں مگر بعض اوقات میں اتنا بے ایمان ہو جاتا ہوں کہ مرنے کو جی چاہتا ہے۔ ایسے میں مجھے وہ تمام دلائل ان حقائق کے انکار کے حق میں معلوم ہونے لگتے ہیں! میں کیا کروں؟!

میں نے اس سے کہا، معلوم ہوتا ہے تیرا دل گھٹیا اوصاف سے اٹا پڑا ہے۔ تیرا نفس اسلامی تربیت یافتہ نہیں چنانچہ تو دلائل کے زور پر گھیر کر ایمان کو اپنے دل میں لے آتا ہے مگر گھٹیا اوصاف کی وجہ سے اس کو زیادہ دیر روک نہیں سکتا لہٰذا کچھ ہی دیر بعد جب تیری توجہ دوسری طرف ہوتی ہے ایمان باہر نکل جاتا ہے پھر تیرے ہاتھ نہیں آتا۔ اس کو ایک مثال سے زیادہ واضح کیا جاسکتا ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ ایک پرندے کو ایک گھونسلے میں رکھیں مگر گھونسلا موذی کیڑوں سے بھرا ہوا ہو تو وہ پرندہ وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکے گا۔ پس اگر آپ چاہتے ہیں کہ 'ایمان' مستقل بنیادوں پر آپ کے دل میں جاگزیں ہو جائے تو نفس کی تربیت کریں اور دل کو گھٹیا اوصاف سے پاک کریں۔

انہوں نے فرمایا:

ایک دن میں ایسے شخص کی خدمت میں حاضر ہوا جس نے برسوں عملیات اور وظائف میں گزارے تھے۔ وہ واقعی روحانی کمالات سے بہرہ ور تھا اور اس کی شخصیت روحانیت کے لئے ایک بڑا سہارا تھی۔ میں نے اس سے گزارش کی کہ معنوی امور اور سیر و سلوک الی اللہ کے تجربات و واقعات کے بارے میں مستفیض فرمائیں! وہ بولے! روحانی کمالات و درجات کا مطالعہ اور تجربہ کرتے ہوئے یہ بات میرے سامنے آئی ہے کہ کبھی تو مجھ پر روحانی فرحت و انبساط کی ایسی حالت طاری ہوتی ہے یعنی میری روح تمام ماورار طبیعات حتیٰ کہ معنویات کو بھی صاف سامنے دیکھ لیتی ہے مگر کبھی اس قدر گھٹن اور محدودیت کا احساس ہوتا ہے گویا کہ میں غیر معمولی تیرگی و تاریکی میں گھرا ہوا ہوں اور اپنے آگے ایک قدم تک بھی نہیں دیکھ پاتا! بہرحال میں نے روحانی کمالات کے حصول کے لئے اپنی کاوشیں جاری رکھیں اور اس فرحت و کرب یا کشادگی و تنگی

پر زیادہ توجہ نہ دی میں نے اپنے آپ کو ایسا مسافر سمجھا جو ایک بس میں سوار چلا جا رہا ہے اور دورانِ سفر کبھی تو آباد و شاد شہر آجاتے ہیں جہاں جا بجا روشنیاں بکھری ہوئی ہوتی ہیں اور کبھی بے آب و گیاہ ویرانے آجاتے ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان دنوں میں کبھی سرور کن خواب دیکھتا، کبھی دلچسپ مشاہدے کرتا اور دماغ کو تازہ کر دینے والی روحانی خوشبوئیں سونگھتا۔ اور یہ تمام چیزیں میری توجہ کا مرکز بن جاتیں مگر استادِ محترم نے مجھے سختی سے سمجھا دیا کہ ان باتوں میں اپنے آپ کو مشغول نہ کروں کیونکہ جب تک روحانی کمالات اور تزکیۂ نفس کی منزل حاصل نہ ہو جائے یہ امور کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ بعض اوقات جب تم اس بات پر غور کرو گے کہ اتنی مسلسل ریاضت کے باوجود حیوانی خصائل تم میں موجود ہیں تو تمہیں پتہ چلے گا کہ اس کی وجہ انہی امور میں دلچسپی لینا ہے۔ اسی طرح جن دنوں تمہیں کوئی خواب نہ آئے، کوئی مشاہدہ یا مکاشفہ نہ ہو، طبیعت پر بوجھ اور گھٹن محسوس کرو حتیٰ کہ عبادت اور دعا کے دوران بھی سکون و فرحت نہ ملے یعنی تم مکمل کرب والم کے عالم میں ہو تو بھی اپنے تزکیۂ نفس کے پروگرام پر برابر عمل کرتے رہنا اور یوں سمجھنا کہ تم وہ مسافر ہو جو بیابانوں اور ویرانوں سے گزر رہا ہو جہاں دیکھنے کی کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے۔ غرضیکہ یہ وقتی راحتیں اور اذیتیں تمہیں اپنے حصولِ مقصد یعنی روحانی کمالات کے حصول سے باز نہ رکھیں بلکہ تم برابر پوری تن دہی سے اپنی ریاضت اور مشقت کو جاری و ساری رکھو!

ہوسِ اقتدار

انہوں نے فرمایا:

میں ابھی طالب علم ہی تھا۔ ایک دن جناب شیخ محمد حسنؒ کی سوانح کا مطالعہ کر رہا تھا۔ جو شہرہ آفاق کتاب "الجواہر" کے مصنف ہیں، اس میں مندرجہ ذیل واقعہ تحریر تھا:

مرحوم شیخ" حوزہ علمیہ نجف میں علماء اور مجتہدین کو اجتہاد کی سند عطا فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک محقق علم فقہ کے بارے میں ایک " تحقیقی مقالہ" لایا۔ اس پر دو دیگر محققین کے دستخط بھی تھے کہ وہ مقالہ خود اُسی نے لکھا ہے۔ مگر دراصل وہ مقالہ کسی اور جگہ سے نقل کیا گیا تھا۔ اور اپنے نام سے مرحوم شیخ" کی خدمت میں پیش کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے ظاہری قواعد کی بنا پر اُسے اجتہاد کی سند عطا کردی۔

کچھ دنوں بعد بعض علماء کے علم میں حقیقتِ حال آگئی۔ انہوں نے جناب شیخ مرحوم کو بتایا۔ آپ پریشان ہوئے اور اس دھوکہ باز "محقق" کو تلاش کیا مگر اب وقت گزر چکا تھا۔

کچھ عرصہ بعد جناب شیخ مرحوم کسی تقریب میں رونق افروز منبر ہوئے۔ آپ نے وعظ کا عنوان " ہوسِ اقتدار کی برائیاں" رکھا اور اس عنوان سے ضمیرِ انسان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ساتھ ہی خود اتنا گریہ کیا کہ ہچکی بندھ گئی آخر میں یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ "یہ مرض انسان کی ابدی فلاح و کامیابی کے لئے شدید خطرہ ہے۔" یہ کہہ کر آپ منبر سے اُتر آئے اور پھر کبھی کسی کو اجتہاد کی سند عطا نہیں فرمائی۔ گوشہ نشینی اختیار کی۔ تپ دق جیسی مہلک مرض میں مبتلا رہ کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

جب میں نے اس واقعے کا مطالعہ کیا تو سوچا کہ اگر وہ نام نہاد "محقق" بڑا بننے کے جنون میں مبتلا نہ ہوتا تو اسے یہ دھوکہ بازی کرنے کی کیا ضرورت تھی جس سے ایک عالمِ اجل کو شدید ذہنی کوفت ہوئی، حتیٰ کہ وہ ان کا قاتل بھی ٹھہرا۔ میں نے اس جانکاہ واقعے سے درسِ عبرت لیا اور اپنے آپ کو اس حیوانی مرض سے ابتدائے شباب ہی سے دُور رکھنے کی کوشش کی۔ میں مطمئن تھا کہ اس موذی مرض میں مبتلا نہیں ہوں۔ مگر جب ایک دو دفعہ اپنے آپ کو آزمایا تو معلوم ہوا کہ مرض کے کچھ آثار ہیں۔ چنانچہ پھر سے بھرپور کوشش کی اور بحمد للہ پوری طرح نجات پانے میں کامیاب ہوگیا۔

مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ ابھی پوچھیں گے کہ اس حیوانی صفت کو میں نے کس طرح

اپنے سے دور رکھا اور پھر آزمائش کیسے کی ؟ میں آپ کو بتانے کے لئے تیار ہوں کیونکہ میں آپ کو ایک اچھا شاگرد سمجھتا ہوں. مگر میری ایک شرط ہوگی کہ آپ یہ سب کچھ معلوم کرنے کے بعد اس پر عمل کریں گے!

انہوں نے فرمایا:

میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ دنیا کی محبت کتنا بڑا کام ہے اور اس سے بچنے کے طریقے بھی بتا چکا ہوں۔ آپ ان پر عمل کریں اور کسی طور بھی اپنے دل کو دنیا میں محو نہ ہونے دیں وگرنہ آپ جیسا بدقسمت کوئی نہ ہوگا۔

انہوں نے فرمایا:

میں نے "بڑا بننے کے جنون" کے مرض سے بچنے کے لئے جب کوششیں شروع کیں تو اس کے نتائج پر غور کیا۔ میں نے تصویر کے دونوں رُخ سامنے رکھے یعنی اگر میں مرض میں مبتلا رہتا ہوں تو کیا ہوگا ؟ اور اگر میں اس سے نجات پالیتا ہوں تو کیا ہوگا ؟ چنانچہ میں نے اپنی تعلیم کے آخری درجے کو ذہن میں رکھا۔ یعنی میری تعلیم کی انتہا ہے کہ میں مجتہد بنوں پھر مرجع جامع شرائط بن جاؤں کروڑوں افراد میری تقلید کریں اور میں دنیا کے شیعہ مسلمانوں کا رہبر و راہنما کہلاؤں! اگر ایسا ہو جائے تو اس کی بھی دو ہی صورتیں ہیں:

۱۔ میں اپنی مرجعیت پر اتراؤں، اس مقام و منزل سے لطف و اندوز ہوں، اپنے اختیارات کے مزے لوٹوں اور اللہ سبحانہ اور اس کے احکامات کو پس پشت ڈالے رہوں۔ صرف خمس وصول کروں اور انا کی تسکین کی خاطر طلاب میں تقسیم کرکے شہرت کماؤں۔ وہ طلاب جن کی اکثریت بھی میرا احترام اس لئے کرے کہ میں زیادہ وظیفہ دوں!

اس کا انجام کیا ہوگا ؟! قبر میں جاتے ہی پہلی رات سے میری شامت آجائے گی اور تا دامنِ قیامت شدید عذاب میں مبتلا رہوں گا۔ روزِ قیامت مجھے ایک عام کافر سے کہیں زیادہ عذاب ہوگا۔ کیونکہ ایک کافر تو خدا، رسولؐ وائمہؑ کا منکر رہا، کھلم کھلا اسلام

اور مسلمانوں کا مخالف رہا مگر میں نے نہ صرف یہ کہ ایک مسلمان بن کر اللہ سبحانہٗ، رسول اکرمؐ
حق کرامامِ زمانہؑ سے غداری کی بلکہ اپنی انا کی تسکین کے لئے اس منصب کو غصب کیا جو اولیائے
اللہ اور متقی و پرہیزگار ہستیوں کا حق ہے۔ پھر اس منصب کو بجائے اس کے کہ اطاعتِ
الٰہی کا وسیلہ بناتا اپنے نفس کی اطاعت کا ذریعہ بنالیا۔

۲۔ مرجعیت کو نفس پرستی کا ذریعہ نہ بناؤں بلکہ خواہشاتِ نفسانی کو دبا کر حضرت امام زمانہؑ کی نیابت کا حق ادا کروں اور مندرجہ ذیل روایت کے مطابق سب سے پہلے میں ہی اپنی ہوا و ہوس کا مخالف ہوں اور پھر اللہ سبحانہٗ کا مطیع محض بن جاؤں۔ اس صورت میں ابھی سے مجھے ہوسِ اقتدار کو دل سے نکال باہر پھینکنا چاہیئے تاکہ میں اس مقدس منصب کا اہل بن سکوں!

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ صَائِنًا لِنَفْسِهٖ، حَافِظًا لِدِيْنِهٖ مُخَالِفًا لِهَوَاۤئِهٖ مُطِيْعًا لِاَمْرِ مَوْلَاهُ فَلِلْعَوَامِ اَنْ يُقَلِّدُوْهُ۔

فقہی حضرات میں سے جو فقیہ اللہ سبحانہٗ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچائے رکھے دینِ مقدس اسلام کی حفاظت کرے۔ خواہشاتِ نفسانی کی پیروی نہ کرے اپنے خالق کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم رکھے۔ عوام کو اس فقیہ کی اطاعت کرنی چاہیئے!

(وسائل الشیعہ جلد نمبر ۱۸ صـ ۹۵)

مختصر یہ کہ مجھ میں ہوسِ اقتدار نہیں ہونی چاہیئے! اس مقصد کو پانے کا میں نے ایک اور طریقہ بھی اپنایا کہ کچھ دیر مراجع تقلید کے قریب رہا ہوں تاکہ میں اپنی آنکھوں سے تمام واقعات کا مشاہدہ کرلوں۔ اور اس مسئلے میں 'عین الیقین' کی منزل پر پہنچ سکوں۔ اس اقدام کا نتیجہ میری توقعات کے عین مطابق نکلا۔ میں نے دیکھا اور محسوس کیا کہ جو لوگ ہوسِ اقتدار رکھتے تھے' علامہ وحید

ہونے کے باوجود معاشرے میں کوئی قابلِ احترام مقام پیدا نہ کر سکے. قرآن مجید کا فیصلہ بھی یہی ہے؛ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ○

جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال انجام دیں اللہ سبحانہٗ عوام کے دل میں ان کی محبت پیدا کر دیتا ہے۔

(سورہ مریم آیت نمبر ۹۵)

اس کے برعکس جو لوگ خواہشات نفسانی کے اسیر نہیں تھے وہ بھی نمایاں طور پر ہمارے سامنے آ گئے کیونکہ اللہ سبحانہٗ اچھائیوں کو شہرت دیتا ہے اور برائیوں پر پردہ ڈالتا ہے. اس کے باوجود وہ حضرات ہمیشہ خوف و ہراس کے عالم میں رہتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو مرجعیت جیسی اعصاب شکن ذمہ داری کے بوجھ تلے دبے ہوئے سمجھتے تھے اور برابر خوفِ خدا سے ہراساں رہتے تھے۔ ان کی گھبراہٹ دوسروں سے کہیں زیادہ تھی حتیٰ کہ ایک مرجع نے مجھ سے یہاں تک کہ دیا کہ میں نے اس بڑھاپے میں نقد رقم بانٹنے کی بھاری ذمہ داری اپنے کمزور کندھوں پر ڈالی ہے۔ یعنی لوگ مجھے خمس کی مد میں رقوم دے کر خود بری الذمہ ہو جاتے ہیں. میں اس رقم کو طلبہ میں بانٹ دیتا ہوں اس سلسلے میں ایک پیسہ بھی غلط صرف ہو جائے تو حضرت امام زمانہؑ کی بارگاہ میں جوابدہ تو میں ہی ہوں۔

بہرحال مراجع حضرات کے قریب رہنے سے اور ان کے مختلف حالات علی الخصوص ان کی بھاری ذمہ داری کے مشاہدہ سے میں کافی حد تک متاثر ہوا اور میں سمجھا کہ اب میرے دل سے "ہوسِ مرجعیت" نکل گئی ہے. مگر جب میں نے اپنے آپ کو آزمایا تو پتا چلا کہ نہیں ابھی میں اس موذی مرض سے پوری طرح شفایاب نہیں ہوا. وہ واقعہ یہ ہے:

بعض سرکاری ملازمین ایک دفتر میں میری دعوت کیا کرتے تھے. میں اکثر چلا جاتا. میں جب بھی وہاں جاتا میرا نفس گویا کہ مجھے کہتا کہ اپنے آپ کو نچلے طبقے سے برتر سمجھو. چنانچہ جب وہ

میرا احترام کرتے تو میں بہت خوشی محسوس کرتا. وہ اچھی سے اچھی غذا میرے آگے رکھتے جونہی میں داخل ہوتا وہ سربقد کھڑے ہو جاتے ہیں اور زیادہ نخوت سے بات کرتا تاکہ وہ مجھے کوئی بڑا آدمی سمجھیں حتی کہ ایک دن میں یہاں تک گر گیا کہ جب انہوں نے میری بیجا تعریفیں شروع کیں تو بجائے منع کرنے کے میں اندر ہی اندر بہت خوش ہوا. اس کے بعد جب اگلی دفعہ انھوں نے دوبارہ میری تعریفوں کے پل باندھنے شروع کئے تو میں نے انہیں اس طریقے سے منع کیا کہ وہ اور تعریفیں کرنے لگے.

مگر ایک رات میں اپنے کمرے میں بالکل اکیلا بیٹھ گیا اور اس سلسلے میں اپنا احتساب کرنے لگا. میں نے اپنے آپ سے سوال کیا. خود پسندی کو تم کب چھوڑو گے؟ میں نے نتیجہ نکالا کہ میں خود پسندی اور بڑائی کی ہوس کا مریض ہو چکا ہوں اس کا علاج کیا جانا چاہئے. چنانچہ میں نے بحار الانوار کھول لی اور یہ سوچتے ہوئے کہ ائمہ اطہار نور ہدایت ہیں اور میری روح تاریکی گمراہی کی وجہ سے مکدر ہو گئی ہے لہذا مجھے ان کے ارشادات حسنہ سے اسے صاف کرنا چاہیئے. میں نے مطالعہ شروع کیا تو وہاں یہ لکھا ہوا تھا.

عَنْ اَبِی الْحَسَنِ الرِّضَا ؑ مَاذِئْبَانِ ضَارِیَانِ فِی غَنَمٍ تَفَرَّقَ رِعَاۗئُهَا بِاَضَرَّ فِی دِیْنِ الْمُسْلِمِ مِنْ طَلَبِ الرِّیَاسَةِ۔

حضرت امام رضاؑ نے فرمایا، "دو بھیڑیئے، بھیڑوں کے لاوارث گلے پر حملہ آور ہوں تو اتنا نقصان نہیں کرتے جتنا حرص اقتدار مسلمانوں کے دین میں کرتی ہے۔

(بحار الانوار جلد ۷۳ صہ ۱۴۵)

عَنْ اَبِی عَبْدِ اللّٰهِ ؑ مَنْ طَلَبَ الرِّیَاسَةَ هَلَكَ۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: حریص اقتدار بالآخر ہلاک ہو جاتا ہے۔

(جامع السعادات جلد نمبر ۲ صہ ۳۶)

عَنْ اَبِی عَبْدِ اللّٰہِ الصَّادِقِ: اِیَّاکُمْ وَ ھٰؤُلَاءِ الرُّؤَسَاءَ الَّذِیْنَ یَتَرَأَّسُوْنَ.

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا، "لوگوں پر ظلم کرنے والے حکام سے بچ کر رہو"۔

(جامع السعادات جلد نمبر ۲ صہ ۳۶۱)

عَنْ اِمَامِ الصَّادِقِ: اِیَّاکُمْ وَ ھٰؤُلَاءِ الرُّؤَسَاءَ الَّذِیْنَ یَتَرَأَّسُوْنَ فَوَ اللّٰہِ مَا خَفَقَتِ النِّعَالُ خَلْفَ رَجُلٍ اِلَّا ھَلَکَ وَ اَھْلَکَ.

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا، لوگوں پر ظلم کرنے والے حکام سے بچو، اور دیکھو جو شخص ذرا سا بھی تکبر کرے حتیٰ کہ تکبر سے صرف اپنے جوتے زمین پر زور سے مارے وہ خود بھی برباد ہوا اور دوسروں کو بھی لے ڈوبا"۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۳ صہ ۱۵۰)

عَنْ اِمَامِ الصَّادِقِ: مَلْعُوْنٌ مَنْ تَرَأَّسَ، مَلْعُوْنٌ مَنْ ھَمَّ بِھَا مَلْعُوْنٌ مَنْ حَدَّثَ بِھَا نَفْسَہٗ.

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا جو شخص قیادت کا دعویٰ کرے، حصولِ اقتدار کی کوشش کرے یا اپنے جی میں اقتدار حاصل کرنے کی ٹھانے وہ لعنتی ہے"۔

(اصولِ کافی باب طلب الریاستہ حدیث ۳)

(البتہ یہ کیفیت امام زمانہؑ کی شہود و موجود صورت میں ہے۔ ان کی غیبت میں ان کی نیابت میں ان کے احکامات و اہداف کی تکمیل کے لئے نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہیں بلکہ اہل افراد پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ مترجم)

عَنْ اِمَامِ الْبَاقِرِ: لَا تَطْلُبَنَّ الرِّیَاسَۃَ.

حضرت امام باقرؑ نے فرمایا، دیکھو! خبردار جو ہوسِ اقتدار اختیار کی!

(جامع السعادات جلد نمبر ۲، صہ ۳۶۱)

عَنْ اِمَامِ الصَّادِقِ: اِيَّاكُمْ وَالرِّيَاسَةَ فَمَا طَلَبَهَا اَحَدٌ اِلَّا هَلَكَ.

ہوسِ اقتدار سے بچو، کیونکہ جس نے یہ ہوس کی وہ برباد ہوا۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۳ صہ ۱۵۱)

عَنْ اِمَامِ الرِّضَا: مَنْ طَلَبَ الرِّيَاسَةَ لِنَفْسِهِ هَلَكَ فَاِنَّ الرِّيَاسَةَ لَا تَصْلُحُ اِلَّا لِاَهْلِهَا.

حضرت امام رضاؑ نے فرمایا جس نے قیادت واقتدار کی ہوس اختیار کی وہ برباد ہوا کیونکہ یہ صرف اہل افراد ہی کو زیبا ہے!"

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۳، صہ ۱۵۴)

اسی حقیقت کو قرآنِ مجید نے بطریقِ احسن بیان کیا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

اُخروی زندگی کی آسائشیں صرف ان لوگوں کے لئے ہیں جنہوں نے دنیا میں اقتدار اور فتنہ و فساد کی تگ و دو نہ کی ہوگی۔ بیشک اللہ سبحانہٗ کی نافرمانی سے اپنا دامن بچانے والوں ہی کا نتیجہ اچھا رہے گا۔

(سورہ قصص آیت نمبر ۸۳)

ان آیات و روایات کو پڑھا مگر میری روح کی تاریکی کچھ زیادہ ہی گہری تھی کہ ان منور کر دینے والے ارشادات سے بھی پوری طرح صاف نہ ہوئی اگرچہ کچھ دن متاثر ضرور رہا۔

کچھ دنوں بعد میں نے پھر اپنے طرزِ عمل پر غور کیا تو دیکھا کہ میں تو اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہوں۔ وہ اس طرح کہ میں جب لوگوں کے ساتھ انکساری کے ساتھ پیش آتا ہوں تو اس لئے کہ وہ مجھے اچھا جانیں اور میرا زیادہ احترام کریں یا میں جب ان کو پہلے سلام کرتا ہوں تو صرف ان کو شرمندہ کرنے کے لئے کہ میں ان کے مقابلے میں سبقت لے گیا یا اگر میرا کوئی شاگرد میرے سامنے مؤدب نہ بیٹھتا تو مجھے بڑا غصہ آتا یا پھر یہ کہ جب کسی اجتماع میں جاتا اور لوگ میرے آنے پر بآوازِ بلند صلوٰت پڑھتے تو میں

بڑی خوشی محسوس کرتا۔ ایک دن تو میرا حال یہاں تک بُرا ہوا کہ میں ایک تقریب میں گیا۔ وہاں ہزاروں کا مجمع تھا۔ جب میں پہنچا وہ سب سر بقد کھڑے ہو گئے اور بآواز بلند صلوٰت پڑھنے لگے۔ میں نے اس موقع پر بھی خود نمائی کی تسکین کے لئے بظاہر ان سے کہا کہ آپ حضرات مجھ سے جس محبت و چاہت کا اظہار کر رہے ہیں میں اس قابل کہاں ؟! تاکہ وہ کہیں کہ یہ صاحب کتنے اچھے ہیں اور کسرِ نفسی کر رہے ہیں؛

جب میں واپس گھر آیا میں نے تقریب میں اپنے اوپر غور کیا تو صاف معلوم ہوا کہ میں نے یہ سب کچھ اپنے نفس کی خود خواہی کے لئے کہا تھا۔ کمال کی بات یہ ہے کہ جب میں وہاں ڈائز پر تقریر کیلئے آیا تو ایک نورانی پیشانی والے بزرگ میرے پاس تشریف لائے اور انہوں نے بڑی ہمدردی سے یہ فرمایا؛

"آپ اپنی کمزوری پر قابو پائیں اور ان کے جذباتِ احترام سے ذاتی سطح پر کوئی اثر نہ لیں ان کے احترام سے خوش نہ ہوں اور نہ ہی ان کی کسی بے اعتنائی سے ناراض! اپنے ہوش ٹھکانے رکھیں اور ان چیزوں کی طرف دھیان نہ دیں!"

مگر میرا یہ حال تھا کہ میں حاضرین کی طرف سے اتنے احترام دیئے جانے پر پاگل ہوا چلا جا رہا تھا۔ میں نے بزرگ کی بات سنی ان سنی کر دی مگر گھر پہنچ کر مجھے احساس ہوا کہ وہ بزرگ دراصل تنبیہ فرما رہے تھے کہ اگر حاضرین کی طرف سے احترام کئے جانے پر میں واقعی خوش ہوں تو پھر میں نفسیاتی مریض اور کمزور ہوں۔

یہ وہ موقع تھا کہ میں چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں، میں شرمندگی سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ یہ بات مجھے پریشان کئے جا رہی تھی کہ آخر کب میں خود پسندی اور اقتدار طلبی کی دلدل سے نکلوں گا ؟! مجھ پر گریہ طاری ہو گیا اور میں خوب رویا۔ دل کا بوجھ ہلکا ہوا۔

اس موذی مرض سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے مادی ذرائع تو تقریباً تمام آزما چکا تھا۔ اس لئے اب روحانی ذریعے کے بارے میں سوچنے لگا۔ معاً خیال آیا کہ کیوں نہ نمازِ استغاثہ حضرت سیدہ کونین علیہا السلام پڑھوں اور اس دو عالم کی شہزادی سے اس روحانی مرض اور مصیبت سے نجات کی درخواست کروں!

اس نماز کی ادائیگی کا طریقہ اعمال کی تقریباً تمام کتابوں میں دیا ہوا ہے۔ میں نے معروف طریقے سے نماز ادا کی یعنی جناب خاتونِ محشرؑ کی بارگاہ میں استغاثے کی نیت سے دو رکعت نماز ادا کی۔ سلام کہنے کے بعد تین مرتبہ اللہ اکبر کہا اور سجدے میں سر رکھ کر سو مرتبہ اس جملے کو دہرایا:

یَا مَوْلَاتِیْ یَا فَاطِمَۃُ اَغِیْثِیْنِیْ۔ شہزادیٔ کونین، یا زہراؑ۔ اس مرض اور دشمن کے خلاف میری مدد فرمایئے۔

پھر پیشانی کا دایاں رخ زمین پر رکھا اور اس جملے کو سو بار دہرایا پھر بایاں رخ رکھ کر اور آخر میں پھر پیشانی زمین پر رکھ کر اس جملے کو دہرانے لگا۔ ابھی میں سو کی گنتی پوری کر رہا تھا کہ میرے دل پر جناب صدیقۂ کبریٰ، اُم الائمہ، خاتونِ محشر علیہا السلام کے لطف و کرم کے آثار محسوس ہونے لگے اور میرا دل خود پسندی اور جاہ طلبی سے دھل کر شفاف ہوگیا۔ اس کے بعد میں نے کئی مرتبہ اپنا امتحان کیا اور بحمداللہ اپنے آپ کو اس موذی مرض سے شفایاب پایا۔

اس موقع پر ضروری سمجھتا ہوں کہ ایک بات بتاتا چلوں کہ بعض لوگوں کے مطابق روحانی امراض کی شفا کی اہمیت جسمانی امراض کی شفا سے کم ہے چنانچہ اگر یہ بتایا جائے کہ جناب خاتونِ محشرؑ کے وسیلے سے وہاں اندھا بینا ہوگیا تو اتنے حیران نہیں ہوتے جتنے اس بات پر کہ فلاں حاسد شخص بی بیؑ کے وسیلے سے حسد کرنا چھوڑ گیا ہے!

حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ ہر چیز کی اہمیت اس سے حاصل ہونے والے فائدے کے تناسب سے ہوا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک اندھا بینا ہوجائے تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ فائدہ ہوگا کہ جب تک اس عارضی اور محدود دنیا میں رہے گا بینا رہے گا اور جب فوت ہوگا تو اس کے بعد اندھے اور بینا میں کوئی فرق نہیں! اس کے مقابلے میں اگر حاسد شخص اپنی مرض سے شفا حاصل کرے تو ابدی عذاب سے گویا کہ چھٹکارا پاگیا۔ کیونکہ روحانی صفات تو ہمیشہ ساتھ رہتی ہیں جبکہ جسمی صفات بدن وجسم کی موجودگی تک صرف! لہذا روحانی امراض کا مقابلہ کسی طور بھی جسمانی امراض کے ساتھ کیا نہیں جاسکتا کیونکہ خود دنیاوی زندگی اخروی کے

مقابلے میں صفر سے بھی کم ہے۔

دکھاوا اور ریاکاری

انہوں نے فرمایا:

عنفوانِ شباب میں جب دل میں یہ خواہش شدت سے موجود رہتی تھی کہ لوگ ہمیں اچھا سمجھیں شب و روز یہی دھن تھی کہ اپنے عیوب و نقائص کو چھپایا جائے اور خوبیوں اور اچھائیوں کو بڑھا چڑھا کر دکھایا جائے۔ رفتہ رفتہ ہم "ریاکاری" اور "دکھاوے" کے مریض ہو گئے!

ریاکاری یا دکھاوے کی پہچان یوں ہوئی کہ میں نے تنہائی میں پڑھی جانے والی نماز اور مسجد میں جاکر عوام کے سامنے پڑھی جانے والی نماز میں بڑا فرق پایا۔ اسی طرح مختلف اوقات میں مختلف دعاؤں کی محافل اور مجالس کے موقع پر میرے آنسو اور آہیں کچھ زیادہ ہی قابلِ دید ہوتیں مگر یہی دعائیں جب گھر پر تنہائی میں پڑھتا تو ایک آنسو یا ایک آہ تک نہ نکلتی۔ میری کوشش ہوتی کہ لوگوں کے سامنے کم کھاؤں یا کم کھانے کا چرچا کروں اور کھانے کے شروع اور اختتام پر نمک کا استعمال کرنا شروع کرتے ہوئے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ زور سے کہنا اور اختتام پر الحمدللہ بآوازِ بلند۔ تاکہ لوگ کہیں کہ یہ اس عمر میں بھی مستحبات کا پابند ہے!!

حالانکہ امیرالمومنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

ثَلَاثُ عَلَامَاتٍ لِلْمُرَائِي، يَنْشَطُ إِذَا رَأَى النَّاسَ وَيَكْسَلُ إِذَا كَانَ وَاحِدَهُ وَيُحِبُّ أَنْ يُحْمَدَ فِي جَمِيعِ الْأُمُورِ.

ریاکاری کی تین نشانیاں ہیں:

۱. لوگوں کے سامنے بڑا چست بنے۔

۲. تنہائی میں سست رہے۔

۳. ہر کام پر اپنی تعریف کی امید رکھے۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۲، صفحہ ۲۸۸ حدیث نمبر ۸)

ایک دن ایک دوست نے میرے سامنے کہا کہ اللہ سبحانہٗ ہمارے گناہ بخش دے! مجھے بہت برا لگا۔ اس نے اپنے ساتھ مجھے بھی گنہگار سمجھا۔ حالانکہ میں خود سراپا گناہ تھا۔

ایک دن نماز کے دوران میں نے اپنی پیشانی کو سجدہ گاہ پر زور زور سے رگڑنا شروع کیا تاکہ محراب کا نشان پڑ جائے اور لوگ مجھے نمازی سمجھیں۔

مالی حالت اچھی ہونے کے باوجود عام سا لباس پہنتا تاکہ لوگ مجھے زاہد سمجھیں!

اس عالم جوانی میں استرے سے سر منڈواتا تاکہ لوگ مجھے مقدس سمجھیں!

جب کبھی وعظ کرنے منبر پر بیٹھتا یا یونہی کسی سے وعظ و نصیحت کرتا اپنی آواز کو گلے میں بھراتا اور زبردستی اپنے آپ کو اشکبار دکھاتا تاکہ پتہ چلے کہ اس نصیحت سے میں خود سب سے زیادہ اثر لے رہا ہوں۔

نوبت بانیجا رسید کہ لوگوں کو ریاکاری نہ کرنے کی نصیحت کرنے بیٹھ گیا جبکہ اس وقت بھی میں ریاکاری میں مصروف تھا۔

کبھی کسی کے استفسار کا جواب نہ جاننے کی وجہ سے نہ دے سکتا تو خاموشی سے یہ ظاہر کرتا کہ وہ مسئلہ لائق جواب نہیں یا وہ موقع بولنے کا نہیں۔

کبھی میں یوں اظہار کرتا کہ لوگ سمجھیں کہ مجھے تو صرف اولیاء اللہ ہی سے واسطہ ہے!

مذکورہ بالا ان تمام حرکات کے بعد جب میں گھر جاتا اور تنہائی میں اپنے کئے پر غور کرتا تو میرا نفسِ لوامہ مجھے سخت جھنجھوڑتا اور ایک ایک کرکے میری تمام تر کرتوتیں گنواتا!

آخر کار مجھے یقین ہو گیا کہ میں "ریاکاری" اور "دکھاوے" کا مریض ہو گیا ہوں! اگر میں نے اپنے علاج کی طرف توجہ نہ دی تو سخت نقصان اٹھاؤں گا۔

ایک رات جب کہ میں نے کچھ زیادہ ہی ریاکاری سے کام لیا جب گھر آیا تو میرے ضمیر نے مجھے خلاف معمول سرزنش کی۔ میں بہت شرمندہ ہوا۔ اور معافی کے لئے میں مظلوم کربلاؑ سے متوسل ہوا اور ان کے دلدوز واقعات کو یاد کرنے لگا۔ فطری طور پر مجھ پر بہت زیادہ گریہ طاری ہوا اور میں روتا رہا

سو گیا۔

خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میدانِ حشر ہے۔ میں ایک جگہ کھڑا ہوں اور ایک فرشتہ میرے اعمال ایک بوری میں ڈالے لا رہا ہے۔ بوری کافی وزنی معلوم دیتی ہے۔ کیونکہ فرشتہ اُسے بڑی مشقت سے اٹھا رہا ہے۔ فرشتے نے میرے اعمال کی بوری میزان کے پاس رکھ دی اور اس میں سے میری نمازوں کو نکالا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ فرشتے نے ایک چھوٹے سے سیب کی طرح کی کوئی چیز نکالی جو بڑی طرح سے گل سڑ گئی تھی اور اس پر کیڑے صاف نظر آ رہے تھے۔ فرشتے نے اسے ترازو پر رکھنے کے بجائے دور پھینک دیا۔

اس وقت مجھے حضرت امام جعفر صادق ؑ کی ایک حدیث یاد آئی۔ آپ نے فرمایا:

يُجَاءُ بِعَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَدْ صَلَّى فَيَقُولُ، يَا رَبِّ صَلَّيْتُ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ، فَيُقَالُ لَهُ، بَلْ صَلَّيْتَ لِيُقَالَ مَا أَحْسَنَ صَلَاةَ فُلَانٍ، اِذْهَبُوا بِهِ إِلَى النَّارِ۔

روزِ قیامت ایک نمازی آدمی کو لایا جائے گا، وہ عرض کرے گا پروردگارا میں نے تیری خوشنودی کے لئے نماز ادا کی! اس سے کہا جائے گا نہیں! تو نے تو اس لئے نماز پڑھی تھی کہ لوگ تجھے اچھا کہیں۔ لے جاؤ اس کو دوزخ میں پھینک دو!

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۲، صہ ۳۰۱)

اس کے بعد فرشتے نے روزے نکالے مگر بدقسمتی سے وہ بھی گل ہوئی ناشپاتی کی طرح نکلے جسے جا بجا کیڑوں نے کھایا ہو۔ فرشتہ ان کو بھی پھینکنا ہی چاہتا تھا کہ میں نے اس کی کلائی پکڑلی اور کہا "اس پردیس میں میری اجناس کو تم کیوں ضائع کر رہے ہو؟ یہاں میرے پاس یہی کچھ تو ہے جسے بیچ کر میں ضروریات پوری کرسکتا ہوں"۔

فرشتہ ، مگر یہاں یہ چیزیں قابلِ قبول نہیں ہیں!

میں نے کہا: یہاں کہاں!

فرشتہ : یہاں کے خریدار کے ہاں!

میں : خریدار کون ہے؟

فرشتہ : اللہ سبحانہٗ

میں : میں خود اللہ سبحانہٗ سے بات کر لیتا ہوں۔ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک دم کسی کی آواز آئی: "تم نے تمام اعمال میں میرے علاوہ کسی اور کو میرا شریک اور ساتھی بنایا۔ اب میں ایک اچھے ساتھی کی طرح اپنا حق بھی اُسے دیتا ہوں۔ تم یہ سب کچھ اسے ہی دے دو اور اس سے جزا لے لو!"

میں بلکنے لگا کہ اے مالک! جس کو میں نے تیرے ساتھ شریک کیا وہ بھی میری طرح محتاج و کنگال ہیں۔ وہ خود تیرے رحم و کرم کی طرف دیکھ رہے ہیں!

پھر آواز آئی۔ اسی لئے تو کہا تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا! پھر فرشتے کو حکم دیا گیا کہ بوری میں میرے جتنے اعمال ہیں ان کو کوڑے دان میں پھینک دے کہ یہ کسی کام کے نہیں ہیں۔

فرشتے نے فوراً میری بوری اٹھائی۔ ایک طرف کو گیا اور بوری الٹ کر اس میں سے سب کچھ گرا دیا اور خالی بوری میرے ہاتھ میں تھما دی!

میں چند لمحے کھڑا رہا اور بوری میں سے نکلنے والے پھلوں کو دیکھتا رہا۔ میں خود بھی اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ گلے سڑے پھل جنت میں لے جانے کے لائق نہیں تھے۔ اگر مجھے ان کو جنت میں لے جانے کی اجازت بھی مل جاتی تو شرمندگی کے سوا کیا ہاتھ آتا۔

میں نے عرض کیا۔ بارالٰہا! مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ صحیح و سالم اور تر و تازہ پھل لا سکوں! مگر ہر طرف ایک گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میں فریاد کر رہا تھا۔ مگر کوئی سننے والا نہ تھا۔ میں رو رہا تھا مگر کوئی تسلی دینے والا نہ تھا۔ اس کے بعد میں بیدار ہو گیا۔

چنانچہ اس رات سے لے کر اب تک جب کبھی ریاکاری کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے۔ میں اس خواب کو یاد کر لیتا ہوں۔ اس طرح بحمد للہ میں ریاکاری ترک کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اس کے بعد اللہ سبحانہٗ

کے فضل و کرم سے مجھے تنہائی میں عبادت کرنے کی وہ لذت آتی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔

ظلم و ستم

انہوں نے فرمایا:

اللہ سبحانہٗ کی مجھ پر ایک مہربانی یہ تھی کہ میں ذاتی طور پر کسی پر ظلم و ستم کرنے سے متنفر تھا۔ نہ میں خود کسی پر زیادتی کرتا اور نہ ظلم پیشہ لوگ مجھے اچھے لگتے۔ ظلم ایک کھلم کھلا برائی ہے۔ جس سے انسانی ضمیر بیزار ہے۔

قرآن مجید میں ظالموں پر لعنت کی گئی ہے اور ان کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے:

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۝

پس یہودیوں میں کئی پارٹیاں بن گئیں ان میں کی ظالم پارٹیوں کے لئے قیامت جیسے دردناک دن میں عذاب ہے۔

اگر کسی انسان میں جانوروں جیسی یہ صفت یعنی ظلم موجود ہو تو وہ اللہ سبحانہٗ اور اس کے خاص بندوں سے کوسوں دُور ہے اور اس کو ان کی محفل میں داخلے کی اجازت کبھی نہیں ملے گی۔ ایک دن ایک بڑے با اثر صاحب جو بدقسمتی سے حکومت کے ایک کلیدی افسر بھی تھے۔ میرے پاس اس طرح آئے جیسے ایک بیمار ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ وہ کہنے لگے: "مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں کیا کروں، جب کبھی مجھے کسی پر کسی قسم کا غلبہ حاصل ہوتا ہے میرا دل یہی چاہتا ہے کہ اس پر خوب خوب ظلم و ستم کروں۔" میں نے انہیں پند و نصائح کرنے شروع کئے۔ مگر وہ کہنے لگے۔ ظلم کی برائی اور اس کے بھیانک نتائج سے میں خوب سب سے زیادہ آگاہ ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اللہ سبحانہٗ کے ہاں ظالم سے بڑھ کر کوئی بُرا شخص نہیں اور ظلم سے سنگین کوئی برائی نہیں ہے۔ میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ کسی طرح اس موذی مرض سے پیچھا چھڑوا دیں۔ اور مجھے ہلاکت سے بچالیں!

میں نے انہیں کچھ ہدایات دیں اور واشگاف الفاظ میں انہیں بتا دیا کہ جب تک ظلم و ستم کرنے کی بُری عادت ان میں موجود ہے وہ اللہ سبحانہٗ سے دور اور شیطان اور اس کے چیلوں کے ہمرکاب ہیں۔ آپ

دیکھتے نہیں کہ اللہ سبحانہٗ اپنا تعارف "رحمان و رحیم" جیسی صفات سے کراتا ہے ۔ بلکہ اپنے آپ کو ارحم الرحمین کہلواتا ہے اور قرآن مجید کی ہر سورہ میں پہلی آیۂ مجیدہ اللہ سبحانہٗ کے اپنے اسمائے حسنیٰ پر مشتمل ہے۔ سورہ فاتحہ میں تو ان الفاظ کو دہرایا گیا ہے جسے ہر مسلمان ہر روز کم از کم دس مرتبہ ضرور پڑھتا ہے اور سورہ بقرہ کی آیۂ نمبر ۱۱۸ کے مطابق لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ یعنی میری طرف سے کوئی عہدہ ظالموں کو نہیں ملے گا۔ اللہ سبحانہٗ ظالموں کے ہاتھ میں ایک لمحہ بھر کے لئے بھی اقتدار و طاقت برداشت نہیں کرتا۔

وہ بولے، جناب والا! میں نے عرض کیا نا کہ یہ سب کچھ میں اچھی طرح جانتا ہوں، مجھے نصیحت کی نہیں علاج کی ضرورت ہے! آپ بار بار یہ آیات و روایات سنا کر میرے زخموں پر نمک تو نہیں چھڑکیں نا!

میں نے کہا، ممکن ہے آپ کو میری بات پسند نہ آئے۔ البتہ اگر آپ میری بات پر غور کرنے کا وعدہ کریں اگرچہ آپ کے مطابق لایعنی بات ہی کیوں نہ ہو تو کل صبح آٹھ بجے میں آپ کا انتظار کروں گا۔ اگر آپ آگئے تو ایک نسخہ لکھ دوں گا۔ وہ اگلے دن آنے کا وعدہ کرکے چلے گئے۔

اب آپ شاید سوچیں کہ اگر مجھے اس کا علاج معلوم تھا تو میں نے اسی دن ہی اس کو کیوں نہ بتلا دیا! جواباً عرض ہے کہ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں وہ نسخہ جو اس کے لئے اکسیر تھا یا جلد اُس میں تبدیلی پیدا کرسکتا تھا مجھے بالکل معلوم نہ تھا۔ میں نے تو اُسے اگلے دن کا وقت صرف اس لئے دیا تھا کہ میں آدھی رات کو بارگاہِ حکیم مطلق حضرت احدیت سبحانہٗ کی بارگاہ میں گڑگڑاؤں گا کہ وہ بہ تصدق ائمہ ہدیٰؑ اس شخص کے علاج کے لئے میری راہنمائی فرمائے!

بات دراصل یہ ہے کہ دوسرے آدمی کی دُعا جلد مستجاب ہو جاتی ہے۔ وہ شخص خود ظالم تھا اُس کی زبان اللہ سبحانہٗ کی گناہ گار تھی۔ اس نے اللہ کے بہت سے بندوں کو دکھ دیئے تھے اس لئے اللہ سبحانہٗ اُس کی زبان کی طرف کوئی توجہ نہیں فرماتا تھا اور اسی لئے اس کی دُعا مستجاب بھی نہیں ہو رہی تھی۔ میری زبان چونکہ اس کے حق میں بے گناہ تھی اس نے میری زبان سے گناہ نہیں کئے تھے اس لئے اس کے حق میں دعا قبول ہوگئی۔

اس رات میں نے مسجد میں خاص گریہ وزاری کی۔ اپنے چہرے کو بار بار زمین پر ملا اس کے لئے معافی کا خواستگار ہوا ساتھ ساتھ اس کی بیمار رُوح کے لئے شفار کا نسخہ بھی مانگے جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ پروگرام کے مطابق میں نے سبطِ اکبر حضرت امام حسن مجتبیٰ ؑ کا وسیلہ اختیار کیا۔ پس گویا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے،" اسے بتا دینا! فی الحال ہم نے اسے اس موذی مرض سے نجات دی۔ مگر یاد رکھنا کہ روحانی امراض انسانی عادات کی طرح ہوتی ہیں اگر دوبارہ معمولی سی غفلت بھی ہوئی یا کسی پہ تھوڑا سا بھی ظلم کیا تو پھر اسی مرض میں مبتلا ہو جاؤ گے! چنانچہ آج کے بعد جب کبھی تمہارا نفس امارہ یا تمہاری شیطنت تمہیں ظلم پر اکسائے تو فوراً اپنے آپ کو اس شخص کی جگہ سمجھنا اور تصور کرنا کہ تم خود کسی ظالم کے شکنجے میں آگئے ہو اور تمہارا پرسانِ حال کوئی نہیں، جس طرح حضرت امام صادق ؑ نے فرمایا:

اِيَّاكَ وَظُلْمَ مَنْ لَا يَجِدُ عَلَيْكَ نَاصِرًا اِلَّا اللهُ.

اس شخص پر ظلم کرنے سے ڈرو جس کا مددگار سوائے اللہ سبحانہٗ کے اور کوئی نہ ہو۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۵، صہ ۳۸)

جو سلوک تم خود اپنے ساتھ پسند نہیں کرتے کسی کے لئے بھی روا نہ رکھو۔ کبھی گھر پر ایک آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے آپ کی توہین کرو اور بے عزتی کا مزہ چکھو!"

اے ظالم! سوچ کہ ہر فہم و ادراک والا جاندار تیری طرح ہے! جس طرح تم کسی دباؤ کا شکار ہو کر پریشان ہوتے ہو۔ کتنی ذہنی کوفت ہوتی ہے۔ قید اور تنگی کتنی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اسی طرح اور انسان بھی اسی کیفیت میں مبتلا ہوتے ہیں، ان پر بھی دباؤ پڑتا ہے۔ وہ بھی پریشان ہوتے ہیں! لہٰذا تمہارے ہاتھ سے جانوروں تک کو بھی کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیئے!

تمہیں کونسا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے کہ تمہارے آرام و آسائش کے لئے سینکڑوں جاندار قربان کئے جائیں۔ تمہیں کیا برتری حاصل ہے کہ اگر تمہارے بیڈ روم میں مکھی یا مچھر پیدا ہو جائیں تو کیڑے مار دوائیاں چھڑک کر ان کا قلع قمع کر دیا جائے! تمہیں کیا فضیلت حاصل ہے کہ کائنات میں اللہ سبحانہٗ کی پیدا کردہ ہر چیز تمہاری فلاح و بہبود کے لئے وقف ہو!

کیا صرف اس لئے نہیں کہ جس طرح اللہ سُبحانہٗ رحیم وکریم ہے تم بھی دوسروں پر رحم کرو؟!

کیا صرف اس لئے نہیں کہ جس طرح اللہ سُبحانہٗ کسی پر ظلم نہیں کرتا تم بھی کسی پر ظلم نہ کرو؟!

تمہیں تو اللہ سُبحانہٗ کی صفاتِ کمال کا مظہر ہونا چاہیے۔ کیونکہ تمہیں اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ تم اگر تھوڑا سا بھی ظالم وجابر بنے تو پھر اللہ سُبحانہٗ اور انسان سے تمہارا ناطہ ٹوٹ جائے گا اور تم کوسوں دور جانوروں سے بھی کہیں نیچے پستی میں گر جاؤگے۔

اگلے دن جب وہ صاحب آئے تو مذکورہ بالا باتیں بطور نسخہ انہیں بتلا دی گئیں۔ وہ بہت متاثر ہوئے اور چند دنوں میں ہی ان میں ایک انقلاب سا آگیا۔ انہوں نے ظلم وجبر کی عادت کو بطورِ کلی ترک کر دیا اور اس قدر رحم دل ہو گئے کہ کسی مکھی اور مچھر تک کو بھی مارنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔

صحیح ہے کہ حیوانی عادت ترک کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ پہلے انسان خود خطرات کو سمجھے پھر نقصانات کا ادراک کرے۔ پھر جس طرح ہو اس گھٹیا عادت کو چھوڑ دے علی الخصوص اپنے آپ کو اہلِ بیت علیہم السلام سے متوسل کرے۔ آپ نے مذکورہ بالا واقعہ سے اندازہ لگایا کہ کس طرح اس شخص نے اپنی روح کو اس موذی مرض سے شفا دلوائی!

انہوں نے فرمایا:

میرے ایک اُستاد تھے۔ انہوں نے مجھے ایک عمل بتایا اور تاکید کی چالیس دن تک وہ عمل کئے بغیر میں گھر سے باہر قدم نہ رکھوں۔ بہرحال میں چالیس دن برابر وہ عمل کرتا رہا۔ آپ یہ نہ سوچیں کہ وہ کوئی غیر شرعی عمل یا شیطانی ریاضت تھی یا ائمہ معصومینؑ کے حوالے کے بغیر تھا بلکہ اگر میں آپ سے بعد والے واقعات مخفی رکھنا نہ چاہتا تو وہ عمل ضرور بتلا دیتا کہ کتنا عام سا عمل تھا۔

بہرحال استادِ محترم کے حکم کے مطابق پونے بیس دن میں وہ عمل بجا لاتا رہا۔ اکیسویں دن

مجھے ایسی افتاد پڑی کہ وہ عمل نامکمل چھوڑ کر مجھے گھر سے باہر جانا پڑا۔ جب میں گھر سے باہر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہمارے گھر کے سامنے والی سڑک جنگلی اور پالتو جانوروں سے بھری پڑی ہے۔ پہلے تو میں حیران ہوا کہ حکومت نے ان جانوروں کو ادھر آنے کیوں دیا ہے مگر فوراً ہی مجھے استاد محترم کی وہ بات یاد آگئی جو انہوں نے مجھے یہ عمل بتاتے ہوئے فرمائی تھی کہ شاید اس عمل کے بعد تمہاری برزخی آنکھیں روشن ہو جائیں اور لوگوں کو ان کی اصلی حالت میں دیکھنے لگو! میں سمجھ گیا کہ یہ اسی عمل کا نتیجہ ہے! یہاں ضمنی طور پر ایک اور واقعہ بھی بتاتا چلوں۔ کچھ عرصہ پہلے ایک پرانے دوست نے بتایا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ وہ حضرت امام رضاؑ کے روضۂ اقدس میں ہے جہاں چند لوگ تو انسانی صورت کے ہیں جبکہ باقی جانوروں کے چہرے والے ہیں۔

بہرحال میں چند قدم آگے بڑھا کہ جنگلی سور کی شکل و صورت کا ایک جانور میری طرف آیا اور میری احوال پرسی کرنے لگا۔ میں نے اس سے کہا، بھئی تمہارے کیا ارادے ہیں اور میں تمہیں اس شکل میں کیوں دیکھ رہا ہوں؟!

وہ بولا، ایک شخص جو مالدار تو بڑا ہے مگر عقل کا کورا ہے وہ ایک ایسا مال خریدنا چاہتا ہے جو ساری منڈی میں سوائے میرے کسی کے پاس نہیں اور میں نے اس مال کو کئی مہینوں سے ذخیرہ کر رکھا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے مال خریدے تاکہ میں اس سے کئی گنا قیمت وصول کر کے اس نادر موقع سے فائدہ اٹھاؤں!

میں نے اس سے کہا، نہ ایسا نہ کرو کیونکہ یہ ظلم ہے اور اللہ سبحانہٗ ظالموں کو نہیں بخشتا! اگر تجھے پتا چل جائے کہ تیری شکل کیسی ہے تو کبھی یہ کام نہ کرے!

تعجب کی بات یہ تھی کہ اُسے پتا تھا کہ اس کی شکل کیسی ہے!

میں نے پوچھا بتاؤ تو اس وقت تمہاری شکل کیسی ہے؟!

وہ فوراً بولا، میں ایک جنگلی سور کی شکل کا ہوں جو گندگی، غلاظت اور حرام کھانے اور دوسروں پہ ظلم و زیادتی کرنے سے لطف اندوز ہوتا ہے!

میں نے کہا، او قلاش آدمی! کیا تجھے موت یاد نہیں؟! کیا تو نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد اللہ سبحانہٗ تیری مدد کرے، تیری فریاد رسی کرے اور تیرے حال پر مہربانی فرمائے؟!

کیا تم نے سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر ۵۷ نہیں پڑھی؟

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ. یعنی اللہ ظالموں سے نفرت کرتا ہے۔

کیا تم نے سورہ انعام کی آیت نمبر ۲۱ نہیں پڑھی؟

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ. یعنی ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

کیا تم نے سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۲۲ نہیں پڑھی؟

اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. یعنی ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

کیا تم نے سورہ فاطر کی آیت نمبر ۳۷ نہیں پڑھی؟

فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ. یعنی ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

جب میں نے پے در پے کئی آیات حمیدات سنائیں تو وہ کافی متاثر ہوا۔ سر جھکا لیا اور میں نے دیکھا کہ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اپنے کئے پر سخت شرمندہ ہوا۔ گویا کہ ان آنسوؤں نے اس کی ظلم پسندی کو دھو ڈالا تھا۔ اچانک وہ اصل شکل یعنی انسانی شکل میں لوٹ آیا۔

"منافقت" اور "دورنگی"

انہوں نے فرمایا:

میرے ایک دوست کافی عرصہ سے "دمے" اور "دردِ سینہ" جیسے موذی مرض میں مبتلا تھے۔ تمام ماہر اطباء اور ڈاکٹروں سے مشورہ کر چکے تھے اور ہر ایک کا نسخہ بارہا آزما چکے تھے مگر مرض پیچھا ہی نہیں چھوڑتا تھا۔

ایک دن ایک درویش منش صاحب نے ان سے کہا کہ اگر "دردِ سینہ" سے شفاء پانا چاہتے ہو تو مندرجہ ذیل آیتِ مجیدہ کی تلاوت کیا کرو کیونکہ اللہ سبحانہ کا حکم ہے کہ:

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

لوگو! تمہارے پالنے والے کی طرف سے وہ نصیحت آئی ہے جس میں سینے کے امراض کی شفاء اور مومن لوگوں کے لئے ہدایت و رحمت موجود ہے۔

(سورہ یونس آیت نمبر ۵)

میں نے اپنے دوست سے کہا کہ روایات میں بھی یہی آیا ہے کہ قرآن مجید شفاء دہندہ ہے جیسا کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور حضرت امام علی نقیؑ سے روایت ہے۔

فِي الْقُرْاٰنِ شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ، وَاسْتَشْفُوْا بِالْقُرْاٰنِ فَمَنْ لَّمْ يَشْفِهِ الْقُرْاٰنُ فَلَا شِفَاءَ لَهٗ ۔

قرآن مجید میں ہر مرض کی دوا موجود ہے پس قرآنی علاج کرو۔ اگر کسی کو قرآن مجید کے تجویز کردہ نسخے سے شفا نہ ملے تو پھر اس کو شفا نہیں مل سکتی۔

بحارالانوار جلد ۳۲ ص ۲۰۲

اگر آپ دردِ سینہ سے نجات چاہتے ہیں تو قرآن مجید کی تلاوت کریں۔ ایمان پیدا کریں کہ یہ اللہ سبحانہٗ کا کلام ہے۔ اس کے احکامات پر عمل کریں اور یہ یقین رکھیں کہ ہر مرض کی شفاء اللہ سبحانہٗ کے ہاتھ میں ہے۔ یہی قرآن مجید بقولِ حضرت ابراھیمؑ ارشاد فرماتا ہے،

فَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝

جب کبھی میں بیمار پڑتا ہوں اللہ سبحانہٗ ہی مجھے شفا دیتا ہے۔

(سورہ شعراء آیت نمبر ۹)

ایک اور آیت مجیدہ میں بھی ارشاد ہوتا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا

ہم نے جو کچھ قرآن مجید کے عنوان سے نازل کیا ہے اس میں مومن بندوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے لئے روز افزوں نقصان۔

خَسَارًا ○

(سورہ اسرآ، آیت ۸۲)

پس اگر آپ چاہتے ہیں کہ قرآن مجید آپ کے جسم کا علاج کرے آپ پہلے اس کے ذریعہ اپنی روحانی امراض کو دور کریں پھر اس کی تلاوت کے ذریعہ جسمانی امراض بھی جاتی رہیں گی۔

چونکہ وہ اپنی اس مرض سے کافی پریشان تھے۔ اس لیے انہوں نے جلدی ہی یہ بات مان لی کہ وہ چند دن میری نگرانی میں رہیں گے اور اخلاقِ رذیلہ کو ترک کر دیں گے۔

ان میں نمایاں طور پر ایک بری عادت تھی جس کو روحانی زبان میں "دو رنگی" یا "دو روئی" کہتے ہیں چنانچہ سب سے پہلے اس کو زائل کرنا مقصود تھا اور اس کے لئے میں نے قرآن مجید سے ان آیات کا انتخاب کیا جو 'دو رنگی' کی شدید مذمت کرتی ہیں۔ میں نے مندرجہ ذیل آیات انہیں سنائیں:

اَلْمُنَافِقُوْنَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ○ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ○

(سورہ توبہ آیت نمبر ۶۷۔ ۶۸)

منافق مرد اور خواتین ایک ہی سنخ سے تعلق رکھتے ہیں یہ ہمیشہ منفی اور تخریبی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ پرلے درجے کے بخیل واقع ہوئے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ اور اس کے احکامات کو پسِ پشت ڈالے رہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ سبحانہٗ بھی ان کی پرواہ نہیں کرتا بیشک یہ منافق لوگ سخت نافرمان ہیں۔ اللہ سبحانہٗ نے ان کے لئے اور کافروں کے لئے جہنم کی آگ جلا رکھی ہے۔ جس میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ ان کی نافرمانی کا خوب بدلہ چکائے گی۔ اللہ سبحانہٗ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور ہمیشہ عذاب ہی ان پر مسلط رہے گا۔

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ
إِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ
لَرَسُولُهُ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ
الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ۝ اِتَّخَذُوا
أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ
سَبِيلِ اللّٰهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ
آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ
عَلٰى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا
يَفْقَهُونَ ۝ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ
تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا
تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ
مُسَنَّدَةٌ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ
عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ
قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ۝
وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ
رَسُولُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَ
رَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ۝
سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ
أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ
لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

(اے حبیبؐ) جب 'دو رو' لوگ آپ کے پاس آتے ہیں۔ کہتے ہیں: "ہم گواہ ہیں کہ آپ اللہ سبحانہٗ کے پیغمبر ہیں" آپ تو ہیں ہی اس کے رسول، مگر ان کے بارے میں خود اللہ سُبحانہٗ گواہ ہے کہ یہ "دو رو" (منافق) جھوٹے ہیں۔ انہوں نے زبانی اسلام کو اپنے لئے ڈھال اور پردہ بنا رکھا اور اندر ہی اندر اسلام کی ترقی و تعمیر میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں کس قدر بُرے کام میں مصروف ہیں! دراصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان تو لے آئے تھے مگر بعد میں مُنکر ہو گئے۔ اللہ سبحانہٗ نے بھی ان کی توفیقات کو منجمد کر دیا چنانچہ یہ سمجھ ہی نہیں پا رہے کہ برا کر رہے ہیں۔ دیکھنے میں یہ بڑے ٹھیک ٹھاک انسان معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جب بات کرتے ہیں تو اس خشک لکڑی کی مانند ہوتے ہیں جس سے مزید کسی برگ و بار کی امید نہیں کی جا سکتی۔ آپ کے ہر چھوٹے سے اقدام کو بھی یہ اپنی مخالفت گردانتے ہیں، یہ ہیں ہی دشمن ان سے بچ کر رہیئے! خدا ان کو غارت کرے کہاں بھٹکے چلے جا رہے ہیں؟! جب کبھی ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ پیغمبر اکرمؐ تمہاری بخشش کا سامان کریں

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(سورہ منافقون آیت نمبر ۷، ۸)

یہ بڑے تکبر سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ (اے حبیب) آپ ان کی سفارش کریں بھی تو اللہ ان کو کبھی نہیں بخشے گا۔ کیونکہ وہ نافرمانوں کو کبھی ہدایت نہیں کرتا۔ یہ وہی تو ہیں جو کہتے پھرتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھیوں کو کچھ نہ دو تاکہ یہ تتر بتر ہو جائیں حالانکہ زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک اللہ ہی تو ہے مگر منافق یہ بات کہاں سمجھتے ہیں یا یہ کہتے ہیں کہ ہمیں پلٹ کر مدینے جا لینے دو دیکھنا معزز شہری ان (مومنین) کو کیسے ذلیل کر کے مدینے سے نکالتے ہیں حالانکہ درحقیقت معزز تو اللہ سبحانہ ہے یا پھر اس کا رسولؐ اور مومنین مگر منافقین ان حقائق سے بے خبر ہیں۔

۳۔ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ .... وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝

(سورہ النساء آیت نمبر ۱۳۸ تا ۱۴۵)

ترجمہ: (اے حبیب) "دو رو" منافق لوگوں کو مرنے کے بعد سخت عذاب کی وعید سنا دو۔ یہ لوگ مومنین کو چھوڑ کر کفار کی قیادت قبول کرتے ہیں ان کے ہاں عزت و غلبہ ڈھونڈتے ہیں۔ حالانکہ ہر طرح کی عزت اور غلبہ اللہ سبحانہٗ کے ہاں ہے۔ (اے مسلمانو!) اللہ سبحانہ نے کتنی بار تمہیں یہ حکم سنایا ہے کہ جہاں کہیں اللہ کے احکامات کی تکذیب کی جا رہی ہو یا مذاق اڑایا جا رہا ہو تو وہاں مت بیٹھا کرو۔ اس طرح تم بھی انہیں میں شمار ہونے لگتے ہو اور منافق و کفار کا ٹھکانہ جہنم ہے جبکہ تمہارا مسکن جنت ہے) یہ وہی تو ہیں جو ہمیشہ تمہاری ٹوہ میں رہتے ہیں۔ اگر اللہ سبحانہ تمہیں کامران کرے تو (مال غنیمت میں حصہ پانے کیلئے) بکتے ہیں ہم بھی تو تمہارے شانہ بشانہ لڑے ہیں (اس لئے ہمیں بھی

حصہ دو اور اگر کافر غالب رہیں تو ان سے یہ کہہ کر حصہ بٹورتے ہیں کہ مسلمانوں سے تمہیں ہمیں نے بچایا ہے۔ ورنہ تم پٹ گئے تھے۔ ان تمام اختلافات اور دروغ بیانیوں کا فیصلہ روزِ قیامت ہوگا۔ (یہ بات اٹل ہے) کہ اللہ سُبحانہٗ کافروں کو مسلمانوں پر کبھی غالب نہیں ہونے دے گا۔ منافق کھلے بندوں اللہ سُبحانہٗ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر وہ ان کے دھوکے کو انہی کی طرف پلٹا دے گا۔ (حالت ان کی یہ ہے کہ) جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بادلِ نخواستہ صرف دکھاوے کے لئے اور کبھی کبھار کے سوا یہ اللہ سُبحانہٗ کا ذکر کرتے ہی نہیں!

ایمان و کفر کے درمیان یہ سخت متذبذب ہیں نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے۔ (سچ ہے) جس کی توفیقات اللہ سُبحانہٗ منجمد کر دے اس کی اصلاح کا کوئی راستہ نہیں ہوا کرتا۔ (مسلمانو!) مومنین کو چھوڑ کر کفار کی سرپرستی کبھی قبول نہ کرنا ورنہ اللہ سُبحانہٗ کے پاس تمہاری بخشش کا جواز نہیں رہے گا۔ بلاشک منافق جہنم کے پست ترین اور گرم ترین حصے میں ہوں گے اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا

۴۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ . . . . عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ

(سورۃ البقرہ آیت نمبر ۷ تا آیت نمبر ۲۰)

ترجمہ: لوگوں میں سے کچھ افراد ایسے ہیں کہ (منہ سے) دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ سُبحانہٗ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ دل سے ایمان نہیں لائے ہوتے۔ اپنے تئیں وہ اللہ سُبحانہٗ اور مسلمانوں کو جُل دیتے ہیں حالانکہ وہ اپنے آپ کو جُل دے رہے ہوتے ہیں۔ مگر اس حقیقت کو سمجھ نہیں پاتے۔ دراصل وہ نفسیاتی مریض ہیں اور اللہ سُبحانہٗ ان کی کذب بیانی کی وجہ سے ان کو شفا سے محروم رکھتا ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ دیکھو دنیا میں دنگا فساد نہ کرو کہتے یہ ہیں کہ ہم تو امن و سکون بحال کرنے والے ہیں۔ اے مسلمانو! خبردار رہو! یہی فسادی لوگ ہیں مگر اعتراف نہیں کرتے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ دل سے حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاؤ جیسا کہ اکثر مسلمان ہو گئے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی سٹھیائے ہوئے لوگوں کی طرح ایمان لے آئیں۔ اے مسلمانو! خبردار رہو! یہی سٹھیائے ہوئے ہیں۔ ان کو سٹھیانے کا مفہوم پتا ہی نہیں!

جب یہ مسلمانوں کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں بھئی اب ہم صدق دل سے ایمان لے آئے ہیں مگر جونہی یہ اپنے نظریاتی بھائی بندوں کے پاس جاتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں کو اُلّو بنا رہے تھے ہم تو اندر سے تمہارے ہی ساتھ ہیں۔ اللہ سبحانہٗ ان کو "اُلّو بنانے" کی خوب سزا دے گا۔ اور یہ اپنی اکڑ فوں ہی میں سرگرداں رہیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت دے کر گمراہی خریدی اور یہ (گھاٹے کی) تجارت اُن کے کسی کام نہ آئی اور نہ ہی ان کو منزل ملی۔ ان کی مثال بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص بصد مشکل آگ روشن کرے جب اس آگ کی روشنی سے گرد و پیش روشن ہو جائے تو ایک دم اللہ سبحانہٗ اس روشنی کو اُچک لے اور وہ تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہے۔ بہرے گونگے اور اندھوں کی طرح ادھر اُدھر بھٹکتا رہے یا وہ شخص جو گھنگھور گھٹا سے چمکنے اور گرجنے والی بجلی سے خائف ہو اور موت کے ڈر سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لے حالانکہ اللہ سبحانہ اس صورت میں بھی اس پر حاوی ہی رہتا ہے۔ بجلی کی شدتِ چمک اتنی ہو کہ اس کی آنکھیں چندھیائی جا رہی ہوں۔ جب بجلی چمکے تو وہ دو چار قدم چل لے جب تاریکی چھا جائے تو وہ رُک جائے۔ اگر اللہ سبحانہٗ چاہے تو اس کے کان اور آنکھیں بیکار کر دے کیوں کہ وہ سب کچھ کرنے کی پوری طاقت رکھتا ہے۔

۵۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ .... كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

(سورہ احزاب آیت نمبر ۲۲ تا ۲۴)

ترجمہ: مومن مسلمانوں میں کے بعض افراد مردانِ آہن ہیں۔ اللہ سبحانہٗ سے جو وعدہ کر لیتے ہیں پورا کر دکھاتے ہیں۔ ان میں کے کچھ تو اپنا وعدہ پورا کر کے چل بسے اور کچھ ابھی انتظار میں ہیں البتہ ان کے پائے استقلال میں ذرا سی بھی لغزش پیدا نہیں ہوتی۔ بیشک اللہ سبحانہٗ ان سچے مسلمانوں کو بہترین جزا دے گا اور منافقین اور دو رنگے لوگوں کو عذاب سے دوچار کرے گا اگر چاہے گا ورنہ ان کی توبہ قبول کر لے گا کیونکہ بہرحال وہ بڑا بخشنے والا ہے۔

میں نے محولہ بالا آیات پڑھ کر سنائیں چوں کہ وہ عربی داں تھے اور آیات کے معانی کو سمجھ رہے تھے۔ لہٰذا شدتِ تاثر سے وہ رونے لگے بلکہ جہاں کہیں شدید عذاب کا ذکر ہوتا وہ دھاڑیں مارنے

لگتے اور کبھی تو یوں محسوس ہوتا کہ وہ اللہ سبحانہٗ کی رحمت سے مایوس ہو رہے ہیں مگر جونہی میں نے آخری "آیت پڑھی جس کا انتخاب میں نے سورہ احزاب سے کیا تھا اور میں نے جان بوجھ کر اس کو دو تین بار دھرایا اور "اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا" والے جملے کو مزید ٹھہراؤ کے ساتھ پڑھا میں نے صاف دیکھا کہ ان کے چہرے پر اُمید کی کرن پیدا ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے آنسو پونچھے منہ اوپر اُٹھایا اور نگاہیں میرے چہرے پر گاڑتے ہوئے کہا، "یہ آپ قرآن مجید پڑھ رہے تھے؟ میں نے اطمینان سے جواب دیتے ہوئے کہا تو کیا میرے علاوہ یہاں کوئی اور بھی ہے جو پڑھتا؟ انہوں نے کہا کہ نہیں کلام تو اللہ سُبحانہٗ کا تھا اور آپ اس درخت کی طرح تھے جس کے ذریعے اللہ سُبحانہٗ حضرت موسیٰؑ سے باتیں کیا کرتا تھا۔ میں زیادہ واضح کر کے اپنی بات کروں اگر آپ نے یہ آیتیں اپنی مرضی و اختیار سے پڑھی تھیں تو پھر ان کی ترتیب و تدوین کیوں برقرار نہ رکھی؟! جب آپ نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کی میں اُسی وقت ایک بے خودی کی کیفیت میں چلا گیا تھا نہ مجھے آپ نظر آ رہے تھے نہ میں خود کو دیکھ رہا تھا نہ یہ گرد و پیش، مجھے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا صرف مجھے یوں لگ رہا تھا کہ میری دو رنگ اور منافق روح اللہ سُبحانہٗ کی بارگاہ میں سر جھکائے کھڑی ہے اور اللہ سُبحانہٗ اس سے مخاطب ہے۔ جب آپ نے سورہ بقرہ کی آیات پڑھیں میں نے محسوس کیا کہ یہ تمام باتیں مجھ پر منطبق ہوتی ہیں۔ قریب تھا کہ میں شرمندگی اور مایوسی سے مغلوب ہو کر ایک چیخ ماروں اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فنا ہو جاؤں کہ آپ نے سورہ احزاب کی امید افزا آیت پڑھ ڈالی۔ مجھے امید کی کرن نظر آئی میں جان گیا منافقین کی توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے اور اللہ سُبحانہٗ اپنے تمام ترغیض و غضب کے باوصف ان کے لئے غفور و رحیم بھی ہو سکتا ہے۔

وہ سچ کہہ رہے تھے میں نے کسی پیش بندی کے مطابق آیات کا انتخاب نہیں کیا بلکہ چونکہ یہ آیات مجھے حفظ تھیں لہٰذا میں نے پڑھنی شروع کر دیں۔ چنانچہ میں نے سورہ توبہ کی چند آیتیں پڑھیں۔ اگر میں پہلے سے سوچ کر پڑھتا تو ترتیب، تدوین کے لحاظ سے پہلے سورہ بقرہ پڑھتا البتہ میں شروع میں زیادہ سخت آیات پڑھنا چاہتا تھا اس لئے پہلے سورہ توبہ پڑھی پھر سورہ منافقون میری زبان پر آ گئی کہ اس میں نسبتاً نرم لہجہ ہے مگر منافقین کو اس میں بھی سخت تنبیہ کی گئی ہے بلکہ بادی النظر میں رحمتِ خدا سے مایوسی ہونے لگتی ہے۔ اسی

کے بعد بے اختیار میری زبان پر سورہ نساء کی آیتیں آگئیں جن میں دوبارہ منافقین کی مذمت کی گئی ہے اور عذابِ شدید کی وعید سنائی گئی ہے۔ پھر سورہ بقرہ کی آیات میری زبان پر آگئیں۔ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں کہ ان آیات کی یہ ترتیب جس سے میں نے قرأت کی بالکل بے اختیاری کے عالم میں تھی۔ جب میں نے سورہ بقرہ کی آیات ختم کیں تو میرے دوست کی ہچکی بندھ گئی تھی اور وہ تقریباً رحمت خدا سے مایوس ہو چلے تھے کیونکہ آیات میں مذکورہ منافقین کی عادات بالکل ان کی عادات پر منطبق ہو رہی تھیں۔ اور وہ زیادہ پریشان ہو رہے تھے۔ سورہ احزاب کی آیات جب پڑھی گئیں جن میں امید کی کرن موجود تھی وہ خوش ہو گئے اور ان کا چہرہ امیدِ نجات سے تمتما اٹھا۔ بہرحال جب ان کی بات ختم ہوئی تو میں نے ان سے کہا کہ ایک اور بات بتاؤں جو زیادہ امید افزا ہے۔ انہوں نے اپنی توجہ ظاہر کی میں نے کہا سورہ نساء کی اس آیت :

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝

ترجمہ : یعنی منافقین جہنم کے پست ترین درجے میں ہوں گے جہاں ان کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا"
کے بعد یہ آیت حمیدہ ہے :

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا .... اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ : البتہ جو توبہ کریں، اپنی اصلاح کریں۔ اللہ سبحانہ کی ہدایات سے وابستہ ہو جائیں اور ان پر مخلصانہ عمل کریں یہ لوگ مومنین کے ساتھ جزا پائیں گے اور مومن کو بڑی اعلیٰ جزا دی جائے گی۔ انہوں نے اعتراض کیا کہ اسی وقت یہ آیتیں کیوں نہ پڑھیں ؟! میں نے کہا سارا معاملہ اسی نکتے میں مضمر ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ پڑھوں مگر یہ آیت مجھے یاد ہی نہیں آرہی تھی شاید اس وقت آپ کا دل سو فیصد آیات سے ہدایات لینے کے لئے آمادہ نہیں ہوا تھا۔ اب مجھے یہ آیت یاد آگئی ہے اور آپ نے خود محسوس کیا ہوگا کہ اللہ سبحانہ نے کتنی مہربانی اور کشادہ روئی کے ساتھ اپنے بندوں کی نجات کا اہتمام فرمایا ہے اور ان کو اپنے دین پر ثابت قدم رہنے اور مخلص بننے کی دعوت دی ہے۔

انہوں نے پھر رونا شروع کر دیا۔ مگر اب کا گریہ، گریۂ خوشی نہیں تھا بلکہ گریۂ شوق و قربت تھا۔ انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ حضرت شہید کربلاء کے وسیلے اور دین مقدس کے احکامات کے مطابق ریاضت

و محنت سے اس بُری عادت سے چھٹکارا حاصل کریں گے اور اللہ سُبحانہٗ کے فضل وکرم سے وہ اس ارادے میں کامیاب بھی رہے اور چند ہی دنوں میں انہوں نے اپنی رُوح کو بُری عادت سے بالکل پاک اور مبرہ کر لیا تھا۔ قرآنِ مجید میں علی الخصوص سورہ فاتحہ کی بہت زیادہ تلاوت کرنے لگے تھے۔ اور آخر کار ان کی سانس اور سینہ کی تکلیف مکمل طور پر صحت یاب ہوگئی۔

بداخلاقی

انہوں نے فرمایا:

مشہد مقدس میں سخت جاڑوں کی بات ہے کہ میں علی الصبح حضرت امام رضاؑ کے روضہ مبارک کا دروازہ کھلنے سے پہلے وہاں جا پہنچا تھا تاکہ سب سے پہلے اس مقدس حرم میں داخل ہونے والوں میں شامل ہوسکوں مگر میری تمام تر کوشش کے باوجود اکثر ایک اور بزرگ کبھی مجھ سے پہلے وہاں موجود ہوتے اور کبھی میرے ساتھ ہی اندر جاتے۔ اندر داخل ہونے کے بعد وہ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر فوراً مشغولِ نماز ہو جاتے۔ ان دنوں میری بڑی خواہش رہتی کہ کاش میں ان کا ساتھی بن سکوں! میرے مشاہدے کے مطابق وہ اللہ سُبحانہٗ کے خاص الخاص بندوں میں سے تھے۔ کیونکہ ان کی عبادت، کیفیتِ عبادت اور محویتِ عبادت سب کچھ غیر معمولی تھا۔ وہ لمحہ بھر کے لئے بھی عبادت سے فارغ نہیں رہتے تھے۔ حتیٰ کہ مجھے احوال پُرسی تک کا موقع نہیں دیتے تھے۔ ایک سحر کا واقعہ ہے کہ وہ حسبِ معمول نماز میں مصروف تھے کہ ایک زائر آیا اور اپنے خیال میں زیارت پڑھنے میں مصروف ہوگیا۔ وہ زیارت پڑھنے میں اتنا مصروف تھا کہ اس کا پاؤں اس بزرگ کی جائے نماز پر آگیا مگر اسے محسوس نہ ہوا۔ انہوں نے نماز ہی میں ہاتھ کے اشارے سے اور کبھی اپنے کلمات کی غیر معمولی ادائیگی سے اُسے متوجہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ زیارت پڑھنے میں مگن رہا۔ نماز ختم کرنے کے بعد انہوں نے عجیب حد تک سخت اور حقارت آمیز لہجے میں اس سے کہا، "او حرام زادے! میری جائے نماز سے اپنا پاؤں پیچھے کر!

اس موقع پر مجھے یقین ہو گیا کہ اگر انسان اپنی تربیت نہ کرے۔ اخلاقِ حسنہ اختیار نہ کرے۔ اللہ سُبحانہٗ کی معرفت نہ رکھے اور اپنے آپ کو اللہ سُبحانہٗ کے اخلاقیات سے آراستہ نہ کرے تو کثرتِ عبادت بھی اسے کسی درجے پر پہنچانے سے قاصر رہتی ہے۔ اس موقع پر مجھے مندرجہ ذیل حدیث یاد آگئی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ؐ : سُوْءُ الْخُلْقِ زِمَامٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰہِ فِیْ اَنْفِ صَاحِبِہٖ وَالزِّمَامُ بِیَدِ الشَّیْطَانِ وَالشَّیْطَانُ یَجُرُّہٗ اِلَی الشَّرِّ وَالشَّرُّ یَجُرُّہٗ اِلَی النَّارِ ۔

(جامع الاخبار فصل ۶۲)

حضرت رسول اکرم ؐ نے فرمایا: بداخلاقی، اللہ سُبحانہٗ کی طرف سے عذاب کی نکیل ہے۔ جو بداخلاق آدمی کی ناک میں لگی ہوتی ہے۔ شیطان اس نکیل کے ذریعے اس آدمی کو فتنہ و فساد کی طرف موڑتا چلا جاتا ہے جس سے انسان مستوجبِ عذاب ہو جاتا ہے۔

ناشکری

انہوں نے فرمایا،

میرے ایک عزیز دوست تھے۔ ہماری دوستی برسوں پر محیط تھی۔ وہ بہت نظریاتی زیرک عابد و زاہد اور پاک طینت انسان تھے۔ میرے خیال میں ان کے ظلمانی پردے اُٹھائے جانے کے لئے تمام شرائط موجود تھیں مگر اُن کے ظلمانی پردے اب بھی برقرار تھے اور اسرارِ الٰہیہ میں کی کوئی حقیقت ان کے دائرۂ کشف میں نہیں آتی تھی۔ میں نے اور خود انہوں نے اس کی وجہ معلوم کرنے کی بہت کوشش کی۔ چند دن کے لئے میں نے خاص طور پر۔ خاصی مغز ماری کی آخر کار میں تہ تک پہنچ گیا۔ پتا یہ چلا کہ موصوف نہ صرف یہ کہ ایک انسانی صفت سے محروم ہیں بلکہ ایک حیوانی صفت بھی رکھتے ہیں! اب آپ بھی مشتاق ہوں گے کہ جلد پتا چلے کہ وہ گھٹیا صفت کونسی ہے جو انسان کو کمالات سے محروم رکھتی ہے اور ظلمانی پردے چاک نہیں ہونے دیتی!

ٹھیک ہے، میں ابھی آپ کو بتائے دیتا ہوں۔ مگر پہلے میں ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا اور آپ سے گزارش ہے کہ اسے ذہن ہی میں رکھئے گا۔

ایک انسان میں تین قسم کی رُوحانی صفات ہو سکتی ہیں :

۱۔ صفاتِ حسنہ یہ جتنی اونچے درجے کی ہوں گی اتنی ہی اونچی انسانیت اس میں تصوّر کی جائیگی۔

۲۔ حیوانی گھٹیا صفات یہ تو سوئی کے نکے کے برابر بھی نہیں ہونی چاہیں وگرنہ یہ بجائے خود ایک دبیز پردہ ہوگا جو اس کو نیکی کیطرف دیکھنے کے تمام مواقع ختم کر دے گا۔ ان میں کی چند ایک یہ ہیں : حُبِّ دُنیا (دنیا پرستی) بخل، دھوکہ بازی، جھوٹ اور حسد وغیرہ۔

۳۔ حیوانی فطری صفات بشرطیکہ عقل کی نگرانی میں فعالیت کریں مثلاً جنسی خواہش جو نسلی بقا کیلئے ازبس ضروری ہے یا کھانے پینے کی خواہش جو بدنی زندگی کے لئے لازمی ہے

خوب سمجھ لو کہ حیوانی گھٹیا صفت گرچہ ایک بھی تم میں ہو تو بس یہی وہ موٹا پردہ ہے جو تمہارے اور معنوی حقائق کے درمیان حائل رہے گا۔ یہ صفت کتنی بھی کم مقدار میں کیوں نہ ہو اس کا حائل ہونا بدستور قائم رہے گا۔

ہمارے مذکور بالا دوست کی بھی یہی حالت تھی کہ انہوں نے اپنے آپ کو تقریباً تمام حیوانی گھٹیا صفات سے بچائے رکھا تھا۔ مگر ایک صفت کو وہ اپنے سے دُور نہ کر سکے تھے۔ جو ان کے گرد دیوار بن کر کھڑی تھی وہ صفت "ناشکری" کی تھی۔

ان کی حالت یہ تھی کہ لوگ جب ان کا کوئی کام کرتے وہ کبھی کسی کا شکریہ تک ادا نہ کرتے گویا کہ لوگوں کو اپنا مقروض و دیندار تصوّر کرتے تھے۔ شاید وہ حضرت امام رضاؑ سے اس روایت کو نہ سمجھے تھے کہ آپ نے فرمایا:

مَنۡ لَمۡ یَشۡکُرِ الۡمُنۡعِمَ مِنَ الۡمَخۡلُوۡقِیۡنَ لَمۡ یَشۡکُرِ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ۔

جس کسی نے مخلوق میں سے نعمت دینے والے محسن کا شکریہ ادا نہ کیا گویا کہ اس نے خالقِ اکبر کا شکریہ ادا نہیں کیا۔

(عیون اخبار الرضاؑ جلد نمبر ۲ صہ ۲۴)

اس حدیثِ شریف میں جو اعلیٰ بات بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جس شخص میں محسن کی ناقدری

کرنے کی عادت ہو وہ ہر محسن اور نعمت دینے والے کی ناشکری کرے گا اگرچہ وہ اللہ سبحانہ ہی کیوں نہ ہو !

ایک دن میں نے امتحاناً ان سے اللہ سبحانہ کی لاتعداد نعمتوں کا ذکر کیا۔ انہوں نے جواب دیا اس سے میں سمجھ گیا کہ یہ صاحب اللہ سبحانہ کو بھی ہمارا بلکہ ساری مخلوق کا مقروض سمجھ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: "اللہ سبحانہ نے ہمیں پیدا جو کیا ہے لہٰذا اس کا فرض ہے کہ ہمیں سب نعمتیں دے!! اس موقع پر میرا گمان یقین میں بدل گیا کہ یہ ناشکرا شخص نہ صرف یہ کہ اللہ سبحانہٗ کا شکر ہی ادا نہیں کرتا بلکہ اپنے کو دیندار بھی تصور کرتا ہے۔ اب میرے لیے کوئی مشکل باقی نہ تھی کہ اس کی روح پر کونسا پردہ پڑا ہوا ہے جو اُسے حقائق دیکھنے سے مانع ہے۔ یقیناً یہ "ناشکری" کی عادت تھی۔

میں نے اپنے آپ کو اپنے دوست کے لئے ایک آئینہ بنا لیا اور ان کی خوبصورت قامت پر ناشکری کے سیاہ دھبے واضح کر کے ان کو دکھائے۔ انہوں نے بھی خوش قسمتی سے عام لوگوں کی طرح غلطی کی نشاندہی پر ناراض ہونے کے بجائے اس پر غور کرنے کا عندیہ دیا اور پہلی بار انہوں نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے استدعا کی کہ اس رُوحانی مرض کے علاج کے لئے ان کی راہنمائی کروں۔ میں نے بھی پوری دیانتداری سے ان کو اس کا حل بتایا۔

اگر آپ بھی چاہتے ہیں تو آپ کو بھی وہی نسخہ بتائے دیتا ہوں تاکہ خدانخواستہ اگر کسی وقت اس بیماری میں مبتلا ہوں تو پریشان ہونے کے بجائے اس سے استفادہ کرسکیں۔ وہ نسخہ یہ ہے:

اگر کوئی شخص ناشکری کے مرض میں مبتلا ہو جائے تو اسے چاہیے کہ جو دنیاوی آرام و آسائش اس کو میسر ہے اس کے حوالے سے ان لوگوں کو دیکھے جو اس سے محروم ہیں۔ مثلاً اگر وہ مالدار آدمی ہے تو مفلس و مفلوک الحال لوگوں کو دیکھے کہ مال و دولت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی کیسی ناگفتہ بہ حالت ہے۔ اگر صحت مند ہے تو ان بیماروں کی خبر لے جو ہسپتالوں میں پڑے ہیں اور درد و تکلیف سے رات بھر سو بھی نہیں سکتے اور نہ اپنی مرضی سے چل پھر سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ اس طرح اس کو احساس ہوگا کہ دوسروں کے مقابلے میں اللہ سبحانہٗ نے اس کو کتنی اچھی حالت و کیفیت میں رکھا ہوا ہے چنانچہ یہ احساس اس کو تشکر

اور احسان مندی کا جذبہ عطا کرے گا۔ البتہ آپ کو بڑا سنجیدہ ہونا پڑے گا۔ اور عملاً اس مرض کو دور کرنے کے لئے محنت کرنا ہو گی۔ جس طرح ایک شخص جو معدے میں السر کا مریض ہے وہ علاج کے لئے اپنی تمام تر مصروفیات چھوڑ چھاڑ کر ہسپتال چلا جاتا ہے اور کبھی اس وارڈ میں کبھی اس وارڈ میں دربدر ہوتا ہے یا کبھی اس ڈاکٹر کے پیچھے کبھی اس ڈاکٹر کے۔ کبھی یہ کڑوی گولی کھاتا ہے کبھی وہ ترش شربت پیتا ہے تاکہ اس موذی مرض سے نجات پائے بالکل اسی طرح اسے اس روحانی مرض کے علاج کے لئے کچھ دن اپنی مصروفیات ترک کرنا ہوں گی اور ان لوگوں کے پاس جا کر اپنی آنکھوں سے ان کے حالات کا مشاہدہ کرنا ہو گا جو اس کو عطا شدہ نعمت سے محروم ہیں تاکہ اس میں جذبۂ تشکر پیدا ہو اور یہ اللہ سبحانہٗ کا شکر ادا کرنے کی طرف مائل ہو سکے۔

میں خود ہر رات سربسجدہ ہو جاتا ہوں اور ظاہری و باطنی نعمتوں پر اللہ سبحانہٗ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اللہ سبحانہٗ کی ایک ایک نعمت کو یاد کرتا ہوں اور ہر ایک کے لئے الحمدللہ رب العالمین کہتا ہوں اکثر و بیشتر مجھے سجدے میں خاصا وقت لگتا ہے کیونکہ اس کی نعمتیں ہی اتنی ہیں کہ ختم ہی نہیں ہوتیں اور نہ میرا سجدہ مکمل ہوتا ہے بلکہ اکثر تو میں اس کا شکریہ ادا کرنے میں اپنے آپ کو عاجز محض سمجھنے لگتا ہوں اور مجھے سورہ ابراھیمؑ کی آیت نمبر ۱۰ یاد آجاتی ہے۔

"اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا۔ یعنی اگر تم اللہ سبحانہٗ کی نعمتیں گننے بیٹھو گے تو کبھی گن نہ پاؤ گے" اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ آیۂ مجیدہ اللہ سبحانہٗ نے میرے لئے ہی نازل فرمائی ہے۔ واقعی کون ہے جو اپنے اعضاء و جوارح سے اس کی لاتعداد لاجواب نعمتوں کا شکر ادا کر سکے!! اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجھے ایسی کوئی نعمت یاد آجاتی ہے جو فی الحال میرے پاس نہیں تو شکر کے فوراً بعد میں وہ نعمت بھی مانگ لیتا ہوں اور وہ مجھے مل بھی جاتی ہے کیونکہ سورہ ابراہیم آیت نمبر ۷ میں اس نے وعدہ فرمایا ہے، "لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ یعنی اگر شکر ادا کرو گے تو میں اور دوں گا۔"

میں ہر رات یہ عمل اس لئے دہراتا ہوں مبادا میں ناشکری کا عادی نہ ہو جاؤں! آپ بھی یہ معمول

بنالیں اور اگر اس سجدۂ شکر کے بعد مفاتیح الجنان میں موجود "مناجات خمس عشر کی چھٹی دُعا "مناجات الشاکرین" جو حضرت امام سجادؑ سے مروی ہے پڑھ لیا کریں اور پڑھتے ہوئے گزارش کا خیال رکھیں تو ایک معصومؑ کے الفاظ میں اللہ سبحانہٗ کا شکر ادا ہوگا جو اللہ سبحانہٗ کو بہت محبوب ہے اور آپ کے حق میں بہترین ہے۔

میں نے نسخہ اپنے محترم دوست کو بتایا انہوں نے عمل بھی کیا۔ بحمد للہ چند دنوں میں وہ ناشکری جیسی حیوانی گھٹیا صفت سے نجات پا گئے اور اس کے بعد وہ تمام لوگوں کا بڑی گرمجوشی سے شکریہ ادا کرنے لگے جس کے نتیجے میں ان کی راہ میں تمام حائل پردے اُٹھ گئے!!

لوگوں سے بے نیازی

انہوں نے فرمایا:

ماہِ شعبان کے کسی دن امیرالمومنین حضرت علیؑ سے مروی مشہور مناجات، "مناجاتِ شعبانیہ" پڑھ رہا تھا کہ میری حالت غیر ہوگئی مجھے بالکل احساس نہ رہا کہ میں کہاں ہوں اور کیا کر رہا ہوں صرف میں اپنی دل کی آنکھوں سے جلوۂ باری تعالیٰ کا نظارہ کر رہا تھا ایک مقدس نُور میرے اور ذات مقدس کے درمیان حائل تھا جو فیض کا واسطہ تھا۔ جب میں مناجات کے اِن جملوں پر پہنچا:

اِلٰهِی بِكَ عَلَيْكَ اِلَّا اَلْحَقْتَنِیْ بِمَحَلِّ اَهْلِ طَاعَتِكَ وَالْمَثْوَی الصَّالِحِ مِنْ مَرْضَاتِكَ فَاِنِّیْ لَا اَقْدِرُ لِنَفْسِیْ دَفْعًا وَلَا اَمْلِكُ لَهَا نَفْعًا، اِلٰهِیْ اَنَا عَبْدُكَ الضَّعِيْفُ الْمُذْنِبُ وَمَمْلُوْكُكَ الْمُنِيْبُ فَلَا تَجْعَلْنِیْ مِمَّنْ صَرَفْتَ عَنْهُ وَجْهَكَ وَحَجَبَهُ سَهْوُهُ عَنْ

"بارِ الہا میں تجھے تیرے ہی حق کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے تو اس مقام پر پہنچا دے جہاں تیرے اطاعت گزار بندے پہنچا کرتے ہیں اور جو مقام تیری خوشنودی کا مظہر ہے۔ کیونکہ مجھ میں تو اتنی صلاحیت نہیں کہ کسی مُضر چیز کو اپنے سے دُور کرسکوں اور مفید چیز کو پا لوں!

میرے معبُود! میں کمزور، گنہگار اور محدود بندہ

عَفْوِكَ. اِلٰهِىْ هَبْ لِىْ كَمَالَ الْاِنْقِطَاعِ اِلَيْكَ وَاَنِرْ اَبْصَارَ قُلُوْبِنَا بِضِيَاءِ نَظَرِهَا اِلَيْكَ حَتّٰى تَخْرِقَ اَبْصَارُ الْقُلُوْبِ حُجُبَ النُّوْرِ فَتَصِلَ اِلٰى مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ وَتَصِيْرَ اَرْوَاحُنَا مُعَلَّقَةً بِعِزِّ قُدْسِكَ.

ہوں مگر تیرے در پر آگیا ہوں اس لئے مجھے ان لوگوں میں داخل نہ کرنا جن سے تو نے منہ پھیر رکھا ہے اور جن کی غفلت و سستی تیری بخشش اور اُن کے درمیان حائل ہوگئی ہے۔

مالک! مجھے تمام مخلوق سے بے نیاز کر کے صرف اپنی طرف متوجہ کرلے اور میری دل کی آنکھوں کو اپنے دیدار کے نُور سے ایسا منور کر دے کہ وہ نور کے پردوں کو بھی چاک کر کے تیری عظمت و رحمت تک رسائی حاصل کرلیں اور ہماری روحیں تیری عزت و پاکیزگی کے تقدس سے وابستہ ہوجائیں۔

میں جمالِ الٰہی میں محو ہوگیا۔ اس وقت میں اپنی زبان سے نہیں بلکہ دل کی زبان سے یہ جملے ادا کر رہا تھا اور جو کچھ اس عبارت میں کہا گیا ہے میری روح اس کو محسوس کر رہی تھی۔ یقین جانیے میں نے نورانی پردوں کو چیرا اور مرکز و منبع عزت اور کرامت سے متصل ہوگیا!!!

اس مکاشفے کے دوران مجھے نورانی پردوں کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہوئیں میں عظمت و رحمت کے منبع تک رسائی کے معنی سمجھ پایا اور بندگی کے مکمل معانی کا ادراک ہوا میں محسوس کر رہا تھا کہ اپنے پروردگار کے مقابلے میں ایک حقیر و ذلیل موجود ہوں۔ اب آپ شاید یہ سوال کریں کہ کس طرح میں نے اس مناجات کے معانی کو محسوس کیا؟!

جواباً کہوں گا کہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ انسان لمحہ بھر کے اپنے روحانی محسوسات کو سینکڑوں صفحوں کی تحریر یا گھنٹوں کی تقریر کے ذریعے بھی بیان نہیں کر پاتا۔ پھر بھی اللہ سبحانہٗ کی توفیقِ خاص سے میں جتنی وضاحت کر سکتا ہوں عرض کرتا ہوں!

پہلی بات :

میں نے عرض کیا کہ اس مکاشفے میں نورانی پردوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں ! بالکل ہوئیں ! وہ یہ کہ نورانی پردوں سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات انسان کسی غیر خدا کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے مگر وہ ہدف بھی باعثِ خوشنودی خدا ہوتا ہے ۔ مثلاً انسان اس لئے عبادت کرتا ہے کہ جہنم کی آگ سے بچ جائے یا جنت کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو ! یا یہ کہ نمازِ تہجد اس لئے پڑھتا ہے یا کوئی اور مستحب فعل اس لئے بجالاتا ہے کہ اللہ سُبحانہٗ اس کے رزق میں برکت عطا فرمائے یا کسی مصیبت کو دُور فرمائے۔ ظاہر ہے یہ اہداف باعثِ غیظ و غضب خدا نہیں ہیں بلکہ قرآن مجید اور احادیثِ شریف کے مطابق انسان کو ان امور کی ترغیب بھی دی گئی ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان مقاصد کو اپنانے والے بہرحال اللہ سُبحانہٗ کے خواہاں نہیں ہیں چنانچہ اس تک نہیں پہنچ سکیں گے اور نہ ہی اللہ کے مخلصین اور محبوبین کے ساتھ ہو سکیں گے پس یہی اہداف و مقاصد غیر خدا مگو جائز اور درست ان کے اور اللہ سُبحانہٗ کے درمیان پردہ بن جائیں گے اور نورانی ہوں گے۔ اس کے برعکس اگر انسان کے مقاصد و اہداف شیطانی اور طاغوتی ہوں تو حجاب تو یہ ہوں ہی گے البتہ ظلمانی اور تنگ و تاریک بھی ہوں گے ۔ اور اللہ سبحانہٗ کی ہر طرح کی مہربانی اور فضل و کرم کے لئے رکاوٹ بھی بنیں گے ۔ اس مضمون کی اکثر روایات ائمہ معصومین ؑ سے مروی ہیں علی الخصوص کتاب تحف العقول صہ ۳۵۰ پر سید الشہدآء وحضرت امام حسین کی حدیث ان الفاظ میں ہے :

إِنَّ قَوْمًا عَبَدُوا اللهَ رَغْبَةً تِلْكَ عِبَادَةُ التُّجَّارِ، إِنَّ قَوْمًا عَبَدُوا اللهَ رَهْبَةً تِلْكَ عِبَادَةُ الْعَبِيدِ وَإِنَّ قَوْمًا عَبَدُوا اللهَ شُكْرًا تِلْكَ عِبَادَةُ الْأَحْرَارِ وَهِيَ أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ.

کچھ لوگ جنت کی لالچ میں اللہ سُبحانہٗ کی عبادت کرتے ہیں یہ عبادت تو ہے مگر ذہن تاجرانہ ہے، کچھ لوگ جہنم کے ڈر سے اللہ سُبحانہٗ کی عبادت کرتے ہیں، یہ ذہن غلاموں کا سا ہے اور کچھ لوگ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر صرف اللہ سُبحانہٗ کو عبادت کا اہل سمجھ کر عبادت کرتے ہیں عبادت

دراصل یہی ہے اور مردانِ آزاد ہی اس کو انجام
دیتے ہیں اور یہ بہترین عبادت ہے۔

البتہ جب انسان ان نورانی پردوں کو بھی چاک کر کے آگے بڑھ جاتا ہے اور جزا و سزا سے بے نیاز ہو کر بالکل خالص عبادت کرتا ہے اور اس کا مقصد صرف قربِ اللہ سُبحانہٗ ہوتا ہے۔ اس کا دل اس کی محبت سے سرشار ہوتا ہے اب کے علاوہ کسی اور کی محبت سوئی کے ناکے کے برابر بھی نہیں ہوتی۔ یہ مقامِ خلوص و اخلاص اور غیر خدا سے مکمل بے نیازی کا ہے۔ نورانی پردوں کو چاک کرنے کا یہی مفہوم ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ انسان اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملتا ہے!!!

دوسری بات؛

میں نے عرض کیا کہ اس مکاشفے میں مخلوقِ خدا سے مکمل بے نیازی کو محسوس کیا۔

بالکل میرے دوست، میں نے اس حقیقت کو بڑی اچھی طرح محسوس کیا۔ اس وقت جب میں نورانی پردے عبور کر کے منزلِ خلوص پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اچانک محسوس کیا کہ جمالی اور جلالی تمام کمالات جن کو میں فطری طور پر پسند کرتا تھا ایک ذات میں جمع ہیں اور اس ذاتِ اقدس کا نام مبارک اللہ سُبحانہٗ ہے۔ میری طبیعت اور فطرت اُسے چاہتی تھی نہ اس لئے کہ اُس نے اتنی ساری نعمتیں مجھے عطا کیں اور نہ اس لئے کہ آئندہ مجھے اس سے بہت کچھ لینا تھا بلکہ صرف اور صرف اس لئے کہ وہ چاہے جانے کے قابل تھا اور میرا دل اس کے علاوہ کسی کو قبول ہی نہیں کرتا تھا نہ مجھے اس کے علاوہ کوئی چیز پسند تھی چہ جائیکہ میں اس کے علاوہ کسی سے کوئی امید وابستہ کر لیتا۔

تیسری بات؛

میں نے عرض کیا کہ اس مکاشفے میں عظمت اور رحمت کے منبع و مرکز پر پہنچنے کا مفہوم میری سمجھ میں آگیا، میں نے محسوس کیا کہ اللہ سُبحانہٗ کی قربت کے حصول کے لئے تمام تگ و دو کا مقصد اس منبع پر پہنچنا ہے۔ یہ منبع بڑی اعلیٰ اشیاء کا مرکز ہے۔ بیشک اللہ سُبحانہٗ کی عظمت و سرداری سے بڑھ کر کوئی شے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ اگر اللہ سُبحانہٗ اپنے اس بیش بہا خزانے میں سے کسی کو تھوڑا سا

بھی دے دے تو وہ انتہا درجے کا صاحبِ کمال اور مقربِ بارگاہِ اللہ سبحانہٗ ہو جاتا ہے۔ اس وقت میں یہ سمجھ کر کمالات کا منبع جس تک ہیں اپنے آپ کو پہچانا ہے اور بحمداللہ سبحانہٗ میں پہنچ چکا تھا وہ انوار مقدسہ ارواحِ حضراتِ معصومین علیہم السلام تھا۔

اسی سلسلے میں جناب جابر ابنِ عبداللہ رض سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا،

اَوَّلُ شَیْءٍ خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَاھُوَ؟! فَقَالَ (ص)، نُوْرُ نَبِیِّکَ یَا جَابِرُ خَلَقَہُ اللّٰہُ ثُمَّ خَلَقَ مِنْہُ کُلَّ خَیْرٍ۔

اللہ سبحانہٗ نے سب سے پہلے کس چیز کو بنایا؟ تو حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، جابر! سب سے پہلے اللہ سبحانہٗ نے تیرے نبیؐ کا نور بنایا اس کے بعد اس نور کے ذریعے ہر اچھی چیز پیدا کی"۔

بیشک یہ وہی نور ہے جو اللہ سبحانہٗ کی تمام تر صفات وجہات کا آئینہ دار ہے اور اللہ سبحانہٗ کی تمام صفاتِ کمالیہ اس میں جمع ہوگئی ہیں۔ یہ وہی نور ہے جس کا ذکر مفاتیح الجنان میں دی جانے والی دعائے رجبیہ کے اس جملے میں ہے،

لَا فَرْقَ بَیْنَکَ وَ بَیْنَھُمْ اِلَّآ اَنَّھُمْ عِبَادُکَ خَلْقُکَ۔

اے خالق! معصومین علیہم السلام اور تجھ میں صرف یہ فرق ہے کہ تو ان کا خالق ہے اور وہ تیرے بندے اور مخلوق ہیں۔

بیشک یہ نورٌ، نورِ حضرت ختمی مرتبت اور ان کی پاک آل علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تھا کیونکہ وہی رحمتِ الٰہی کا مرکز و منبع ہیں۔ زیارتِ جامعہ کا ایک جملہ بھی اس حقیقت کو بیان کر رہا ہے ؛

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ وَ ــــــــــ مَعْدِنَ الرَّحْمَۃِ"

یعنی اے نبوت کے گھر والو! اور رحمت کے مرکز و منبع آپ پر درود و سلام"

دعائے کمیل کے مطابق یہ ہستیاں اللہ سبحانہٗ کی وہی رحمت ہیں جن کا ذکر اس جملے میں ہے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ" "اے اللہ پاک، تیری اس رحمت، جس نے ہر چیز کو گھیرے میں لے رکھا ہے، کا واسطہ"

یہ وہی رحمت ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی پہلی آیہ مجیدہ یعنی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں ہے جو خاص طور پر مومنین کے لیے ہے۔ اگر یہ رحمت کسی کے نصیب ہو جائے تو وہ حقیقی معنٰی میں عظمت و کمال کے درجے پر فائز ہو گیا۔

اس موقع پر انہوں نے فرمایا کہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ پر ابھی مطلب اچھی طرح واضح نہیں ہوا لہذا توضیح مزید کے لئے انہوں نے فرمایا، بحارالانوار جلد نمبر ۱۵ صہ ۲۷ پر امیرالمومنین حضرت علیؑ سے ایک روایت تحریر کی گئی ہے، "کان اللہ ولا شیء معہ یعنی کائنات کی تخلیق سے پہلے صرف اللہ سبحانہٗ ہی کی ذات بابرکات تھی اور کوئی شے اس کے ساتھ نہیں تھی یا پھر دعائے یستشیر کے مطابق کنت قبل کل .... کل شیء۔
ترجمہ: "اے اللہ سبحانہٗ تو ہر شے سے پہلے موجود تھا۔ تو نے ہر شے کو پیدا کیا اور ہر شے کو ایک خاص اندازہ و مقدار عطا کی اور ہر چیز کی اختراع تجھی سے ہوئی۔"
مزید برآں جناب سیدۂ عالم سلام اللہ علیہا نے بھی مسجد نبوی میں اپنے مشہور خطبۂ "لمّہ" میں ارشاد فرمایا، "ابتدع الاشیاء .... مثلھا"
ترجمہ، "اللہ سبحانہٗ نے سب چیزیں بنائیں جب کہ ان سے پہلے کوئی چیز ہی نہیں تھی جس کی نقل یا مثال تصور کی جا سکے۔"
مختصر یہ کہ اللہ سبحانہٗ کے علاوہ کسی اور چیز کا وجود نہ تھا۔ سب چیزیں اللہ سبحانہٗ ہی نے اپنی حکمتِ کاملہ سے پیدا کیں اس کے بعد بحارالانوار جلد نمبر ۱۵ صہ ۲۰ پر دی جانے والی روایت کے مطابق اللہ سبحانہٗ نے نورِ مقدس حضرات محمد و آلِ محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین کو پیدا کیا، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن امیر المومنینؑ قال، فاول ما خلق...... قبل خلق الماء ... اللوح

ترجمہ" امیر المومنین حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ سُبحانہٗ نے پانی، عرشِ معلیٰ، کرسی، آسمان زمین اور لوح سے پہلے اپنے محبوب حضرت سرورِ کائناتؐ کے نُورِ مقدس کو پیدا کیا"۔

بقول ایک شاعر: خُدا نے اس مقدس نُور کو پہلے شرف بخشا
پھر اس نے "کُن" سے ساری خدائی کو کیا پیدا

اس نورِ مقدس کو اپنی تمام جہات کا آئینہ دار بناتے ہوئے اپنی تمام جمالی و جلالی صفات اس میں پیدا کر دیں۔ چنانچہ نور حضراتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ ازلیت اور تجردِ مطلق جو ذاتِ باری تعالیٰ کی ذاتی صفات ہیں کے علاوہ باقی تمام صفات کا حامل ہو گیا۔ چونکہ اللہ سُبحانہٗ اس سے ماوریٰ و منزہ ہے کہ عام مخلوق اس سے براہِ راست کسبِ فیض کرے اس لئے اللہ سُبحانہٗ نے اس نورِ منور کو اپنے اور مخلوقات کے درمیان ایک واسطہ اور ذریعہ قرار دیا جیسا کہ دُعا ندبہ میں اس نورِ منور کو "السبب المتصل بین الارض والسماء یعنی کائنات اور خالقِ کونین کے درمیان واحد ذریعہ کہا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام تاریخ انبیاء، اوصیاء اور اولیا علیہم السلام میں بجز حضرت سرورِ کائناتؐ کسی کو بغیر وسیلے کے وحی نہیں ہوئی۔ ایک آپؐ کی ذاتِ گرامی ایسی ہے جس کو براہِ راست وحی کی گئی (شبِ معراج جب کوئی مَلکِ مقرب بھی پاس نہیں تھا۔ مترجم)

پس تمام سالکین الی اللہ کا مقصد اور ہدف یہ ہونا چاہیے کہ وہ اس نورِ مقدس اور بمطابق زیارت حضرت امیر المومنینؑ "السَّلَامُ عَلٰی یَعْسُوْبِ الْاِیْمَانِ وَ مِیْزَانِ الْاَعْمَالِ یعنی اے مرکزِ ایمان اور ہر اعمال کی میزان آپ پر درود و سلام ہو" ایمان کی اس میزان کی معرفت حاصل کریں اس سے کسبِ فیض کا سلیقہ سیکھیں، ان کی صفاتِ پاکیزہ کا آئینہ دار بنیں اور ان کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ پس جس کسی کو یہ مرتبہ حاصل ہو گیا گویا کہ وہ "مناجاتِ شعبانیہ" کی حقیقت پا گیا۔ یعنی نورانی پردوں کو پار کرتے ہوئے اللہ سُبحانہٗ کی رحمت اور عظمت کے قرب و جوار میں جا پہنچا اور اس کی رُوح اللہ سُبحانہٗ کی بارگاہ میں جا پہنچی۔

شاید آپ کے ذہن میں یہ سوال اُٹھے کہ میں نے سیر الی اللہ کا یہ مفہوم کیسے پیش کر دیا کہ اِس سے مراد انوارِ مقدسِ معصومین علیہم السلام تک پہنچنا ہے؟!

جواباً عرض کروں گا کہ خود معصومینؑ نے یہی بات فرمائی ہے، مندرجہ ذیل ایک حدیث میں امیرالمؤمنین حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں:

مَعْرِفَتِي بِالنُّورَانِيَّةِ مَعْرِفَةُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَمَعْرِفَةُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مَعْرِفَتِي بِالنُّورَانِيَّةِ وَهُوَ الدِّيْنُ الْخَالِصُ.

میری روحانی معرفت ہی اللہ سُبحانہٗ کی معرفت اور اللہ سُبحانہٗ کی معرفت میری معرفت ہے پس یہی تو دینِ خالص ہے!

علاوہ ازیں معصومینؑ کی اکثر زیارات میں یہ جملہ کئی دفعہ دہرایا گیا ہے:

مَنْ عَرَفَكُمْ فَقَدْ عَرَفَ اللّٰهَ

یعنی جس نے آپ کو پہچانا اُس نے اللہ سُبحانہٗ کو پہچانا۔

روایات سے قطع نظر اگر اس مطلب کو عقلی بنیاد پر سمجھا جائے تو کوئی خاص گہری بات نہیں ہے بات یہ ہے کہ اللہ سُبحانہٗ کی ذاتِ بابرکات کو ذاتی صفات کے حوالے سے سمجھا ہی نہیں جاسکتا بلکہ بعض روایات میں اللہ سُبحانہٗ کی ذات کے بارے میں مختلف جہات سے سوچنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ البتہ اللہ سُبحانہٗ کو اس کی افعالی صفات کے حوالے سے ہی جانا اور پہچانا جاسکتا ہے جو اس کے علاوہ کسی اور میں بھی پائی جاسکتی ہیں۔ پس انہی کی معرفت ہماری زندگی کا مقصد ہے۔ اور اللہ سُبحانہٗ کی صفات اکمل اور بدرجہ اتم صرف اور صرف معصومین علیہم السلام ہی میں پائی جاتی ہیں۔ پس ان کی معرفت ہی دراصل اللہ سُبحانہٗ کی معرفت ہوتی ہیں اور انہی کی طرف انسان کی روحانی سیر دراصل سیر الی اللہ ہے!

چوتھی بات:

میں نے کہا کہ اس مکاشفے میں بندگی کا مفہوم میری سمجھ میں آگیا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میں اپنے معبود کے سامنے ایک حقیر سا موجود ہوں۔

جی ہاں! میں اچھی طرح محسوس کر سکتا تھا کہ مجھے کسی بھی کام کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ نہ میں اپنے فائدے کے لئے از خود کچھ کر سکتا ہوں اور نہ نقصان کے لئے۔ میرا معبود ہر چیز سے بے نیاز اور میں ہر چیز کے لئے محتاج و تہی دامن۔ وہ مکمل با اختیار اور میں بالکل بے بس۔ میرے پاس جو کچھ بھی ہے سب کچھ اُسی کے دم قدم سے ہے۔ میرا اپنا وجود میرے اردگرد بکھری ہوئی تمام نعمتیں اسی کی دین تو ہیں۔ میں اول و آخر ایک مخلوق اور کسی کا ساختہ ہوں، اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔

میں خوب سمجھ گیا کہ مجھے بندگی کرنی چاہیئے۔ اپنی طرف سے کوئی رائے یا ارادہ نہیں کرنا چاہیئے۔ صرف اور صرف اسی پر بھروسہ کروں اور ہمیشہ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے رہوں۔

اس مکاشفے کا ذکر کرتے ہوئے دو نکتے میں آپ سے ضرور بیان کرنا چاہوں گا جب تک آپ ان پر عمل پیرا نہیں ہو جاتے کامل انسان نہیں بن سکتے!

پہلا نکتہ:

جب تک آپ میں تمام اچھی صفات پیدا نہیں ہو جاتیں آپ اللہ سبحانہٗ اور اس کے مظاہر کے نزدیک نہیں ہو سکتے۔ کھلی سی بات ہے کہ اگر آپ بخیل ہیں تو رزاق، جواد اور رحمٰن اللہ سبحانہٗ اور اس کے کامل مظاہر معصومینؑ کے ساتھی کیسے بن سکتے ہیں؟! کیا آپ خود ایسا کرنے کو تیار ہیں یعنی اگر آپ نہایت خوش اخلاق آدمی ہیں تو کسی بد اخلاق کے ساتھ رہ سکتے ہیں؟! ہرگز نہیں پھر کیسے ممکن ہے کہ آپ تو ظالم و جابر ہوں اور رحیم و کریم اللہ سبحانہٗ کے قریب ہونا چاہیں؟!

پس نتیجہ یہ نکلا کہ اگر سوئی کے نکے کے برابر بھی آپ کے اور معصومین علیہم السلام کے کردار میں فرق ہوا تو آپ پس پردہ ہیں اور ان کے اور اللہ سبحانہٗ کے قریب نہیں جا سکتے!

دوسرا نکتہ:

جب تک آپ تمام لوگوں اور غیر اللہ، ہر چیز سے جدائی اختیار نہیں کرتے اور ان کی اصلیت کے مطابق ان کو اہمیت نہیں دیتے، سو فیصد اللہ سبحانہٗ کے نہیں ہو جاتے، دل کو ہر غیر خدا میں

دلچسپی لینے سے باز نہیں رکھتے اور حضرات معصومینؑ کی طرح ہر غیرِ خدا شے سے بری نہیں ہوجاتے اس وقت تک آپ اپنے مقصد یعنی حقیقتِ انسانیت اور حقیقتِ اسلام تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے!

انہوں نے فرمایا:

ایک دفعہ دوستوں کی ایک نشست میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ یہ حضرات اس نشست میں حضرت ولی العصر، امام زمانہؑ، (میری بلکہ کائنات کی ساری روحیں آپؑ کی خاکِ پا پر قربان ہوجائیں) کے وسیلے سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ سب حضرات جن میں اکثر ایسے مریض تھے جن کو ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے رکھا تھا، بڑے خلوص، اطمینان اور انہماک سے دعا میں مشغول تھے کہ ایک مفلوج مریض یکدم شفایاب ہوکر کھڑا ہوگیا! میں بہت حیران ہوا کہ یہ کیسے ہوا؟!

میرے ذہن میں اس وسوسے کا آنا تھا کہ گویا کہ مجھے الہام ہوا کہ شفا کی وجہ اس مریض کی دنیاوی ڈاکٹروں سے بے نیازی اور حضرت بقیۃ اللہ العظمیٰ امام زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف توجہ ہے جو اس وقت مرکز و منبع رحمتِ خدا ہیں۔

اس الہام کے بعد میرے ذہن میں مختلف آیات قرآنی، روایات اور کئی تاریخی واقعات آنے لگے جو اس الہام کی کھل کر تائید کر رہے تھے۔ مندرجہ ذیل میں ان کو ایک ایک کرکے آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔

۱ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ٥

جب وہ بحری جہاز پر سوار ہوتے ہیں (مادی وسائل سے منقطع و بے نیاز ہوجاتے ہیں) تو بڑے خلوص سے بارگاہِ اللہ سبحانہٗ میں حاضر رہتے ہیں۔ مگر جونہی ساحل پر اُترتے ہیں۔ مشرک ہوجاتے ہیں اور غیر اللہ کے ہوجاتے ہیں۔

(سورہ عنکبوت آیت نمبر ۶۵)

ان خاص حالات میں جب لوگ بحری جہاز میں سوار کسی مشکل سے دوچار ہوتے ہیں چونکہ

اللہ سبحانہٗ کے سوا ان کے پاس بچاؤ یا مشکل کے حل کیلئے کوئی چارہ ہی نہیں ہوتا گویا کہ غیر اللہ سے کٹے ہوتے ہیں اور خالصۃً اللہ سبحانہٗ ہی کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ پس مشکل، مشکل ہی نہیں رہتی بلکہ فوراً حل ہو جاتی ہے اس بارے میں بہت زیادہ روایات ملتی ہیں۔

۲۔ اکثر مجالسِ عزا اور جلسہ ہائے میلاد (جو محافلِ حضرت رسول اکرمؐ اور ائمہ معصومین علیہم السلام میں سے کسی بزرگ ہستی کی ولادت باسعادت کے ذکر کے لئے منعقد کی جاتی ہے اسے محفلِ میلاد کہتے ہیں۔ مترجم) میں دیکھا گیا ہے کہ جب ان محافل میں اللہ سبحانہٗ یا معصومین علیہم السلام میں سے کسی بزرگ کی طرف دل کی گہرائیوں سے توجہ کی جائے تو اس محفل میں بیماروں کو شفا مل جاتی ہے یا کم ازکم نورانی تجلیات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے جو مختلف صورتوں میں محسوس کیا جاتا ہے۔ مثلاً بہت ہی پرکیف خوشبو آنے لگتی ہے یا انوارِ مقدس دکھائی دیتے ہیں بلکہ کبھی کبھی تو اولیاء اللہ علیہم السلام کی زیارت بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی صورتِ حال صرف اس وقت پیش آتی ہے جب اہلِ محفل سب کے سب یا کم ازکم جن کو مذکورہ بالا کیفیتوں کا احساس ہوتا ہے وہ غیرِ خدا سے منقطع ہوں اور انوارِ طیبہ کی طرف پوری توجہ کریں اور پورے خضوع و خشوع کے ساتھ ان پر بھروسہ کئے ہوئے ہوں۔

۴۔ معصومین علیہم السلام کے روضہ ہائے مطہر پر حتیٰ کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کی اولاد میں سے کسی بزرگ کی قبرِ مبارک پر اکثر مریض شفایاب ہو جاتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ شفا کے وقت آپ کی کیفیت کیا ہوئی تھی؟ تو بغیر استثناء کے سب نے یہی کہا کہ دُعا کرتے ہوئے وہ مکمل طور پر دنیوی اور مادی ذرائع علاج سے منقطع اور بے نیاز تھے اور اس کے مقابلے میں پورے دل اور دماغ سے ہم ان بزرگ کی طرف متوجہ تھے۔ ایسے میں ہم نے ان سے درخواست کی کہ ہمیں شفا دیں تو پھر شفا ہو گئی!

۵۔ یہ بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ جن مریضوں کو ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہو وہ ان سے مایوس ہو کر پورے خلوص سے الٰہی ذرائع سے متوسل ہوتے ہیں اور معجزانہ شفایاب ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ نتیجہ نکالنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر انسان غیر خدا سے بے نیازی اور عملی لاتعلقی پیدا کرے اور اسے پورے خلوص سے اپنے دل و دماغ میں راسخ کرلے بشرطیکہ یہ کیفیت عارضی اور سطحی نہ ہو تو اس کے لئے یہ "معجزے" روز کا معمول بن جایا کرتے ہیں۔ یعنی جب کبھی جو کچھ چاہے معرضِ وجود میں آجاتا ہے گویا کہ اس کا ارادہ خدا کا ارادہ بن جاتا ہے۔ بالکل یہی بات اکثر روایات میں بھی ملتی ہے، جواہر السَّنِیَّة فی الاحادیث القدسیہ کے صہ ۳۶۱ پر اسی طرح کی ایک حدیث قدسی درج ہے:

عَبْدِیْ اَطِعْنِیْ اَجْعَلْكَ مِثْلِیْ — یعنی اے میرے بندے میرا ہو جا میں تجھے اپنے ایسا بنا دونگا

گویا کہ جب میں "کُن" کہتا ہوں جو چاہتا ہوں بن جاتا ہے تو بھی جب "کُن" کہا کریگا جو چاہے گا بن جایا کرے گا۔ اس بنا پر بعید نہیں کہ کسی ولی اللہؒ کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ اللہ سبحانہ پر بھروسہ کرتے ہوئے کائنات پر حکمرانی کرتے ہیں کیونکہ اس کی چشم دید مثالیں سب نے دیکھی ہیں۔

حقیقی اور ظاہری حلال وحرام

انہوں نے فرمایا:

ایک دن ایک درویش جو محنت ومشقت سے دُبلے ہو رہے تھے اور بقول خود حقیقی حلال روزی کھانے کی وجہ سے روحانی صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ مجھے کہنے لگے: کیا دنیا میں میری یہ ذمہ داری نہیں کہ کوشش کروں تاکہ واقعی حرام سے بچوں؟ اس سوال سے میری نظر میں ان کی قدر خاصی کم ہوگئی گرچہ اکثر حضرات کی نظر میں وہ بہت قابلِ احترام بزرگ تھے۔ چنانچہ میں نے خلافِ معمول ان سے مؤدبانہ گفتگو نہ کی بلکہ ہلکا سا مذاق اڑاتے ہوئے جواب دیا: یہ حرام حقیقی اور ظاہری کیا

ہے ؟! بات صرف اتنی ہے کہ اللہ سُبحانہٗ نے جس چیز کو حرام فرمادیا ہے وہ ظاہری اور حقیقی حرام ہے اور جس چیز کو حلال فرمایا دیا ہے وہ ظاہری اور حقیقی حلال ہے !!

درویش صاحب چونکہ ایسے ماحول کے تربیت یافتہ تھے جو بقول بعض مخالفین کے ان کو اندھا مقلد بنا چکا تھا چنانچہ وہ طنزاً مسکرائے اور کہنے لگے : آپ کا کیا خیال ہے . اگر ایک مسلمان قصاب مجھے مردہ بکرے کا گوشت "حلال" بنا کر دیتا ہے اور دوسرا حقیقی ذبح شدہ گوشت دیتا ہے، ان دونوں کی تاثیر اور انسانی رُوح پر اثرات یکساں ہوں گے ؟! کیونکہ پہلی صورت میں گرچہ میرے لئے حلال تو ہے مگر درحقیقت وہ مردار ہے جب کہ دوسری صُورت میں ظاہری اور حقیقی ہر دو صورتوں میں گوشت حلال ہے !

میں نے عرض کیا : یہ حقیقی حلال گوشت کا حکم آپ کس کی طرف سے لے آئے ؟! اللہ سُبحانہٗ ہی سب احکامات صادر کرنے والا ہے اس نے اپنے نمایندگان کے ذریعے یہ فرمایا ہے کہ دنیا میں سب چیزیں حلال ہیں جب تک اس کی حرمت کے احکامات صادر نہ کر دیئے جائیں. مطلب یہ کہ جب آپ کو کسی چیز کی حرمت کا پتا چل جائے بس وہ حرام ہے باقی سب چیزیں حلال ہیں اور آپ انہیں استعمال کر سکتے ہیں۔

انہوں نے کہا ، آپ کا مطلب ہے کہ حقیقی حرام چیزیں اپنا اثر بھی نہیں رکھتیں!

میں نے عرض کیا : اول تو مجھے آپ کی حقیقی حرام و حلال کی رٹ سمجھ نہیں آرہی خیر میرا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ پانی سمجھ کر شراب پی جائیں تو کیا آپ نے فعل حرام کیا ؟ نہیں ! آج تک کسی مجتہد نے یہ فتوٰی نہیں دیا !

انہوں نے جھٹ کہا ، تو کیا میں مست بھی نہیں ہونگا؟

میں نے عرض کیا : یہ میں کب کہہ رہا ہوں کہ شراب کے طبعی اثرات سے بھی آپ محفوظ رہیں گے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر ایک نیک آدمی غلط فہمی میں شراب پی لے اور رات بھر بے ہوش مست بھی رہے تو اس کی عنداللہ سبحانہٗ قدر و منزلت میں رائی کے دانے کے برابر بھی کمی واقع نہیں

ہو گی ! کیونکہ اگر اس غلط فہمی کی وجہ سے اس کو راندۂ درگاہ کر دیا جائے تو یہ ظلم کے زمرے میں آئے گا۔ جو اللہ سُبحانہٗ کے ہاں محال ہے ! مزید وضاحت کے لئے عرض کر دوں کہ خود اللہ سُبحانہٗ کا حکم ہے کہ جو چیز تمہاری معلومات کے مطابق حلال ہے کھاؤ، پیؤ ! اگر کوئی چیز حقیقت میں حرام تھی مگر آپ نے لاعلمی میں کھالی تو آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا پھر سزا کیسی اور راندۂ درگاہ کرنا کیسا ؟ !

البتہ طبعی اثرات تو وہ جسمانی سطح تک بے شک ہوں گے مگر اُن کا رُوح اور روحانیت پر کوئی اثر نہیں ہوگا اور جو شخص ایسا نہ سمجھے وہ کفر و شرک کا مرتکب کیسے ہوا ؟ !

وہ ایسے کہ اللہ سُبحانہٗ کا حکم یہ ہے کہ میں جس چیز کی حرمت ہی نہیں جانتا وہ کھا پی سکتا ہوں اگر غلطی سے میں کوئی حرام چیز کھا گیا تو اس سے میری روحانی کیفیت پر کوئی اثر نہیں ہوگا یعنی اللہ سُبحانہٗ میری تنزلی کا کوئی ارادہ نہیں فرمائے گا۔ اگر کوئی ایسا نہ سمجھے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس حقیقی حرام چیز کے کھانے سے مجھے راندۂ درگاہ کر دیا گیا ہے۔ اب اللہ سُبحانہٗ نے تو کیا نہیں تو گویا کہ میں کسی غیر اللہ طاقت کا قائل ہو رہا ہوں جو مجھے قربتِ الٰہی سے دُور کر رہی ہے ! یعنی اللہ سُبحانہٗ کے مقابلے میں وہ طاقت مجھے اللہ سُبحانہٗ سے دُور کر رہی ہے جبکہ اللہ سُبحانہٗ ایسا نہیں چاہتا یہی تو شرک ہے۔ یعنی اللہ سُبحانہٗ کے مقابلے میں کسی اور طاقت کا قائل ہونا ! پس ثابت ہوا کہ مجبوری، زبردستی، تقیہ، غلط فہمی یا بھولے سے اگر کوئی چیز انسان کے معدے میں چلی جائے تو اس کا روحانی طور پر کوئی منفی اثر نہیں ہوتا۔ اس کی بہترین مثال یہ دینا چاہوں گا کہ ہمارے دس ائمہ معصومین علیہم السلام جو زہر خورانی سے شہید کئے گئے ان کو معلوم تھا کہ یہ کھجور یا انگور یا پانی زہریلا ہے مگر انہوں نے مجبوراً اور دشمنوں کی زبردستی کے تحت کھایا یا پیا اس کا جسمانی اثر بھی ہوا یعنی ان کی شہادت واقع ہو گئی مگر نہ صرف یہ کہ ان کی روحانی منازل میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی بلکہ مزید قربتِ الٰہی میسر ہوئی۔

پس مندرجہ بالا بحث کے مطابق انسان کو ائمہ معصومین علیہم السلام کی سیرتِ طیبہ کے مطابق اپنی سوچ اور کردار اپنانا چاہیئے کیونکہ ان کا کردار، افعال حتیٰ کہ خاموشی ہی درحقیقت حقیقی اسلام اور

صراطِ مستقیم ہے، سیر و سلوک الی اللہ کا صحیح معیار و میزان ہے اور ان کی سیرتِ طیبہ کے خلاف ایک قدم بھی انسان کو صراطِ مستقیم سے بھٹکا سکتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ کے احکامات کے خلاف ان کے مقدس دلوں میں کبھی کوئی معمولی سا وسوسہ بھی راستہ نہیں بنا سکا (العیاذ باللہ) بلکہ انہوں نے فرما رکھا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ کَمَا یُحِبُّ اَنْ یُّؤْخَذَ بِعَزَآئِمِہٖ یُحِبُّ اَنْ یُّؤْخَذَ بِرُخَصِہٖ

جس طرح اللہ سبحانہٗ کی خوشنودی اس میں ہے کہ اس کے اٹل اور دو ٹوک احکامات کی ٹھیک ٹھاک اطاعت کی جائے۔ اسی طرح اس کی خوشنودی اس میں بھی ہے کہ جن امور میں اس نے انسان کو مختار بنایا ہے انسان اس میں اپنے اختیار کو استعمال بھی کرے!!

اس سلسلے میں امیرالمومنین حضرت علیؑ کے زمانے کا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک قصاب آپؑ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا: آقاؑ! میں اپنے گھر میں داخل ہوا تو وہاں سے ایک کتا نکل رہا تھا جس کے منہ پر دہی لگا ہوا تھا۔ میں جلدی سے اندر گیا اور دہی کے برتن کو غور سے دیکھا تو اس پر ایسے نشانات تھے گویا کہ کسی نے دہی کھایا ہو۔ اب اس دہی کو پاک سمجھا جائے یا نجس؟! آپؑ نے فرمایا تم یہ سمجھو کہ انشاء اللہ کتے نے دہی کہیں اور سے کھایا ہے اور اس برتن کی دہی پر کسی اور نے ہاتھ صاف کیا ہے۔ یہ بات قصاب کے دل کو نہ لگی۔ چنانچہ اس نے دہی نہ کھایا بلکہ باہر پھینک دیا۔ یوں وہ اسراف کا مرتکب ہوا۔ اتفاق سے ایک دن اسی قصاب نے بکرا ذبح کیا اور ابھی جبکہ اس کے ہاتھ خون آلود تھے اسے پیشاب لگا اور وہ باہر ایک طرف پیشاب کرنے بیٹھ گیا معاً اس نے دیکھا کہ قریب ہی ایک انسانی لاش پڑی ہے جس کو ابھی ابھی کسی نے قتل کیا ہو۔ اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کہ اگر کوئی یہاں آگیا تو یقیناً مجھے ہی قاتل سمجھے گا کیونکہ میرے ہاتھ میں چھری ہے اور ہاتھ بھی خون آلود ہیں۔

وہ جلدی جلدی باہر نکلا مگر باہر حکومت کے آدمی مل گئے جو قاتل کو ڈھونڈ رہے تھے۔ انہوں نے فوراً اس کو پکڑا اور امیرالمومنینؑ کی خدمت میں لے گئے۔ جب آپؑ کی چشم مبارک اس پر پڑی، آپؑ نے فرمایا اب بتا دہی اور سکتے والا ہمارا فیصلہ صحیح تھا یا نہیں ؟! اس نے عرض کیا میں آپؑ پر قربان جاؤں آپؑ کی ہدایت کے مطابق عمل نہ کر کے اسراف کیا بہت غلطی کی!

اس واقعے سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ جب تک ہمیں کسی چیز کی نجاست کا یقین نہ ہو ہم اُسے استعمال میں لا سکتے ہیں اور بلا یقین کسی چیز کو نجس یا حرام نہیں سمجھ سکتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پرہیزگاری کا تقاضا یہی ہے کہ ہم حرام سے بچیں اور ہر چیز کو استعمال سے پہلے پرکھ تول لیں مگر ہمارا ایسا کرنا کسی مسلمان بھائی کی توہین یا اہانت کا سبب نہ بنے اور نہ ہی اس کے بارے میں بدگمانی پیدا ہو اگر ایسا ہو تو یہ بجائے خود ایک فعل حرام ہوگا۔

اسی سلسلے میں ایک خدا رسیدہ بزرگ کا کہنا ہے کہ ایک دفعہ ایک سود خور شخص نے مجھے اپنے گھر کھانے کی دعوت دی۔ میں نے اجتناب کیا۔ وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا میں سمجھ گیا آپ میرے ہاں کیوں تشریف نہیں لائے۔ میں نے پوچھا کیوں؟ کہنے لگا یہی کہ آپ کا خیال ہوگا کہ میں سود کے مال سے آپ کو کھانا پیش کروں گا، مگر ایسا بالکل نہیں کیونکہ میں نے عہد کیا ہوا تھا کہ نہ صرف آپ کے لئے بلکہ تمام مہمانوں کے لئے والد محترم کی طرف سے ترکہ ملنے والی رقم سے کھانا تیار کروں گا۔

میں نے بہانہ بنایا کہ یہ بات نہیں بلکہ میں اس لئے نہیں آیا کہ کہیں لوگ سود خوری کو اچھا نہ سمجھنے لگیں کہ میں بھی ایک سود خور کے گھر آنے جانے لگا ہوں۔ اس نے کہا نہیں جناب بلکہ میرا پکا ارادہ تھا کہ جب آپ اور دیگر مہمان آجائیں گے تو میں آپ سب کو گواہ بنا کر سود خوری سے توبہ کروں گا اور جن جن سے سود کی رقم لے چکا ہوں ان کو لوٹا دوں گا۔ میں نے کہا اگر یہ بات ہے تو پھر مجھ پر واجب ہے کہ میں تیرے ہاں جاؤں۔ چنانچہ میں گیا دیکھا بڑی پُرتکلف اور پُرہجوم دعوت ہے۔ دسترخوان پر بیٹھے تمام حضرات کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا: حضرات! عوام میں میری شہرت ایک سود خور کی ہے مگر میں نے کھانا حلال مال سے تیار کرایا ہے۔ میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ سود کھانا گویا کہ اللہ سبحانہٗ کے خلاف

اعلانِ جنگ کرنا ہے چنانچہ میں آپ سب کے سامنے اس قبیح فعل سے توبہ کرتا ہوں اور گزارش کرتا ہوں کہ آپ میرے حق میں دُعا کریں تاکہ اللہ سُبحانہٗ میری توبہ قبول فرمائے۔

اس کے بعد واقعی اس نے توبہ پر استقامت اختیار کی چنانچہ ہمیں صرف بدگمانی کی بناء پر لوگوں کے ہاں آمد و رفت ترک نہیں کرنی چاہیئے بلکہ ایسے افراد سے میل جول بڑھانا چاہیئے تاکہ وہ راہِ راست کی طرف مائل ہوں۔

غُصّہ

اُنہوں نے فرمایا:

ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک گھوڑے پر سوار جا رہا ہوں۔ اچانک گھوڑے نے غیر معمولی حرکت کی اور مجھے زمین پر گرا دیا۔ مجھے بہت غصہ آیا میں اُٹھا اور ہاتھ میں جو ہتھیار تھا اسے دے مارا چنانچہ گھوڑا زخمی ہوگیا۔ گھوڑا گویا ہوا، "جناب میں نے جان بُوجھ کر آپ کو نہیں گرایا بلکہ راہ چلتے اچانک میرے پاؤں کے درمیان ایک اژدھا آگیا تھا اور میں ڈر گیا جس سے جھٹکا لگا اور آپ گر گئے۔ آپ نے مجھے کس جرم کی پاداش میں زخمی کیا ہے؟ آپ نے اس چھوٹی سی بات پر اتنے غم و غصے کا اظہار کیا یہ فعل بجائے خود جانوروں کا سا ہے۔ اس طرح آپ میں اور مجھ میں کیا فرق رہ گیا؟!

میری آنکھ کھل گئی نمازِ تہجد کا وقت تھا یعنی اذانِ فجر میں کوئی ایک گھنٹہ رہ گیا تھا۔ میں جلدی جلدی اٹھا اور مصلے پر کھڑا ہوگیا۔ میں نے تمام نماز میں علی الخصوص سجدوں اور دعائے قنوت میں خاص طور پر نمازِ وتر کی قنوت میں اللہ سُبحانہٗ سے یہی دعا کی کہ اس حیوانی صفت کو مجھ سے دُور رکھے! کیونکہ مذکورہ بالا خواب کے ذریعے میں اچھی طرح سمجھ گیا تھا روح کی ترقی میں حائل پردوں میں کا ایک دبیز پردہ "غصہ" ہے۔

اس کے ہوتے ہوئے ناممکن ہے کہ میں علم و حکمت سے کچھ حاصل کر سکوں کیونکہ امیرالمومنین کے اقوالِ مبارک میں ہے:

غَیْرُ مُنْتَفِعٍ بِالْحِکْمَۃِ عَقْلٌ مَغْلُوْبٌ بِالْغَضَبِ وَالشَّھْوَۃِ یعنی وہ عقل جس پر غیظ و غضب اور حرص و

لالچ کے دبیز پردے پڑے ہوئے ہوں وہ علم و حکمت سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتی۔ اس کے بعد چونکہ میں نے بڑی گڑگڑا کر دعائیں مانگیں اور بقیۃ اللہ الاعظم حضرت امام زمانہؑ کی بارگاہ میں بھی سفارش کی التجائیں کیں۔ اللہ سبحانہٗ نے بڑا کرم فرمایا۔ مجھ پر خاص نظرِ عنایت کی اور اپنے رحم و لطف کا خاص مظاہرہ کرتے ہوئے مجھ سے یہ حیوانی صفت کو دُور فرما دیا۔ اس کے بعد میں اس ٹوہ میں رہا کہ کیا مجھے اس بُری صفت سے سو فیصد نجات مل گئی ہے یا نہیں۔ مگر میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اپنا امتحان کیسے کروں۔ ایک دن میں دور دراز کا سفر کر کے گھر لوٹا، میری غیر حاضری میں گھر میں ایسا واقعہ پیش آیا تھا کہ میں سخت پریشان ہوگیا۔ میں سخت تھکا ہوا تھا۔ میں لیٹ گیا کہ گھڑی دو گھڑی آرام کرلوں مگر ڈیڑھ دو گھنٹوں تک میں کروٹیں بدلتا رہا اور نیند نہ آئی۔ میرا رُواں رُواں ٹوٹ رہا تھا۔ میں نے کئی بار آنکھیں بند کیں اور زبردستی نیند لانے کی کوشش کی مگر بے سود۔ آخر مجھے نیند آہی گئی مگر شاید چند منٹ ہی سویا ہوں گا کہ دروازے کی گھنٹی نے مجھے پھر جگا دیا۔ میرا بدن کپکپا رہا تھا، مگر میں غصے میں نہیں تھا۔ میں نے دروازہ کھولا ایک بے وقوف سا جوان باہر کھڑا کسی کا پتہ دریافت کرنا چاہتا تھا میں نے معذرت کی۔ اس نے تکرار شروع کردی ایک اور صاحب جو غالباً اس بیوقوف لڑکے کی گھنٹی پر باہر آئے تھے اور میری حالت سے آگاہ تھے، مسکرا رہے تھے۔ خیر میں نے دروازہ بند کیا اور دوبارہ بیڈ پر آگیا۔ بے چینی سے میرا بُرا حال تھا۔ بہرحال بہ مشکل تمام پھر ایک مرتبہ سونے میں کامیاب ہوگیا۔ اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی نے دوبارہ جگا دیا۔ رسیور اٹھایا۔ ایک قریبی دوست کا ٹیلیفون تھا جو میرے پاس آنا چاہتے تھے کہہ رہے تھے کچھ باتیں کرنی ہیں جو ٹیلیفون پر نہیں کی جاسکتیں۔ مجھے مجبوراً انہیں بلانا پڑا۔ ظاہر سی بات ہے کہ اب میں سو نہیں سکتا تھا۔ جبکہ وہ صاحب واقعی چند منٹوں میں میرے کمرے میں موجود تھے۔

وہ صاحب یہ کہہ رہے تھے کہ فلاں شخص مجھ سے اپنی بیٹی بیاہنا چاہتا ہے۔ آپ اسے ٹیلیفون کر دیجئے یا ابھی خط لکھ دیجئے کہ اگر وہ اپنی بیٹی مجھ سے بیاہیں گے تو میں اس کو نان ونفقہ نہیں دونگا۔ اُسے اپنے اخراجات خود برداشت کرنے ہوں گے۔ اب میں نے اپنی حالت پر غور کیا اگر میں اپنی پہلی حالت پر ہوتا تو مجھے غصے سے لال پیلا ہو جانا چاہیئے تھا مگر میں بالکل بھی غصے میں نہیں تھا

اور میں نے دیکھا کہ مجھے اپنے اعصاب پر پورا قابو حاصل ہے۔ میں نے اس شخص کو بڑے آرام سے سمجھایا کہ تمہاری یہ شرط غیر شرعی ہے۔ چنانچہ میں سمجھ گیا کہ اللہ سُبحانہٗ نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے میری دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخش دیا ہے اور غیظ و غضب کا حجاب مجھ سے پوری طرح دُور کر دیا ہے۔

ضمنی طور پر یہ بتاتا چلوں کہ جن احادیث اور روایاتِ مقدسہ نے میرے اندر انقلابی تبدیلی پیدا کی وہ مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

اَلْغَضَبُ مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ۔ — تمام برائیوں کی جڑ غیظ و غضب ہے۔

(بحار الانوار جلد ۳، صفحہ ۲۶۳)

امیر المومنین حضرت علیؑ سے پوچھا گیا:

مَنْ اَحْلَمُ النَّاسِ؟ قَالَ الَّذِیْ لَا یَغْضَبُ۔ — سب سے زیادہ حلیم الطبع کون ہے؟! فرمایا جو کبھی غصے میں نہ آئے۔

(امالی صدوق صہ ۲۳۰)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

مَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ۔ — جو شخص غصے پر قابو رکھے، اللہ سُبحانہٗ اس کے عیوب کی ستر پوشی فرماتا ہے۔

(ثواب الاعمال صہ ۱۲۰)

حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا:

اَلْغَضَبُ یُفْسِدُ الْاِیْمَانَ كَمَا یُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ۔ — غصہ انسان کو اس طرح تباہ کرتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو

(بحار الانوار جلد ۳، صہ ۲۶۵)

حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا:

اَلْغَضَبُ جَمْرَةٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ۔ — غصہ شیطان کی طرف سے آیا ہوا ایک پتھر ہے۔

(بحار الانوار جلد ۳، صہ ۲۶۵)

حضرت رسول اکرمؐ سے پوچھا گیا:

مَا يُبْعِدُ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ تَعَالٰى — اللہ سبحانہٗ کے غضب سے کون سی چیز بچاتی ہے؟

قَالَ لَا تَغْضَبْ — فرمایا، غصے میں نہ آیا کرو۔

(بحار الانوار جلد ۳، صہ ۲۶۶)

ابو درداءؓ نے حضرت رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ يُدْخِلُنِيْ الْجَنَّةَ قَالَ لَا تَغْضَبْ — یا رسول اللہؐ ایسا عمل فرمائیے جو مجھے جنت میں داخل کرے فرمایا، غصے میں نہ آیا کرو۔

(بحار الانوار جلد ۳، صہ ۲۶۷)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

مَنْ لَّمْ يَمْلِكْ غَضَبَهٗ لَا يَمْلِكُ عَقْلَهٗ۔ — جو شخص اپنے غصے پر قابو نہ پا سکے اپنی عقل کو قابو میں نہیں لا سکتا

(بحار الانوار جلد ۳، صہ ۲۶۷)

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

مَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ عَنِ النَّاسِ كَفَّ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَنْهُ عَذَابَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ — جس شخص نے لوگوں کو اپنے غصے سے محفوظ رکھا روزِ قیامت اللہ سبحانہٗ اُسے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

(بحار الانوار جلد ۳، صہ ۲۸۷)

لڑائی جھگڑا اور گالی گلوچ

انہوں نے فرمایا:

ہمارے محلے میں ایک نوجوان رہتا تھا جس کے بارے میں عام شہرت تھی کہ وہ بڑا زبان دراز اور لڑاکا ہے حتیٰ کہ خود اس کی والدہ کہا کرتی تھیں کہ جس دن غلام عباس کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کرے کسی کو نہ مارے یا کسی سے مار نہ کھائے وہ خوش خوش گھر نہیں آتا۔ غرضیکہ سب ہی اس کی برائی کرتے نہیں تھکتے تھے۔

ایک دن اس کی ملاقات مجھ سے ہوگئی۔ ظاہراً وہ مجھے پہچانتا تھا۔ اچانک وہ میرے قریب آیا اور نہایت دردمندانہ انداز میں مجھے سلام کیا گویا کہ وہ دوسروں کا ستایا ہوا مجھ سے پناہ کا طالب ہو۔ میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی سی پیدا ہوگئی۔ میں نے بڑی محبت سے کہا غلام عباس کبھی ہمارے ہاں بھی تو آؤ! تم دُور دُور کیوں رہتے ہو! اس نے بڑی عاجزی سے کہا جناب میں فاسق، وفاجر ٹھہرا بھلا میں متقی اور پرہیزگار حضرات کے گھر کیسے آسکتا ہوں؟! میں نے ایک بار پھر نہایت ہمدردی سے کہا "غلام عباس، تم اس طرح کیوں سوچتے ہو! آؤ، ابھی میرے گھر چلو تھوڑی دیر گپ شپ کرتے ہیں۔" اس نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا، نہیں جناب بڑی مہربانی، میرے حال پر رحم فرمائیے۔ میں اس قابل نہیں کہ آپ مجھ پر اتنی شفقت فرمائیں! کیا آپ نے لوگوں سے نہیں سنا کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں۔

میں نے ایک بار پھر بڑی محبت و شفقت سے کہا کہ بھئی تم خواہ مخواہ تکلف کر رہے ہو اور اس قدر کسرِ نفسی کر رہے ہو۔ میں تو اس محلے میں سب سے زیادہ تمہی کو چاہتا ہوں! جب اُس نے میری زبان سے یہ جملہ سنا واقعی اس کے پیشانی پر پسینہ آگیا اور میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا، شاید آپ کو معلوم نہیں کہ لوگ میری زبان اور ہاتھوں سے سخت نالاں ہیں۔ آپ شاید نہیں جانتے کہ

میں ایک جھگڑالو آدمی ہوں اور چاقوزنی کے کئی جرم میں کئی بار جیل بھی کاٹ چکا ہوں. شاید آپ کے علم نہیں کہ میں گالیاں بکنے والا اور بہت برا آدمی ہوں. آپ کیونکر میرا احترام کر رہے ہیں؟! میں نے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا یہ سب ٹھیک ہو جائے گا. دراصل اس سب کچھ کے باوجود تم میں کئی خوبیاں بھی تو ہیں. جن کی وجہ سے میں تمہیں پسند کرتا ہوں!

وہ بڑا حیران ہوا اور بڑی بیتابی سے ذرا قریب آیا اور پوچھنے لگا. مجھ میں خوبیاں؟! میں تو ان خوبیوں سے خود بھی واقف نہیں ہوں. میں نے کہا یہی سب سے بڑی خوبی ہے کہ تم اچھا اور نیک ہونے کے باوجود فخر وتکبر میں مبتلا نہیں ہو بلکہ اپنے آپ کو ایک خطاکار انسان سمجھتے ہو اور منکسر ہو! دوسری خوبی یہ ہے کہ تم دلیر ہو، باغیرت ہو. میں نے اس طرح چند باتیں اس سے کہیں جو جھوٹ بھی نہیں تھا. اور اس کے دل میں میرا احترام بھی پیدا ہو رہا تھا. وہ بڑا خوش ہو رہا تھا اور چونکہ ہم باتیں کرتے ہوئے گھر کی طرف چلے بھی آرہے تھے. جب میرا گھر بالکل قریب آگیا میں اصرار کر کے اس کو گھر لے جانے میں کامیاب ہوگیا. تھوڑی بہت اس کی تواضع کی پھر بڑی محبت سے اس سے کہا کہ اب تم میرے دوست بن گئے ہو تو بس اب ان تمام باتوں کو چھوڑ دو جن کو تم خود بھی برا سمجھتے ہو!

وہ اندر سے ہل کر رہ گیا تھا گلوگیر آواز میں بولا کہ جناب میں نے خود بھی کئی بار ان باتوں کو ترک کرنے کی کوشش کی ہے مگر ناکام رہا. مجھے کچھ عادت سی ہو گئی ہے کہ جب کبھی میری مرضی کے خلاف کوئی بات ہو جاتی ہے مجھے اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا. میں نے کئی بار بڑا پکا ارادہ کیا ہے کہ لڑائی جھگڑا نہ کروں مگر میں کامیاب نہیں ہو سکا.

میں نے اسے سرگوشی کرتے ہوئے کہا، دوست! میں تمہیں طریقہ بتاؤں گا کہ یہ تمام ناپسندیدہ باتیں خود بخود چھوٹ جائیں گی. مجھے بخوبی معلوم ہے کہ تم ایک پختہ ارادے کے آدمی ہو اور جس بات کا تہیہ کر لو اس کو پورا کر کے ہی دم لیتے ہو. تم سے میری صرف ایک ہی درخواست ہے کہ میں تمہیں جو کچھ کہوں بس اس پر عمل کرو!

اس نے نہایت خود اعتمادی سے کہا، کیوں نہیں، کیوں نہیں میں تو آپ کے کہنے پر جان کی بازی

بھی نکلنے کو تیار ہوں۔ میں نے اسے مندرجہ ذیل طریقہ بتایا:

غلام عباس! جب تمہیں کسی پر غصہ آئے اور لڑنے لگو تو اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جایا کرو اور اگر بیٹھے ہو تو کھڑے ہو جایا کرو بس پھر جتنا چاہے لڑا کرو۔ اس نے مان لیا۔

غلام عباس! گالی گلوچ ترک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی تم کسی کو گالی دینا چاہو تو پہلے درود شریف پڑھ لیا کرو پھر جتنی مرضی گالیاں دیا کرو۔ اس نے اس بات کو بھی مان لیا۔

غلام عباس، لوگوں سے عداوت ختم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب تمہیں کسی سے بدگمانی پیدا ہو تو یہ سمجھا کرو کہ یہ لوگ تو میرے خدا کی مخلوق ہیں مجھے ان کی مدد کرنی چاہیئے! اس نے ایسا کرنے کا بھی وعدہ کر لیا۔

اس کے بعد غلام عباس چلا گیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ میری بتائی باتوں پر یقیناً عمل کرے گا کیونکہ وہ ایک پختہ ارادے کا آدمی تھا اور مجھ سے وعدہ کر کے گیا تھا۔

اس بات کو شاید تین دن گزرے ہوں گے کہ وہ دوبارہ آیا۔ کہنے لگا جناب! جیسا آپ نے فرمایا تھا میں نے ویسا ہی کیا نتیجہ یہ ہوا کہ میں کسی ایک کو گالی بھی نہ دے سکا۔ اور نہ کسی ایک سے جھگڑا کر سکا۔ چنانچہ میرے ہاتھوں میں کھجلی اور میری زبان میں لکنت ہونے لگی۔ میں آپ سے کیا ہوا وعدہ واپس لیتا ہوں۔ میں نے بڑی محبت سے اس کے کندھے دباتے ہوئے کہا دیکھو! یہاں بیٹھ جاؤ اور جتنی چاہو مجھے گالیاں دے لو اور مجھے مار کر اپنے ہاتھ اور زبان کا نشہ پورا کر لو مگر باہر کسی سے ایسا مت کرنا تم ایک پختہ ارادے کے آدمی ہو اپنی مردانگی کو داؤ پر مت لگاؤ! وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولا میری زبان گنگ ہو جائے اور میرے ہاتھ شل ہو جائیں اگر میں آپ سے کوئی بدتمیزی کروں یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

کئی دن گزر جانے کے بعد ایک دفعہ پھر وہ آیا اور بڑی حیرت سے کہنے لگا۔

جناب عالی! میری حالت بڑی مضحکہ خیز ہو گئی ہے۔ میرے ساتھی آتے ہی مجھ سے چھیڑ خوانی کرتے ہیں، جب مجھے غصہ آتا ہے تو ایک لحظہ کے لئے میں بیٹھ جاتا ہوں۔ وہ سب لوگ ہنسنے لگتے ہیں

مجھے بھی اپنی حالت پر ہنسی آجاتی ہے اور غصہ جاتا رہتا ہے۔ ابھی کل ہی بات ہے کہ میں ایک صاحب کو گالی دینے لگا وعدہ کے مطابق پہلے "صلوات" پڑھی، اس کے بعد سوچا صلوات کے بعد گالی! بڑی بے جوڑ بات ہے! علی الخصوص جبکہ میرے مخاطب ایک سید صاحب تھے۔

آپ نے بتایا تھا کہ ایک لحاظ سے "آل محمدؐ" میں سادات بھی شامل ہیں، یہ بڑی حماقت ہے کہ ان کے لئے دعا بھی کریں اور گالی بھی دیں؟! جناب والا میں بڑی مشکل سے دوچار ہوں البتہ ان چند دنوں میں گالیاں بکنے کی عادت تقریباً پچاس فیصد ختم ہوگئی ہے۔ میں نے اس کو اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا، آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ ان چند دنوں میں تم نے کس قدر بری عادت سے نجات حاصل کرلی ہے۔ میں نہیں کہتا بلکہ ہم سب کے خالق اور مالک کا یہی حکم ہے۔ اسی طرح ہم سب کے آقا ومولا حضرت رسول اکرمؐ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کا بھی یہی حکم ہے۔ اس کے بعد میں نے مندرجہ ذیل چند آیات اور روایات کا اس کو حوالہ دیا۔

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ۔

(سورہ انفال آیت نمبر ۴۶)

ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی جھگڑے سے باز رہو کہ لڑائی جھگڑے سے تمہاری شدید سبکی ہوتی ہے اور تم ذلیل و رسوا ہوتے ہو!

وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا۔ (سورہ حشر آیت نمبر ۱۰)

یعنی مؤمنین کے بارے میں ہمارے دلوں میں کینہ و عداوت پیدا نہ ہونے دے۔

اسی طرح روایات میں آیا ہے،

۱

عَنِ الْإِمَامِ الرِّضَا (ع) عَنْ رَسُولِ اللهِ (ص) إِيَّاكُمْ وَمُشَاجَرَةَ النَّاسِ فَإِنَّهَا تُظْهِرُ الْغِرَّةَ وَتَدْفِنُ الْعِزَّةَ۔

(بحار الانوار جلد ۵، ص ۲۱۰)

حضرت امام رضاؑ نے حضرت رسول اکرمؐ کے حوالے سے فرمایا: مسلمانو! آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرنا کیونکہ لڑائی جھگڑا نادانی ہے اور انسان کو معاشرے میں ذلیل و رسوا کرتا ہے۔

(ب)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) لَمْ يَزَلْ جِبْرَائِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْهَانِيْ عَنْ مُلَاحَاتِ الرِّجَالِ كَمَا يَنْهَانِيْ عَنْ شُرْبِ الْخَمْرِ وَعِبَادَةِ الْأَوْثَانِ.

حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا: ہمیشہ جبرائیل امینؑ نے باہمی لڑائی جھگڑے کے وہی نقصانات بتائے جو شراب خوری اور بت پرستی کے ہیں۔

(بحار الانوار جلد ۵، ص ۲۱۰)

جب غلام عباس نے ان آیات اور روایات کو سنا وہ زار و قطار رونے لگا۔ تھوڑی دیر تک ایک خاص کیفیت اس پر طاری رہی اس کے بعد وہ سنبھلا، آنکھیں صاف کیں میری طرف بڑی پر اعتمادی سے دیکھ کر کہنے لگا۔ جناب والا! اب میں بُری طرف ہرگز نہ جاؤں گا!!

اللہ سبحانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس کے بعد نہ صرف یہ کہ اس نے لڑائی جھگڑا اور گالی گلوچ سے مکمل اجتناب کیا بلکہ تزکیۂ نفس کے دیگر مراحل بھی طے کرنے لگا۔ چنانچہ آج وہ اللہ سبحانہٗ کے نیک بندوں میں شامل ہے۔

مخلوقِ خدا سے مہر و محبت

انہوں نے فرمایا:

کئی برس سے دل میں ایک امنگ اٹکھیلیاں لے رہی تھی کہ کاش! روحانی کمالات تک دسترس حاصل ہو جائے مگر طریقۂ کار لاعلم ہونے کی وجہ سے مسلسل ناکامی کا سامنا رہا تھا۔ اسی دوران میں ایک اور انکشاف ہوا کہ میرے نفس پر ایک دبیز سا پردہ پڑا ہوا ہے جو میری روح کو برابر پریشان کر رہا ہے۔ یہ پردہ عوام الناس سے بے مروتی اور ان کی لغزشوں کو معاف نہ کرنے کا تھا۔ یہ غیر انسانی عادت میری رُوح کو کچوکے لگاتی رہتی تھی۔ یہ انکشاف اس وقت مزید واضح ہوگیا جب میں نے ایک کتاب میں آیۃ اللہ حسن مدرس مرحوم کا وہ واقعہ پڑھا کہ انہوں نے حملہ آور دہشت گردوں کو معاف کر دیا تھا۔ ہوا یوں تھا کہ آیۃ اللہ مدرس، اصفہان کے مدرسہ "جدہ بزرگ" میں مصروف تھے کہ چند کرائے کے قاتل آئے اور

ان پر فائرنگ کر دی مگر آپ بالکل محفوظ رہے۔ حملہ آور فرار ہونا چاہتے تھے کہ چند مضبوط قسم کے شاگردوں نے ان کو قابو کر لیا ہتھیار چھین لئے اور آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس موقع پر جناب آیۃ اللہ نے ان سے فرمایا، جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔ جلدی جلدی یہاں سے کسی مخفی جگہ پر چلے جاؤ ایسا نہ ہو کہ پولیس تمہیں پکڑ لے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ میرے دشمنوں نے تمہیں دھوکے سے اس کام پر مامور کیا ہے جبکہ تم مجھ سے واقف نہیں ہو اس لئے تمہارا کچھ قصور نہیں !

جب میں نے یہ واقعہ پڑھا اور اس سے پہلے میں حضرات ائمۂ اطہارؑ کے بیسیوں ایسے واقعات پڑھ چکا تھا جس میں انہوں نے اپنے بدترین مخالفین حتیٰ کہ قاتلوں تک کے ساتھ نرم رویہ اختیار کیا تھا جس میں حضرت امیرالمومنین کا اپنے قاتل ابنِ ملجم کے ساتھ نہایت مشفقانہ رویہ سرفہرست ہے، تو میں پوری طرح سمجھ گیا کہ مجھ میں یہ بہت بڑا عیب ہے کہ میں لوگوں سے سخت رویہ اختیار کئے ہوئے ہوں اور اگر کوئی شخص غلطی کرتا ہے تو میں کبھی بھی اس کو معاف کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ مجھے بہرحال یہ عادت ترک کرنی چاہیئے۔ انسان کو دوسرے انسان بھائیوں کا دوست اور خیرخواہ ہونا چاہیئے۔

حضرت رسولِ اکرمؐ سے ایک روایت منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

مَنْ اَصْبَحَ وَلَا یَهْتَمُّ بِاُمُوْرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَلَیْسَ بِمُسْلِمٍ۔

"جو شخص صبح و شام اپنے ہی حال میں مست رہے اور دوسروں کا خیال نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔"

یہ تو جانورپن ہے کہ ہر وقت اپنی ہی فکر میں رہنا اور دوسروں کا خیال نہ کرنا۔ انسان کو دوسروں کے لئے جذبۂ قربانی رکھنا چاہیئے۔ دوسروں کے آرام کی خاطر اپنے آپ کو تکلیف دینے کی عادت ڈالنا چاہیئے۔ اور صبح و شام مخلوقِ خدا کی خدمت کے لئے تیار رہنا چاہیئے!

میں نے اپنی اس روحانی مرض کے لئے فیصلہ کیا کہ چالیس دن تک برابر ہر روز صبح سورہ دہر کی ایک مرتبہ تلاوت کیا کروں گا۔ میں نے اس وظیفے کے بارے میں نہ کسی عالم سے سنا تھا

اور نہ ہی کسی کتاب میں پڑھا بلکہ میرے اس فیصلے کی بنیاد حضرت امام حسن مجتبیٰ ؑ کی روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

مَنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ کَانَتْ لَهٗ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ بِهٖ اِمَّا مُعَجَّلَةٌ وَ اِمَّا مُؤَجَّلَةٌ۔

یعنی کسی حاجت کے لئے قرآن مجید کی کوئی بھی سورہ پڑھی جائے تو جلد یا بدیر وہ حاجت ضرور پوری ہو جاتی ہے۔

(بحار الانوار جلد ۹۲ ص ۲۰۴)

اس سورہ مجیدہ کے انتخاب کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس سورہ مبارکہ میں پنجتن پاک علیہم السلام کے ایثار و قربانی کی بہترین مثال کا ذکر کیا گیا ہے اور یقیناً یہ سورہ جذبہ ایثار و قربانی کو وجود میں لانے کا بہترین وسیلہ بن سکتی تھی۔ خصوصی طور پر میں سورۂ مبارکہ کی تلاوت کے بعد اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں دست دعا بلند کرتا تھا اور جناب امیر المومنین، حضرت فاطمۃ الزہرا ؑ اور حسنین علیہم السلام کا واسطہ دے کر التجا کرتا تھا کہ میری اس روحانی مرض کو شفا عطا فرما اور میری روح کو اس غلاظت سے نجات دے کر پاک و پاکیزہ بنا دے۔

آخر ایک دن جب میں دوپہر کے کھانے کے بعد سستانے لیٹا تو سو گیا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک سید صاحب جو عبا کا لباس زیب تن کئے ہوئے تھے، تشریف لائے میری پشت پر ہاتھ مارا اور میری رگوں سے تھوڑا سا سیاہی مائل خون نکال کر پھینک دیا۔ فوراً ہی میں اپنے آپ کو ہلکا سا محسوس کرنے لگا، میرا دل نرم پڑ گیا اور عوام کی محبت گویا کہ میرے دل میں پیدا ہو گئی۔ البتہ میں ان بزرگ کو پہچان نہ سکا۔ اگلی صبح ایک سید صاحب واقعی میرے پاس تشریف لائے جن کا بہت حد تک حلیہ خواب میں آنے والے بزرگ سے ملتا تھا۔ انہوں نے مجھ سے کسی ایسی چیز کا تقاضا کیا جس کو مہیا کرنا میرے لئے بہت مشکل کام تھا۔ میں نے حسب سابق ان سے جان چھڑانا چاہی مگر انہوں نے مجھے نصیحت فرمائی اور ایک مہربان باپ کی طرح مجھے اس بری عادت کو ترک کرنے کی ہدایت فرمائی۔ مجھے ایک دم کل والا خواب یاد آ گیا۔

اور بالکل ایسا لگا کہ ان بزرگ کی نصیحت آموز باتوں سے میری یہ بری عادت اس طرح مجھ سے

دور چلی گئی تھی جس طرح میری رگوں سے سیاہی مائل خون نکال کر پھینک دیا گیا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ میرا دل نرم ہوتا گیا اور لوگوں کے بارے میں میرے دل میں محبت سی پیدا ہوتی گئی۔ میں نے اس نعمتِ غیر مترقبہ کے شکر کے طور پر ان بزرگ سید کا کام کر دیا۔ گرچہ وہ میرے لئے ایک مشکل کام تھا مگر بعد میں مجھے پتا چلا کہ میرے سوا اس کام کو کوئی کر بھی نہیں سکتا تھا۔

اللہ سُبحانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس واقعے کے بعد میں لوگوں کے امور میں دلچسپی لینے لگا اور ان کی ضروریات کو اپنی ضرورت پر ترجیح دینے لگا۔ میں نے گویا کہ اپنے آپ کو خدمتِ خلق کے لئے وقف کر دیا۔ کیونکہ مجھے یاد آیا انسان کی روزی تو اللہ سُبحانہٗ نے خود اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ چنانچہ وہی کام جو عام طور پر لوگ اپنی روزی کمانے کے لئے کرتے ہیں، میں لوگوں کی خدمت کے طور پر کرنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر قسم کی غفلت اور عدم توجہی ختم ہو گئی۔ دھوکا اور فریب جاتا رہا اور میرے سارے کام اللہ سُبحانہٗ کی خوشنودی کے لئے وقف ہو گئے۔

جلد بازی

انہوں نے فرمایا:

میں نوجوانی میں خاصہ جلد باز تھا یعنی کہ یہ چاہتا تھا ہر کام وقت سے پہلے پہلے کر لوں اور دوسرے بھی میرے لئے ایسا ہی کریں۔ ظاہر ہے ایسے میں ہر وقت کی افراتفری ہی رہتی تھی نہ صرف یہ کہ کوئی کام صحیح انجام نہیں پاتا تھا قبل از وقت مایوسی اور ناکامی کا احساس بھی ہونے لگتا تھا نتیجہ یہ رہتا تھا کہ کبھی کوئی کام ہوا ہی نہیں تھا۔

یہاں میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں اور باالفاظ محترم استاد بتا دینا چاہتا ہوں کہ جلد بازی سے مراد کیا ہے! جلد بازی سے مراد یہ ہے کہ کوئی کام وقت سے پہلے کرنے کی کوشش کرنا نہ یہ کہ وقت پر کام سست رفتاری سے کرنا بلکہ وقت پر کام میں جلدی اور تیزی ایک مستحسن فعل ہے۔

اسی لئے اللہ سُبحانہٗ نے سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۴۸ میں ارشاد فرمایا ہے:

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ‏ اچھے کاموں میں تیزی کرو اور ایک

دوسرے پر بعجلت لے جاؤ

پس جلد بازی سے مراد یہ ہے کہ پکنے سے پہلے پھل توڑ لینا، گرم گرم کھانا کھالینا، وقت سے پہلے نماز کے لئے کھڑا ہو جانا۔ اسی طرح جن امور کا وقت مقرر ہے ان کو وقت سے پہلے کرنے کا نام جلدبازی ہے۔ خواہ انسان خود کرے یا دوسروں سے توقع کرے۔

انہوں نے فرمایا:

اس عادت نے مجھے اوائل جوانی میں ہی بڑا پریشان کیا۔ میں نے استاد محترم کی اجازت کے بغیر ہی اس روحانی مرض کی شفا کے لئے بہت پاپڑ بیلے۔ مثلاً میں نے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے کئی دعاؤں کا ورد کیا حتیٰ کہ چلے کاٹے مگر بعد میں احساس ہوا کہ ان اعمال کا بجا لانا بجائے خود "جلد بازی" ہے۔ مجھے ابھی اتنے اعمال اور وظائف کی ضرورت نہ تھی بلکہ صرف خود احتسابی کے ذریعے میں اس روحانی مرض پر خاطر خواہ قابو پا سکتا تھا۔ یہ بات میں نے مکہ معظمہ میں شب عرفہ ایک خدا رسیدہ بزرگ سے سیکھی:

ہوا یوں کہ آٹھ ذوالحجہ کے دن غروب آفتاب کے قریب میں مسجد حرام کے ایک کونے میں بیٹھا عبادت کر رہا تھا کہ تھکاوٹ کی وجہ سے مجھے نیند آگئی۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب اکثر حجاج کرام میدان عرفات میں پہنچ چکے ہوتے ہیں تاکہ شب عرفہ وہیں گزاریں اور جو حجاج ابھی تک نہ جاسکیں ہوں وہ عنایت عجلت میں وہاں پہنچنا چاہتے ہیں۔ اچانک میری آنکھ کھلی تو میدان عرفات پہنچنے میں دیر کے احساس نے مجھے پریشان کر دیا۔ چنانچہ میں غیر معمولی جلدی میں تھا تاکہ معنویت سے مالا مال اس میدان میں جلد پہنچ سکوں! اچانک میری نظر ایک خدا رسیدہ بزرگ پر پڑی جو نہایت اطمینان سے نماز مغربین ادا کرنے کے لئے مسجد حرام میں داخل ہو رہے تھے۔ میں نے ان سے عرض کیا، کیا آپ وقوف عرفات کے لئے تشریف نہیں لے جائیں گے؟! انہوں نے بڑی متانت سے جواب فرمایا کہ بھئی ابھی وقوف کا وقت کب ہوا ہے؟! اس کے بعد انہوں نے بڑی گرمجوشی سے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور میری جلدبازی سے واقف حال ہونے کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگے: جلد بازی نہیں کرتے۔ کل صبح

ساڑھے نو بجے اکٹھے میدانِ عرفات چلیں گے۔ میں جو ابھی بھی اپنے آپ کو دیر سمجھ رہا تھا۔ کل تک کا تحمل کیسے ہو سکتا تھا؟! میں نے اپنا ہاتھ چھڑوایا اور یہ کہتے ہوئے مڑنے لگا کہ کمال ہے! سب حجاج کرام جا چکے ہیں اور آپ کل کی بات کر رہے ہیں؟! انہوں نے حیرت کی حد تک اطمینان اور سکون سے فرمایا: بھئی وہ سب اس لیے ابھی چلے گئے ہیں تاکہ کل ہمارے لیے راستہ صاف رکھیں۔

اس کے بعد وہ رک گئے اور نصیحت فرماتے ہوئے مجھے کہنے لگے: اگر تم اسی وقت ہی جانا چاہتے ہو تو اس طرح افراتفری میں مت جاؤ۔ خواہ مخواہ اپنے آپ کو پریشان نہ کرو۔ اطمینان سے بس اسٹاپ پر کھڑے ہو جاؤ، بس آئے تو سوار ہو کر عرفات چلے جانا! اس کے بعد مشورے کے طور پر کہنے لگے بہتر یہ ہے کہ آؤ مسجدِ حرام میں آرام سے نمازِ مغرب ادا کریں اس کے بعد فیصلہ کریں گے کہ ابھی چلیں یا صبح! میں نے کہا مجھے ڈر ہے کہ عرفات کے وقوف سے محروم نہ رہ جاؤں۔ مسکرا کر کہنے لگے تم جوان آدمی ہو اور یہاں سے عرفات کا فاصلہ پندرہ کلومیٹر سے زیادہ نہیں ہے اگر پیدل بھی جاؤ تو کل ظہر تک کئی مرتبہ وہاں جا کر آ سکتے ہو!

ضمنی طور پر بتاتا چلوں کہ مناسکِ حج میں میدانِ عرفات میں ٹھہرنے کا وقت نو ذوالحجہ کو ظہر سے لے کر نمازِ مغرب تک کا ہے۔ مگر حجاجِ اکرام آٹھ ذوالحجہ کو اس لئے چلے جاتے ہیں کہ کہیں نو کے دن زیادہ بھیڑ کی وجہ سے کوئی ناقابلِ عبور رکاوٹ پیش آ جائے۔

بہرحال مجھے ان بزرگ کی بات ماننا پڑی۔ ہم نے مسجد حرام ہی میں اکٹھے نماز ادا کی۔ نماز کے بعد انہوں نے فرمایا آؤ ہوٹل چل کر کھانا کھاتے ہیں مجھے ان کی معیت میں ایک خاص لطف آ رہا تھا۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ ہو لیا، کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد وہ کہنے لگے۔ یہ رات "شب عرفہ" ہے۔ آؤ مسجد حرام میں عبادت کریں۔ میں نے پھر وہی بات دہرائی کہ عرفات پہنچنے کا کیا ہوگا؟ انہوں نے فرمایا بھئی صرف تم نے ہی تو حج نہیں کرنا میں نے بھی کرنا ہے لہٰذا جس طرح میں وہاں پہنچوں گا تم بھی پہنچ جانا۔ بہرحال ہم دوبارہ مسجد حرام پہنچ گئے اور اذانِ فجر تک عبادت کرتے رہے۔ اس وقت تک میری طبیعت میں بھی کچھ ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ مگر جب بعد نمازِ فجر وہ بزرگ دوبارہ ہوٹل آ گئے اور بڑی لاپرواہی سے بستر پر

دراز ہو گئے۔ مجھے بھی تھوڑی دیر سو لینے کا مشورہ دیا۔ مجھے پھر تاؤ آگیا میں نے کہا کمال ہے! اگر نیند نہ کھلی اور ہم عرفات نہ پہنچ سکے تو کیا ہوگا! انہوں نے بڑے یقین سے فرمایا انشاء اللہ آٹھ بجے میں اُٹھ جاؤں گا اور نو بجے ہم عرفات کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ تم بھی میرے ساتھ ہو گے۔ اگر تم سو جاؤ گے تو میں تمہیں جگاؤں گا یا پھر اگر جاگتے رہو گے تو بھی میرے ساتھ چلے جانا!

میں نے مزید کچھ نہ کہا وہ سو گئے۔ میں اگرچہ شب بھر نہ سویا تھا مگر وقوفِ عرفہ کے شوق میں نہ سویا بلکہ برابر گھڑی پر نظریں جمائے رہا اور آٹھ بجنے کا انتظار کرتا رہا۔ ابھی آٹھ بجنے میں چند سیکنڈ باقی تھے کہ وہ اللہ کا ولی جاگ اٹھا۔ ہم دونوں مسجد حرام گئے۔ انہوں نے بڑے خضوع و خشوع سے دو رکعت نماز ادا کی۔ دونوں نے احرام باندھا اور باہر آکر سڑک کے کنارے بیٹھ گئے۔ بسیں لگاتار آرہی تھیں اور عرفات جانے والوں کو بٹھا کر منزل کی طرف جا رہی تھیں۔ ہم بھی ایک بس میں سوار ہو گئے اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت کے بعد عرفات جا پہنچے۔ کوئی ساڑھے دس کا وقت ہوگا گویا کہ وقوفِ عرفات کے وقت شروع ہونے میں ابھی بھی دو گھنٹے باقی تھے۔ یہاں ان بزرگ نے مجھے بڑے سخت الفاظ میں نصیحت کی۔ انہوں نے کہا، دیکھو! یہ میدان عرفات ہے یہاں حقائق کی پہچان کرنی چاہیئے۔ کسی کام میں جلد بازی نہ کرنا۔ کیونکہ جلد بازی میں وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور کوئی کام ٹھیک سے ہو بھی نہیں پاتا۔ جلد بازی ایک شیطانی صفت ہے اور جلد باز شیطان کے گروپ کا آدمی ہوتا ہے۔ میں گزارش کروں گا اس میدان میں حضرتِ قائم آلِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور تشریف لاتے ہیں۔ ان کی خدمت میں التماس کرو کہ تمہیں اس بیماری سے نجات دیں! اس لحاظ سے تمہاری ذہنی حالت ٹھیک کریں تاکہ آئندہ تم کوئی کام قبل از وقت نہ کرو۔ اور ہاں! یاد رکھو اس عادت کو ترک کرنے میں بھی جلد بازی نہ کرنا بلکہ بڑے تحمل اور بڑے غور و خوض کے بعد اس پر قابو پانا جیسا کہ تم نے دیکھا کہ کل رات اب تک میں نے کس طرح تمہاری اس حالت کو بدلنے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا تدریجاً اس پر قابو پانا اور ہر کام سے پہلے پوری طرح غور و خوض کی عادت ڈالو!

میں نے ان بزرگ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور اس دن کے بعد بھی ان کی راہنمائی کی کاربندی کی۔ چنانچہ اللہ سبحانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے بڑے انہماک سے حضرتِ حجۃ بن الحسن

علیہما الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اپنی اس مشکل کو پیش کیا اور اس پر قابو پانے میں کامیاب رہا۔

تکبر اور بڑائی

انہوں نے فرمایا:

طالب علمی کے زمانے میں ایک دن روضہ حضرت معصومہ قم سلام اللہ علیہا میں زیارت پڑھنے میں مگن تھا کہ ایک صاحب جو اپنے آپ کو خدا رسیدہ سمجھتے تھے اور دن رات عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے، مفاتیح الجنان پکڑے میرے پاس آئے۔ میں ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ چنانچہ میں احتراماً کھڑا ہوگیا اور ان کو سلام عرض کیا۔ انہوں نے جواب سلام دیا مگر نہ جانے کیوں مجھے ان سے گھن آنے لگی۔ اور ان کی قربت سے بھاگ جانے کو جی چاہا مگر اچانک خائف ہوگیا کہ یہ شیطانی وسوسہ ہوگا۔ کسی سے بدظن نہیں ہونا چاہیے چنانچہ میں ان کے پاس بیٹھ تو گیا مگر اندر سے میں مضطرب رہا۔ میں ایک سیکنڈ بھی ان پر نگاہ ڈالنے کو تیار نہ تھا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میں تو ہمیشہ اپنی روحانی بیماریوں کا کھوج نکالا کرتا ہوں اس وقت بھی مجھے غور کرنا چاہیے کہ میں کسی روحانی مرض کا شکار ہوگیا ہوں یا یہ صاحب کوئی گھٹیا صفت رکھتے ہیں جس کی وجہ سے میں ان سے متنفر ہوا ہوں۔ بہرحال میں ان سے گفتگو کرنے کو تیار ہوگیا۔ ہم نے روحانی کمالات اور صفات پر تھوڑی دیر بات چیت کی۔ دو چار باتوں ہی میں معلوم ہوگیا کہ وہ اپنے آپ کو ہمہ صفت موصوف سمجھتے ہیں اور بقول ان کے روحانی کمالات کے آخری درجے پر فائز ہیں۔

مجھ سے کہنے لگے یہ کیا بات ہوئی کہ سادات حضرات کو محض حضرت رسول اکرمؐ کی اولاد سمجھ کر اس طرح قابلِ احترام سمجھا جائے گویا کہ وہ بڑی صفات کے حامل ہیں۔ دیکھو! غور سے سنو! جب تک کوئی شخص، چاہے کسی کی اولاد ہو، عبادت نہ کرے، واجبات و مستحبات پر عمل نہ کرے۔ اللہ سبحانہٗ کے ہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں! روحانی مقام حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان تمام واجبات پر عمل کرے اور تمام محرمات سے بچے! مختصر یہ ہے کہ وہ تمام باتیں جو دینِ مقدس میں مسلّم ہیں وہ صاحب بڑی تفصیل کے ساتھ مثالیں دے دے کر مجھے بتا رہے تھے مگر ان کا طرزِ گفتگو اور لہجہ

نہایت متکبرانہ اور طنزیہ تھا کہ میں نے خاموش رہنے ہی میں عافیت سمجھی۔ آخر تنگ آگیا اور میں نے یہ سوال پوچھ ہی لیا کہ اگر کوئی شخص حیوانی خصائل رکھتا ہے کیا واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے پرہیز کرنے کی وجہ سے روحانی کمال حاصل کر سکتا ہے ؟ یہ سوال سن کر وہ صاحب تو سیخ پا ہو گئے اور بڑی نخوت سے بولے کہ کبھی تم ملاؤں سے بات نہیں کی جا سکتی فوراً فتوے لگانا شروع کر دیتے ہو۔ ارے بیوقوف جو آدمی واجبات بجالاتا ہو اور محرمات سے پرہیز کرتا ہو کیا وہ حیوان ہوگا ؟! میں نے نہایت مودبانہ عرض کیا یہ تو ٹھیک ہے مگر آپ تصویر کے دوسرے رُخ پر بھی تو غور کریں کہ اگر کوئی شخص حیوانی عادتیں رکھتا ہے کیا وہ واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے پرہیز کی وجہ سے روحانی ترقی کر سکتا ہے ؟! انہوں نے منہ پھیرتے ہوئے بڑی حقارت سے کہا، ارے احمق ! کاش تم علم دین حاصل نہ کرتے، نہ علم کا پردہ تمہاری عقل پر پڑتا اور نہ تم اتنے ضدی ہوتے بلکہ اتنی واضح بات فوراً سمجھ جاتے ! میں سمجھ گیا کہ موصوف بیمار ہیں۔ تکبر اور خود بڑائی کی روحانی مرض میں مبتلا ہیں۔ ساتھ ساتھ جہل مرکب میں بھی گرفتار ہیں لہذا ان سے بات کرنے کا نہ صرف یہ کہ کوئی فائدہ نہیں بلکہ اُلٹا مجھے نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ میں وہاں سے کسی طرح کھسک آیا۔

انہوں نے فرمایا:

ایک دن میں کتاب "نجم الثاقب" کا مطالعہ کر رہا تھا تاکہ ان بزرگ شخصیات کے حالات سے آگاہی حاصل کروں جو غیبت کبریٰ میں بارگاہِ حضرت حجت ؑ میں رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ایک صاحب جو میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ علم فلسفہ اور اسی طرح کے چند دیگر ظاہری علوم کی اصطلاحات ازبر کئے ہوئے تھے اور اس بناء پر اپنے آپ کو علامہ دہر سمجھتے تھے۔ مجھے کہنے لگے تم جیسے پڑھے لکھے آدمی کے لئے بڑی بری بات ہے کہ ان کہانیوں پہ وقت ضائع کرو اور ان کو سچ سمجھو ! میں نے عرض کیا، کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جناب الحاج نوری مرحوم نے جو اعلیٰ درجے کے عالم تھے اور معنویت میں بھی ان کا ایک مقام ہے، یہ واقعات جعل کئے ہیں ؟!

وہ کہنے لگے : بھئی سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ان واقعات پر بالکل اعتماد نہیں اور بنیادی

طور پر بات بھی یہی ہے کہ کیا وجہ ہے کہ ہم جو دن رات علوم و معارف سیکھنے میں جتے رہتے برس ہا برس سے اتنی محنت شاقہ کر رہے ہیں ہمیں تو حضرت امام زمانہؑ نظر نہیں آتے اور ادھر ایسے غیرے نتھو خیرے اور حاجی علی بغدادی، اسماعیل ہرقلی اور علی بن مہزیار اہوازی جیسے جاہل، دہاتی کو آپؑ کی بارگاہ میں شرف باریابی حاصل کر لیتے ہیں ؟!

اس گھٹیا سوچ پر مبنی سوال کا جواب بالکل واضح تھا مگر میں کچھ نہ بولا. البتہ میں یہ بات سمجھ گیا کہ انسان کی علمی اور معنوی ترقی میں حائل خطرناک رکاوٹوں میں کی ایک رکاوٹ "عجب" اور "تکبر" ہے انسان کو جو کچھ بھی میسر ہوتا ہے وہ اللہ سبحانہٗ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خود کو بے نیاز سمجھنے لگے۔ قرآن مجید میں بھی یہی فرمایا گیا ہے ؛

أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ — یعنی اللہ سبحانہٗ کے علاوہ سب محتاج محض ہیں

(الفاطر آیت نمبر ۱۵)

حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص تمام عبادات، اعمالِ صالح اور قوانینِ شریعت پر غور کرے تو صاف پتا چل جائے گا کہ اس سب کچھ کا حاصل صرف دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ اللہ سبحانہٗ کو ہر چیز سے غنی اور بے نیاز جان لینا اور دوسرے یہ کہ اپنے آپ کو محتاجِ محض پانا. چنانچہ اگر کسی میں سوئی کے نکے کے برابر بھی تکبر اور بڑائی پائی جائے تو اس نے بندگی کی حقیقت کو چھوا ایک نہیں اور اس کے وجود اور اللہ سبحانہٗ کے درمیان بڑے گہرے پردے موجود ہیں. اس موذی مرض کا علاج صرف اور صرف یہی ہے کہ انسان عبادات کے مقصد کو سمجھے اپنے اندر بندگی کی روح پیدا کرے اور اپنے نفس سے ہر طرح کا تکبر اور عجب و بڑائی دور کر دے.

کتاب وسائل الشیعہ جلد نمبر ا ص ۲۹ پر حضرت امام رضاؑ امیر المومنین حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا ؛

وَحَسْبُكَ مِنَ الْجَهْلِ أَنْ تُعْجَبَ بِعِلْمِكَ — یعنی تیری جہالت کے لئے یہی کافی ہے کہ تجھے اپنے علم پر گھمنڈ ہو.

بحارالانوار جلد نمبر ۱، ص ۲۱۵ پر ایک روایت ہے جس میں حضرت امام صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں :

لَاجَهْلَ اَضَرُّ مِنَ الْعُجُبِ — یعنی عجب و تکبر سے بڑھ کر کوئی جہالت نہیں۔

وسائل الشیعہ جلد نمبر ۱ ص ۷۰ پر امیرالمومنین حضرت علیؑ کا ایک قول منقول ہے کہ

اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ دَلِيْلٌ عَلٰى ضَعْفِ عَقْلِهٖ — یعنی عجب اور تکبر خود انسان کی کم عقلی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

انہوں نے فرمایا :

بعض روایات کی بنیاد پر میرے ذہن میں تھا کہ اتوار کا دن امیرالمومنین حضرت علیؑ سے منسوب ہے۔ جناب سید ابن طاوسؒ نے اپنی کتاب "جمال الاسبوع" میں جناب ابن بابویہؒ سے نقل کیا ہے کہ اتوار کا دن خاص طور پر اتوار کے دن کی ابتدائی گھڑیاں آپ سے خاص تعلق رکھتی ہیں۔ چنانچہ ایک اتوار کی صبح کو میں مذکورہ بالا روایات کی بناء پر آپ کی حضوری میں محو تھا۔ ناگاہ مجھے یوں محسوس ہوا گویا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں بلکہ اگر صحیح کہوں تو مجھے معلوم نہیں کہ میں کس کیفیت میں تھا۔ بہرحال میں نے دیکھا کہ میری آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے گئے ہیں۔ کیا دیکھتا ہوں کچھ لوگ دوسروں کے پاؤں تلے کچلے جا رہے ہیں۔ انہی میں سے ایک آدمی کو میں پہچان گیا۔ میں اُسے جانتا تھا۔ وہ بہت ہی متکبر آدمی تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے جسم پر کسی دوسرے آدمی نے پاؤں رکھا ہوا ہے۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں ٹوٹے ہوئے ہیں۔ یہ اپنے آپ کو بمشکل گھسیٹ رہا ہے اور بڑی دلخراش آوازیں نکال رہا ہے۔ میں اس کے پاس گیا اس سے پوچھا کہ بھئی تمہاری یہ حالت کیوں ہو گئی ہے اور تم اپنے گھر سے نکلتے ہی کیوں ہو کہ تمہیں اس طرح پامال کر رہے ہیں۔ اس نے اپنا سر اٹھایا ایک مغرور نگاہ مجھ پر ڈالی اپنی خفت مٹانے کے لئے اپنی آہ و زاری تھوڑی دیر کے لئے روکی اور اکڑ کر بولا: ہم اگر گھر سے باہر نہ آئیں تو تم جیسے گھٹیا انسان گلیوں اور بازاروں میں کھلے بندوں پھریں اور ہمارے وطن کو بدنام کریں۔ ہم جیسی عظیم شخصیات کو بھی گلیوں اور کوچوں میں گھوم لینے دو تاکہ دنیا والوں کو پتا چلے کہ اس ملک میں کوئی قاعدے کے لوگ بھی بستے ہیں !!!

یہ منظر چند لمحے میری نظروں کے سامنے رہا پھر میں اپنی معمول کی کیفیت میں واپس آگیا۔ حُسنِ اتفاق یہ کہ اسی دن میں حرم مطہر حضرت امام رضاؑ کی طرف جارہا تھا کہ راستے میں اسی آدمی کو دیکھا۔ ایک آدمی اس کو بغلوں میں ہاتھ دیئے سہارا دے کر چلا رہا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا ایک قہر آلود نگاہ مجھ پر ڈالی اور اپنے ساتھی سے کہنے لگا: جب تک یہ ملّاں ہمارے ملک میں ہیں ہم ترقی نہیں کر سکتے! اس وقت تو میں گزر گیا اگلے دن میں نے سہارا دینے والے سے پوچھا کہ کل فلاں شخص کو آپ سہارا دے کرلے جارہے تھے خیریت تو تھی؟!

اس نے بتایا موصوف نے زیادہ پی لی تھی اور جب گھر لوٹا تو اتفاق سے گھر والے نہیں تھے۔ اس کے پاس چابی بھی نہیں تھی کہ گھر میں داخل ہو جاتا۔ ناچار دروازے کے قریب گلی ہی میں بیٹھ رہا اتنے میں گلی کے کچھ لڑکے جمع ہوگئے جن کو وہ اکثر بُرا بھلا کہا کرتا تھا۔ آج ان کے انتقام لینے کا موقع تھا۔ انہوں نے اگلی پچھلی ساری کسر نکال دی۔ اِتنا مارا پیٹا کہ بیچارے کا بازو ٹوٹ گیا۔ میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے جا رہا تھا تاکہ ایکسرے وغیرہ کرایا جائے اور صحیح صورت حال معلوم ہو۔

اس موقع پر مجھے جناب داؤد بن فرقدؒ سے مروی حدیث یاد آگئی جو انہوں نے حضرت امام صادقؑ کے حوالے سے بیان کی ہے:

اِنَّ الْمُتَكَبِّرِيْنَ يُجْعَلُوْنَ فِيْ صُوَرِ الذَّرِّ يَتَوَطَّاهُمُ النَّاسُ حَتّٰى يَفْرَغَ اللّٰهُ مِنَ الْحِسَابِ.

متکبر اور مغرور آدمیوں کو روزِ قیامت چھوٹے چھوٹے ذروں میں تبدیل کرکے اہلِ محشر کے پاؤں میں پھینک دیا جائے گا۔ جہاں لوگ ان کو اس وقت تک پاؤں تلے روندتے رہیں گے جب تک اللہ سبحانہٗ سب کا حساب لے کر فارغ نہیں ہو جاتا۔

انہوں نے فرمایا:

ایک بزرگ درویش اللہ سبحانہٗ کے خاص بندہ تھے ان کا باطن روشن تھا اور لوگوں کے کردار کو مجسم صورت میں مشاہدہ کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے مدرس علماء میں سے ایک صاحب کو دیکھا کہ ایک درندے کی شکل میں میری طرف بڑھ رہے ہیں۔ پہلے تو میں ڈرا وہ جوں جوں میرے قریب آئے چھوٹے ہوتے گئے حتیٰ کہ میرے قدموں تلے آگئے۔ اس کے بعد میں معمولی حالت میں پلٹ آیا کیا دیکھتا ہوں وہی صاحب اپنی اصلی شکل و صورت میں آگئے بالکل میرے سامنے کھڑے بڑے تکبر سے مجھے یوں دیکھ رہے ہیں گویا کہ مجھے سرزنش کرتے ہوں کہ ان کو سلام کیوں نہیں کرتا! میں نے ان سے کہا کہ آپ کو دوسروں پر کس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ آپ ہمیشہ یہی توقع کرتے ہیں کہ لوگ آپ کا احترام کریں۔ اگر یہ علم کی وجہ سے ہے تو بتائیے حضرت رسولِ اکرمؐ "مدینۃ العلم" ہونے کے باوجود دوسروں سے نہایت انکساری سے پیش آتے تھے۔ العیاذ باللہ آپ ان سے زیادہ تو نہیں ہیں؟!

جناب علامہ مجلسی مرحوم نے بحار الانوار میں اس موضوع سے متعلق ایک طویل حدیث نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ علماء بہت جلد غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا:

آفَةُ الْعِلْمِ الْخُيَلَاءُ فَهُوَ يَتَعَزَّزُ بِعِزِّ الْعِلْمِ وَيَسْتَعْظِمُ نَفْسَهُ، وَيَسْتَحْقِرُ النَّاسَ وَيَنْظُرُ إِلَيْهِمْ نَظَرَهُ إِلَى الْبَهَائِمِ وَيَتَوَقَّعُ مِنْهُمُ الْإِكْرَامَ وَالْابْتِدَاءَ بِالسَّلَامِ وَيَتَّخِذُهُمْ وَلَا وَيَتَمَنَّى بِشَأْنِهِمْ هٰذَا مَا يَتَعَلَّقُ بِالدُّنْيَا وَأَمَّا فِي الْآخِرَةِ فَبِأَنْ يَرَى نَفْسَهُ عِنْدَ اللّٰهِ أَعْلَىٰ وَأَفْضَلَ مِنْهُمْ فَيَخَافُ عَلَيْهِمْ أَكْثَرَ

علماء کرام علم کی قدر و منزلت سے دھوکے میں آجاتے ہیں اپنے آپ کو بلند مرتبہ اور عوام کو ہیچ سمجھنے لگتے ہیں۔ لوگوں سے جانوروں جیسا سلوک کرتے ہیں۔ ان سے اپنے لئے احترام و اکرام کی توقع کرتے ہیں۔ یہی توقع کرتے ہیں کہ سب لوگ ان کو سلام کریں۔ عوام کے ذاتی مسائل کے علی الرغم ان کو اپنی آؤ بھگت کی ترغیب دیتے ہیں۔ اپنے زعم میں اللہ سبحانہٗ کے ہاں عوام سے بلند

مِمَّا یَخَافُہٗ عَلیٰ نَفْسِہٖ وَیَرْجُوْ لِنَفْسِہٖ اَکْثَرَ مِمَّا یَرْجُوْ لَهُمْ وَهٰذَا بِاَنْ یُّسَمّٰی جَاهِلاً اَوْلیٰ مِنْ اَنْ یُّسَمّٰی عَالِمًا.

درجہ رکھتے ہیں جن امور میں وہ لوگوں کو اللہ سبحانہٗ سے ڈرنے کی تلقین کرتے ہیں خود نہیں ڈرتے، لوگوں کو مستوجب عذاب سمجھتے ہیں، لوگوں سے کہیں زیادہ اپنے آپ کو مستحق رحمت سمجھتے ہیں، ایسے افراد کو جاہل سمجھنا چاہیئے، بجائے اس کے کہ اس کو عالم کہا جائے۔

انہوں نے فرمایا:

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وقت سحر حرم حضرت معصومہؑ کی "مسجد بالائے سر" میں بیٹھا ہوا تھا ایک عمر رسیدہ بزرگ جو ابھی ابھی نماز تہجد سے فارغ ہوئے تھے اور میرے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے ایک مغرور نگاہ مجھ پر ڈالتے ہوئے بولے، "برخوردار! کیا کر رہے ہو؟" میں ان دنوں لڑکا سا تھا، میں نے ادب سے سلام کیا اور عرض کیا، حضور! دعائے حزیں پڑھ رہا ہوں!" بولے، نماز تہجد پڑھ چکے ہو؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں! کہنے لگے ابھی اذان ہوگی کہیں ان مولویوں کے پیچھے جا کر نماز پڑھنا شروع نہ کر دینا! میں نے عرض کیا، کیوں حضور؟ کہنے لگے یہ عابد لوگ نہیں ہیں۔ وہاں پر موجود نماز پڑھتے ہوئے ایک عالم دین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے، دیکھو یہ ابھی آیا ہے جبکہ میں اذان سے ایک گھنٹہ پہلے سے یہاں مصروفِ عبادت ہوں اب بھلا میں جا کر اس کے پیچھے نماز پڑھوں؟! میں نے عرض کیا شاید انہوں نے اس اصول کے مطابق کہ مستحب عبادت تخلیئے میں کرنی چاہیئے گھر پر نمازِ تہجد پڑھی ہو اور صرف واجب نماز کے لئے حرم آگئے ہوں! بولے نہیں برخوردار! نہیں۔ اگر یہ عابد ہوتے تو اس طرح موٹے نہ ہوتے۔ ان کے گال پر گال نہ چڑھے ہوتے۔ کم از کم میری طرح دورانِ نماز ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہتیں۔ ماتھے پر بڑے بڑے محراب ہوتے یہ لوگ کمئ عبادت ہی کی وجہ سے برباد ہوں گے۔ روزِ قیامت حسب و نسب کے بارے میں تھوڑی ہی پوچھا جائے گا، بلکہ وہاں تو عبادت کے بارے میں سوال ہوگا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ گفتگو کے دوران جب وہ ہلاکت و بربادی کا ذکر کرتے تو بیچارے پیش نماز کی طرف اشارہ کرتے اور جب نجات و ثواب اور عبادت کا ذکر کرتے تو اپنی طرف اشارہ کرتے۔

میں ان دنوں نوجوان تھا اور میرے استاد محترم، اللہ سبحانہٗ ان پر رحمت فرمائے، مجھے ہر روز ایک حدیث سناتے جس کو میں ازبر کر لیتا۔ ان احادیث مبارکہ میں کی ایک حدیث میں نے ان کی خدمت میں پیش کی کہ حضرت رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے: کہ اگر کسی کو یہ کہتے سنو کہ لوگ برباد ہو جائیں گے وہ خود لوگوں سے پہلے برباد ہوگا۔

میری تلقین سے وہ خفا ہو گئے اور غصے سے بولے ایک تو مصیبت یہ ہے کہ تم طالب علم کج بحثی بہت کرتے ہو! اس کے بعد انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی۔

اس دن کے بعد میں خود ان سے محتاط ہو گیا۔ ہمیشہ تیوری چڑھائے رکھتے، کسی کو سلام نہ کرتے محفل و جلوت میں گویا کہ ہر ایک کے ساتھ ناراض رہتے۔ اگر ان کی موجودگی میں کوئی کسی سے کوئی بات کرتا تو فوراً جھڑک دیتے کہ کیا فضول باتیں کر رہے ہو۔ اگر تم لوگ مومن ہوتے تو یاوہ گوئی سے پرہیز کرتے!

بیچارہ یہ معمر آدمی بے خبر تھا کہ "تقویٰ" کا یہ مفہوم نہیں کہ ماتھے پر محراب بنا لیا جائے۔ تیوری چڑھائے رکھی جائے اور اکڑ کے چلا جائے بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا تعلق صرف دل سے ہوا کرتا ہے جیسا کہ مجمۃ البیضاء جلد نمبر ۵ صہ ۸۰ پر حضرت رسول اکرمؐ کی حدیث مبارک سے ثابت ہے: قال رسول اللہ ؐ، التقویٰ ھھنا یعنی حضرت رسول اکرمؐ نے اپنے سینۂ اطہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، "تقویٰ یہاں ہوا کرتا ہے۔"

انہوں نے فرمایا:

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک محترم سید بزرگ جن کا میں علمی اور نسلی اعتبار سے بڑا ادب کیا کرتا تھا، مجھ سے فرمانے لگے، مجھے اپنے خاندان اور آباء اجداد پر بڑا فخر ہے!" قریب ہی ایک صاحب کھڑے تھے اور بزعم خود تزکیۂ نفس کی منازل طے کرتے ہوئے اپنے آپ کو فخر و مباہات اور غرور و تکبر سے بچا رہے تھے، فوراً ان بزرگ عالم سے مخاطب ہوئے، دیکھئے، نسب اور آباء اجداد پر فخر کرنا بھی تکبر و غرور کی ایک قسم ہے جو کہ آپ کو زیب نہیں دیتا۔

مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے فوراً ان صاحب سے کہا، آپ نے یہ تو سن لیا کہ نسب و خاندان پر فخر کرنا تکبر ہے مگر کیا یہ آپ نے نہیں سنا کہ حضرت رسول اکرمؐ اور امیرالمومنین حضرت علیؑ کا کسی کا جد امجد ہونا دراصل حقیقی بڑائی ہے، بڑی خوش نصیبی کی بات ہے اور مایۂ فخر واعزاز ہے ؟! جس حسب نسب پر فخر کی بات آپ کر رہے ہیں اس سے مراد ان آباء اجداد پر فخر کرنا ہے جو دنیاوی مال و دولت، سیاست یا دیگر کسی غیر حقیقی لحاظ سے بڑے ہوں۔ آلِ پیغمبرؐ ہونے پر کوئی فخر کرتا ہے تو یہ بات نسب پر تکبر کی نہیں بلکہ اللہ سُبحانہٗ کی ایک نعمتِ عظمیٰ کا اعتراف ہے جو ایک پسندیدہ فعل ہے۔

حضرت امام صادقؑ سے ایک روایت ہے :

اَتَی رَسُوْلَ اللّٰہِ رَجُلٌ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا فُلَانُ اِبْنُ فُلَانٍ حَتّٰی عَدَّ تِسْعَۃً فَقَالَ (ص) اَمَا اَنَّکَ عَاشِرُھُمْ فِی النَّارِ۔

"ایک شخص بارگاہِ رسول اکرمؐ میں آیا اور بڑے فخر سے اپنا حسب و نسب بیان کرنے لگا حتیٰ کہ اپنے نو آباء کا نام گن گیا۔ آپؐ نے فرمایا اور دسویں تم ہو اور سب کے سب جہنم کا ایندھن ہو۔"

(بحار الانوار جلد ۷۳ صہ ۲۱۵)

اصولی بات بھی یہی ہے کہ غرور و تکبر اپنے آپ کو اپنی حیثیت سے بڑا سمجھنے یا کہلانے کا نام ہے۔ اگر اللہ سُبحانہٗ کسی کو بڑا بنادے تو واقعی وہ عظیم المرتبت ہے اور اس اقرار کو تو شکرِ نعمت کا نام دیا جائے گا۔ نہ یہ کہ اسے متکبر کہیں گے۔

انہوں نے فرمایا :

ایک دن کا ذکر ہے کہ میں حضرت امام زمانہؑ سے توسل اور اپنی روح و دل سے معنوی پردوں کے ہٹائے جانے کی دعا سے فارغ ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ گذشتہ چند دنوں میں میری روح اور دل پر ایک بڑا سا سیاہ داغ پیدا ہوگیا ہے۔ غور کرنے پر اس کا سبب معلوم ہوا کہ چند

دن قبل میں نے ایک غریب آدمی سے نہایت متکبرانہ رویہ اختیار کیا تھا۔ چنانچہ فوراً توبہ کی اور آپ سے گڑگڑا کر عرض کیا کہ اس سیاہی کو مجھ سے دور فرمائیں۔ اس کے بعد میں نے غربا اور مساکین لوگوں کے ساتھ نہایت عاجزانہ رویہ اختیار کیا۔ چنانچہ وہ سیاہی میری رُوح سے دُور ہوگئی۔

تکبر کی مذمت میں، بحار الانوار جلد نمبر ۷۳ صہ ۲۱۵ تا صہ ۲۳۱ پر مندرجہ ذیل تین احادیث درج کی گئی ہیں:

۱۔ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ۔

حضرت امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام فرماتے ہیں: جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی تکبر و غرور ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔"

۲۔ مَا مِنْ رَجُلٍ تَكَبَّرَ أَوْ تَجَبَّرَ إِلَّا لِذِلَّةٍ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جو بھی کوئی تکبر کرتا ہے یا کسی پر جبر و تشدد روا رکھتا ہے اس کی ذات میں کمینہ پن ہوتا ہے۔

۳۔ مَنْ يَسْتَكْبِرْ يَضَعْهُ اللّٰهُ۔

حضرت رسول اکرمؐ فرماتے ہیں: جو شخص تکبر کرتا ہے۔ اللہ سُبحانہٗ اس کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔"

انہوں نے فرمایا:

میرے ایک استاد تھے وہ رُوحانی اور معنوی لحاظ سے بڑے بلند مرتبہ تھے۔ ہر شخص انہیں مرشد اور پیرِ طریقت ماننے پر فخر کرتا تھا۔ ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے تمام شاگردوں اور مریدوں نے مجھے ان کا جانشین بنا کر پیر بنا لیا کیونکہ میں استادِ مرحوم کے زیادہ قریب تھا۔ مجھے یہ انتخاب اچھا لگا اور میں ہر روز بڑے فخر سے استاد مرحوم کی جگہ پر اکڑ کر بیٹھ جاتا اور بڑے تکبر سے لوگوں کے

سوالات کا جوابات دیتا۔

اسی طرح کئی دن گزر گئے آخر ایک دن جب کہ مریدوں کی تعداد کچھ کم تھی جلدی فرصت ہوگئی۔ میرے ضمیر نے مجھے جھنجوڑنا شروع کیا۔ آخر میں نے استادِ مرحوم کی سرپرستی میں چند دن تزکیۂ نفس کے گزارے تھے۔ میرا ضمیر مجھے مندرجہ ذیل سوال کرتا رہا:

کیا تم اس مقام کی اہلیت رکھتے ہو؟!

تم خود ایک روحانی مریض ہوتے ہوئے کیا دوسروں کا علاج کر سکتے ہو؟!

تم جو ابھی تک ایک چھوٹے سے حیوانی مرض یعنی تکبر کو ٹھیک نہیں کر سکے کیا دوسروں کا تزکیۂ نفس کرا سکو گے؟!

غرضیکہ اس طرح کے سوالات کر کے مجھے میرا ضمیر صحیح مقام دکھانے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر نفس امارہ کوئی بات سننے نہیں دے رہا تھا۔ نفس امارہ نہیں چاہتا تھا کہ اس منصب سے دستبردار ہو جاؤں جو غیر متوقع طور پر اور اتنی جلدی مجھ تک پہنچ چکا تھا۔ نفس امارہ مجھے اپنے طور پر تنبیہ کر رہا تھا:

تم نے خود یہ مقام تھوڑی مانگا ہے۔ مریدوں نے خود تمہارا انتخاب کیا ہے۔ لہٰذا اس سنہری موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے پھر یہ منصب ہاتھ نہ آئے اور تم لوگوں کی راہنمائی نہ کر پاؤ!

غرضیکہ شیطان مجھے دھوکا دینے کے لئے یہ وسوسے میرے ذہن میں پیدا کر رہا تھا حالانکہ میں خوب جانتا تھا کہ مجھ میں اس مسندِ مرشد پر بیٹھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

قصہ کوتاہ یہ کہ حکمرانی کا شوق اور نفسِ امارہ اور شیطانی ترغیب کی وجہ سے میں چند دن اس مسند پر بیٹھتا رہا اور اپنے آپ کو لوگوں کا راہبر تصور کرتا رہا۔ مگر دن بدن میری توفیقاتِ خیر میں کمی ہونے لگی۔ عبادت کے دوران خضوع وخشوع جاتا رہا اور سب سے بدتر یہ ہوا کہ تکبر وغرور ایک سیاہ دھوئیں کی طرح میری روح کے گرد چھا گیا۔ میں واقعی اپنے آپ کو دوسروں سے

سوا سمجھنے لگا!

خوش نصیبی سے ایک رات اپنی کم توفیقی اور دل کی تاریکی پر بارگاہِ اللہ سُبحانہ میں گڑگڑایا۔ میں اپنے آپ کو ایک زبردست تذبذب کے عالم میں محسوس کر رہا تھا۔ اس تکبر و نخوت سے جان کس طرح چھڑاؤں اور دوسری طرف روزِ قیامت اللہ سُبحانہٗ کو کیا جواب دوں گا کہ میں خوامخواہ اس منصب سے چپکا ہوا ہوں اور لوگوں کو گمراہ کر رہا ہوں۔

اللہ سُبحانہٗ کے فضل و کرم سے مجھے یہ توفیق ملی کہ میں اس مقام کو چھوڑنے کا پکا ارادہ کر لوں! چنانچہ اگلے دن جب کہ مریدوں کے حلقے میں شہر کے باہر باغِ صفائی میں پہنچا تو میں نے وہ کام کیا جس سے بظاہر میری سبکی ہوتی تھی۔

پہلے تو مرید یہ سمجھے کہ میں کسرِ نفسی سے کام لے رہا ہوں مگر جب میں نے سنجیدہ ہو کر ان سے کھل کر بات کی تو وہ سوچنے پر مجبور ہوئے۔ میں نے ان کو اس دن خلافِ معمول بہت نصیحتیں کیں۔ جب بھی میں بات کرتا وہ صوفیانہ ادب کے مطابق دو زانوں ہو کر میری بات پوری توجہ سے سنتے۔ اس دن میں نے ان سے کہا: بھائیو! میں تمہارا بہت شکرگزار ہوں کہ تم سب نے مجھے یہ اعزاز دیا۔ یہ تمہارا حسنِ ظن اور محبت تھی کہ مجھے اپنا مرشد و راہنما مان لیا۔ مگر میں اللہ سُبحانہٗ کی عزت و جلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس لائق نہیں ہوں کہ تمہارا روحانی معالج بن سکوں۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ تم سب نے مجھے اپنے سے بہتر جانا۔ میرے مقابلے میں انکساری اور فروتنی کا مظاہرہ کیا۔ جبکہ میں نے تمہیں ہیچ جانا اور تکبر کیا۔ روحانیت کے اعتبار سے تم مجھ سے بدرجہا بہتر ہو۔ اس صورت میں تمہارا راہنما کیسے ہو سکتا ہوں؟! اب میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ میری مدد کریں میرا استعفےٰ قبول کریں اور مجھے موقع دیں تاکہ میں بھی اپنی روحانی کمزوریوں کو دُور کر سکوں۔ یہ سن کر وہ میرا منہ تکنے لگے۔ بڑے حیران ہوئے مگر انہوں نے میری بات مان لی اور مجھے مرشد و پیر کہنا چھوڑ دیا۔

ان میں سے وہ جو سب سے زیادہ صاحبِ صلاحیت تھا اور ہمیشہ کسبِ فیض میں پیش پیش رہتا تھا۔ میری طرف منہ کر کے بولا: بہت اچھا! ہم سب نے آپ کی بات مان لی۔ اب ہمیں یہ تو

بتائیں کہ آپ نے اتنے دنوں کی بزرگی کے بعد اس فروتنی کے مظاہرے کا حوصلہ کیسے پایا؟ الـــــ ہمیں صاف صاف حقیقتِ حال سے آگاہ کریں!!

میں نے انہیں بتایا کہ پچھلی رات میرے ضمیر نے مجھے بڑا جھنجھوڑا۔ اللہ سبحانہٗ کی عظمت و قدرت مجھے یاد دلائی کبرائی اور بڑائی کا صرف اسی کے لئے زیبا ہونا مجھے بتایا، استادِ محترم کبر و انا کی سرکوبی کے لئے جو روایات سنایا کرتے تھے، مجھے یاد دلائیں۔ خاص طور پر مندرجہ ذیل روایات جو ائمہ اطہار علیہم السلام سے بار بار روایت ہوئی ہیں اُن کو تحریری طور پر میری نظروں کے سامنے پیش کیا:

بحار الانوار جلد نمبر ۷۳، ص ۲۱۳ حدیث نمبر ۳ میں حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

اَلْعِزُّ رِدَاءُ اللّٰهِ وَالْكِبْرُ اِزَارُهٗ فَمَنْ تَنَاوَلَ شَيْئًا مِنْهُ اَكَبَّهُ اللّٰهُ فِيْ جَهَنَّمَ.

کبرائی اور بڑائی اللہ سُبحانہٗ کا لباس ہے جو شخص اسے اپنے جسم پر پہننے کی کوشش کرے گا اللہ سبحانہٗ اسے منہ کے بل جہنم میں پھینکے گا۔

دوسری طرف میری حقیقت مجھے بتائی کہ میں اتنا گھٹیا اور پست ہوں کہ شیطان اور نفسِ امارہ کے مقابلے میں ثابت قدم نہ رہ سکا اور واقعیت کا اظہار نہ کر سکا۔ جو شخص ایسا ہو وہ اتنا بے قدر ہے کہ کبھی شمار و قطار میں نہیں۔ اس کے بعد سورۂ عبس کی آیت نمبر ۱۷ تا نمبر ۲۲ تک مجھے سنائیں جس میں اللہ سُبحانہٗ نے خود غرض انسان کی خباثت کا ذکر کرتے ہوئے اسے جھنجھوڑا ہے: "غارت ہو انسان، کس قدر حقائق سے چشم پوشی اور کفرانِ نعمت کرتا ہے! بالکل بھول ہی گیا ہے کہ گندے قطرے سے پیدا ہوا ہے، اللہ سبحانہٗ کے فضلِ خاص سے پیدا ہوا اور پلا بڑھا پھر انجام کار ایک بدبودار لاشے کی صورت میں قبر میں چلا جائے گا۔"

حضرت امیرؑ کا شہرہ آفاق قول ہے:

عَجِبْتُ لِابْنِ اٰدَمَ اَوَّلُهٗ نُطْفَةٌ وَّاٰخِرُهٗ جِيْفَةٌ وَّهُوَ قَائِمٌ بَيْنَهُمَا وِعَاءٌ

"حیرت ہے انسان پر جو ابتدا میں نطفۂ گندیدہ اور آخر میں متعفن لاشہ ہونے اور ان دو انتہاؤں

بِلِفَائِطٍ ثُمَّ یَتَکَبَّرُ۔ کے درمیان ہمیشہ گندگی میں رہنے کے باوجود کس طرح تکبر کرتا ہے؟"

بحار الانوار جلد نمبر ۷۳، صہ ۲۳۴

میں نے یہ تمام باتیں ان صاحب کو صاف صاف بتلا دیں اور اس دن کے بعد میں نے اپنے اندر سے کبر و تکبر کی خبیث صفت کو نکالنے کا تہیہ کر لیا۔ اللہ سبحانہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ میں آئندہ بھی اس کو اپنے قریب نہ آنے دوں گا۔ میں نے تواضع کے مندرجہ ذیل طریقے اختیار کئے،

۱. سب کو پہلے سلام کرنا۔
۲. کسی کو اپنے ہاتھ چومنے نہ دینا۔
۳. لوگوں سے اپنے لئے دعا کی التماس کرنا۔
۴. اللہ سبحانہ کے سامنے اپنی بیچارگی اور کم مائیگی کا برملا اعلان کرنا۔
۵. لوگوں سے اپنی بخشش کے لئے دعا کرنے کی استدعا کرنا۔

اللہ سُبحانہ سے محبت

انہوں نے فرمایا؛

ایک دن کی بات ہے کہ ایک طالب علم جس کا دل اللہ سُبحانہ کی محبت سے چھلک رہا تھا میرے پاس آیا، کیا دیکھتا ہوں کہ اس کا رنگ فق ہے۔ بے خوابی اور تھکن کے آثار اس کی آنکھوں سے نمایاں ہیں۔ میں نے پوچھا بھئی تم نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟! وہ کہنے لگا، چند راتوں سے ایسا ہو رہا ہے کہ جب سب سو جاتے ہیں میری نیند اُڑ جاتی ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ دل میں اللہ سبحانہ کی قربت حاصل کرنے کی آرزو مچلنے لگتی ہے اور میں اٹھ کر اللہ سبحانہ کا ذکر شروع کر دیتا ہوں! میں نے پوچھا کیا ذکر کرتے ہو؟ وہ بولا صحیح تو شاید نہ بتا سکوں کیونکہ اکثر دیوانوں کا سا حال ہوتا ہے۔ مثلاً ایک رات ہزاروں مرتبہ میں صرف یہ کہتا رہا" اے اللہ میری جان! اے اللہ میری جان!

اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ میری آنکھوں کے سامنے ایک سفید دھواں پیدا ہوا اس پر موٹی قلم سے "میری جان لکھا ہوا تھا" اور ہیرے کی طرح چمک رہا تھا۔ میں خوشی سے گویا کہ پاگل ہوگیا اور گر گیا۔ میں نے اسے حضرت امام صادقؑ کی ایک روایت سنائی۔

يَا بْنَ عِمْرَانَ كَذَبَ مَنْ زَعَمَ اَنَّهُ يُحِبُّنِيْ فَاِذَا جَنَّتِ اللَّيْلُ نَامَ عَنِّيْ اَلَيْسَ كُلُّ مُحِبٍّ يُحِبُّ خَلْوَةَ حَبِيْبِهٖ؟

اللہ سبحانہٗ حضرت موسےٰؑ سے جو باتیں کیا کرتا تھا ان میں سے ایک یہ ہے: اے موسیٰؑ، وہ شخص جھوٹا ہے جو میری محبت کا دعویٰ کرتا ہے مگر رات ہوتے ہی مجھ سے غافل ہوکر سوجاتا ہے۔ کیا دوست اپنے دوست کے ساتھ تخلیہ نہیں چاہتا؟!

اس موقع پر پنجابی کے مشہور شاعر جناب میاں محمد کا ایک شعر نذرِ قارئین ہے۔

رات پوے تے بے درداں نیند سہائی آوے

دردمنداں نوں تا ہنگ سجن دی سُتیاں آن جگاوے (مترجم)

اللہ سبحانہٗ کی حضرت داؤدؑ سے گفتگو کے بارے میں ایک حدیث ہے:

يَا دَاوٗدُ اَبْلِغْ اَهْلَ اَرْضِيْ اَنِّيْ حَبِيْبُ مَنْ اَحَبَّنِيْ.

اے داؤد، ساکنانِ ارض سے میری طرف سے یہ کہہ دو کہ جو مجھ سے محبت کرے گا میں بھی اس سے محبت کروں گا۔"

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۰ صہ ۲۶)

واقعی یہ بات حق ہے کہ جو کوئی بھی اللہ سبحانہٗ سے جتنا پیار کرے گا اللہ سبحانہٗ بھی جواباً اسے اتنا ہی چاہے گا۔ حضرت امام صادقؑ سے ایک طویل حدیث نقل کی گئی ہے:

اَلْمُشْتَاقُ لَا يَشْتَهِيْ طَعَامًا، لَا يَلْتَذُّ

جو شخص اللہ سبحانہٗ کا مشتاق ہو کھانے پینے

شَرَابًا، وَلَا يَسْتَطِيبُ وَلَا يَأْنَسُ حَمِيمًا، وَلَا يَأْوِي دَارًا وَلَا يَسْكُنُ عِمْرَانًا وَ وَلَا يَلْبَسُ لَيِّنًا وَلَا يَفِرُّ قَرَارًا وَ يَعْبُدُ اللّٰهَ لَيْلًا وَنَهَارًا رَاجِيًا أَنْ يَصِيرَ إِلَىٰ مَا اشْتَاقَ إِلَيْهِ وَيُنَاجِيهِ بِلِسَانِ شَوْقِهِ مُعَبِّرًا عَمَّا فِي سَرِيرَتِهِ.

میں رغبت نہیں رکھتا۔ مشروبات میں دلچسپی نہیں لیتا۔ خوشبوؤں کا رسیا نہیں ہوتا۔ کسی غیر اللہ والے سے دوستی نہیں کرتا۔ کسی شاندار بنگلے سے پیار نہیں کرتا، آبادیوں اور بارونق جگہوں میں نہیں ٹھہرتا، نرم کپڑے نہیں پہنتا ہر وقت بیقرار رہتا ہے۔ رات دن اللہ سبحانہٗ کی عبادت کرتا رہتا ہے۔ اس کے دل میں صرف ایک ہی آرزو رہتی ہے کہ جلد از جلد اللہ سبحانہٗ کے حضور پہنچ جائے ہر وقت دل کی گہرائیوں سے اللہ سبحانہٗ سے راز و نیاز کرتا رہتا ہے؛

جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے بارے میں اللہ سبحانہٗ فرماتا ہے: "جب حضرت موسیٰؑ مقررہ ملاقات کے لئے آتے تو عام طور پر وقتِ مقررہ سے پہلے ہی آجاتے اور عرض کرتے اے پروردگار! تیری محبت میں جلدی آگیا ہوں تاکہ تجھے راضی کرلوں۔ حضرت رسولِ اکرمؐ حضرت موسیٰؑ کے بارے میں یوں فرمایا کرتے تھے کہ جب موسیٰؑ اپنے اللہ سبحانہٗ کے پاس مقررہ ملاقات کے لئے آتے جو عام طور پر چالیس دن پر محیط ہوتی تو اللہ سبحانہٗ کے اشتیاق میں نہ کچھ کھاتے نہ پیتے اور نہ ٹھیک سے سوتے بلکہ کسی چیز میں دلچسپی نہ لیتے تھے۔"

اس کے بعد حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: "جب بھی اللہ سبحانہٗ کے میدانِ محبت میں داخل ہو (نماز کے لئے کھڑے ہو) تو تکبیر کہہ کر دنیا اور خواہشاتِ دنیا کو اپنے سے دور کرلو، اپنے محبوب اللہ سبحانہٗ کے علاوہ ہر کسی کی یاد اپنے اوپر حرام جانو! اپنے آپ کو زندگی اور موت کے درمیان سمجھو اور لبیک کہتے ہوئے اس کی طرف بڑھے چلو، اللہ سبحانہٗ تمہارا ثواب زیادہ کرے گا جو

شخص اللہ سبحانہٗ کا مشتاق ہے وہ بالکل اس شخص کی مانند ہے جو ڈوب رہا ہو اور اسے صرف ایک ہی کام ہو کہ ڈوبنے سے کیسے بچے اس وقت ہر چیز بھولا ہوا ہوتا ہے صرف اپنی نجات چاہتا ہے۔"

اگلے دن ایک خدا رسیدہ بزرگ سے ملاقات ہوئی ان سے میں نے پوچھا اللہ سبحانہٗ کی یاد میں کیسے گزر رہی ہے؟ کہنے لگے، میں اللہ سبحانہٗ سے محبت کرتا ہوں، اس پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ گلی کوچوں میں باآواز بلند اس کے نام کے نعرے لگاتا رہوں لوگوں کو بھی اُسی سے محبت کرنے کی تلقین کروں۔ میں نے کہا یہ تو انبیاء کا کام ہے کہ لوگوں کو اللہ سبحانہٗ سے محبت کی تلقین کریں۔ کہنے لگے کہ اگر ہم بھی اللہ سبحانہٗ سے محبت کرتے ہیں اور ائمہ اطہارؑ کے پیروکار ہیں تو ہمیں بھی انبیاءؑ کی پیروی کرنی چاہیئے! میں نے مرحوم حافظ شیرازی کا شعر پیش کیا!

ہر کرا اسرارِ حق آموختند   مہر کردند دہانش دوختند

یعنی "جس کسی کو اسرارِ حق سکھائے جاتے ہیں اس کے لبوں کو سی کر مُہر دیتے ہیں"۔

وہ کچھ نہ بولے، چند دن بعد پھر ان سے ملاقات ہوئی۔ احوال پُرسی پر کہنے لگے میں نے دُعا کی ہے کہ اللہ سبحانہٗ مجھے دُنیا سے اُٹھالے، میری رُوح کو اس بدنی قید سے آزاد کردے اور اپنی ملاقات کی توفیق عنایت فرمائے کیونکہ اس کی محبت کی شدت مجھے بے صبرا کر رہی ہے۔ جبکہ یہ دنیا غفلت اور بھول کا گھر ہے۔ مجھے اپنے محبوب سے جُدا کر رہی ہے۔ میں نے دعا کی ہے کہ مجھے اپنی جوارِ رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے اور اس غفلت کی جگہ سے مجھے لے جائے۔

میں نے عرض کیا ابھی آپ ناقص ہیں۔ اپنے آپ کو کامل کریں۔ اللہ شناسی اور محبتِ الٰہی کا مطالعہ کریں پھر میں نے حضرت رسولِ اکرمؐ کی وہ حدیث ان کی خدمت میں پیش کی جو حضورؐ نے حضرت جبرائیلؑ امین کے حوالے سے بیان فرمائی تھی، کہ اللہ سبحانہٗ فرماتا ہے، جتنا میرا بندہ واجبات کی بجاآوری اور محرمات کے ترک سے میرے قریب ہوتا ہے اور کسی عمل سے نہیں ہوتا۔ جب میرا بندہ نوافل اور مستحبات کی ادائیگی سے میری محبت کا ثبوت فراہم کرتا ہے تو میں بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں کسی سے محبت کرتا ہوں تو پھر اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سُنتا

ہے۔ اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ کام کاج کرتا ہے۔ اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے جب بھی مجھے پکارتا ہے۔ میں جواب دیتا ہوں جو کچھ مجھ سے مانگتا ہے اس کو عطا کرتا ہوں۔"

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۰، صہ ۲۲)

ایک دن ایک جوان میرے پاس آیا۔ وہ خلافِ معمول رنجیدہ اور پریشان تھا۔ وہ اس بات پر پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ کیوں وہ اللہ سبحانہ کو مکمل محبت نہیں دے سکا؟ وہ مجھ سے اللہ سبحانہ سے زیادہ محبت کرنے کے طریقے پوچھنا چاہتا تھا۔

میں نے مندرجہ ذیل روایت اس کے سامنے رکھی جس میں اللہ سبحانہ حضرت داؤدؑ سے خطاب فرما رہا ہے:

قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِدَاوُدَ: اَحْبِبْنِیْ وَحَبِّبْنِیْ اِلٰی خَلْقِیْ، قَالَ یَارَبِّ نَعَمْ اَنَا اُحِبُّكَ فَکَیْفَ اُحَبِّبُكَ اِلٰی خَلْقِكَ؟ قَالَ اُذْکُرْ اَیَادِیَّ عِنْدَهُمْ فَاِنَّكَ اِذَا ذَکَرْتَ ذٰلِكَ لَهُمْ اَحَبُّوْنِیْ۔

اے داؤدؑ مجھ سے محبت کرو اور میرے بندوں کو بھی میری محبت کی تلقین کرو۔ حضرت داؤدؑ نے عرض کیا پروردگارا! میں تو تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ البتہ تیرے بندوں کو تیری محبت کی تلقین کس طرح کروں؟ اللہ سبحانہ نے فرمایا! ان کو میری نعمتوں کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ وہ مجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔ بیشک جب ہم اللہ سبحانہ کی نعمتیں یاد کرتے ہیں تو اس کی محبت دوبالا ہو جاتی ہے!

(بحار الانوار جلد ۷۰، صہ ۲۲)

اللہ سبحانہ کتنا مہربان اور اچھا ہے جس نے ہمیں نیستی سے وجود عطا فرمایا۔ اتنے بلند پایہ انبیاءؑ کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا۔ ہمیں دنیا کی مصیبتوں سے محفوظ رکھا۔ ہماری ضرورت کی ہر چیز

ہمیں عطا فرمائی۔ حکمت بھرے قرآن مجید کو نازل کیا۔ ہمارے اتنے سارے گناہوں کے باوجود ہمیں بخش دیا ہمیں عقل و علم کی دولت سے مالا مال کیا۔ غرضیکہ اللہ سبحانہٗ وہ ذاتِ گرامی ہے جس سے ہم جو مانگتے ہیں یا جس چیز کی ہمیں ضرورت ہوتی ہے ہمیں دیتا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ایسے اللہ سبحانہٗ سے محبت نہ کریں بلکہ ایسے طاقتور مہربان بخشنہار اور کریم ورحیم اللہ سبحانہٗ سے سب سے زیادہ محبت کرنی چاہیئے۔

انہوں نے فرمایا:

بہت سے لوگ جنہیں معلوم ہے کہ میں علم اخلاق اور علمِ تزکیۂ نفس کی کس حد تک سوجھ بوجھ رکھتا ہوں وہ میرے پاس آتے ہیں اور اسی سلسلے میں ہدایات لینا چاہتے ہیں مگر میں اس شخص کو جو کوئی کتاب پڑھ کر یا کسی باتوں سے متاثر ہو کر اس مشکل اور خطرناک مہم کا وقتی طور پر شوقین ہو جاتا ہے کوئی ٹھوس جواب نہیں دیتا۔ بلکہ یہ دیکھتا ہوں کہ وہ کہاں تک متحرک ہے۔ واقعی اہل محبت ہے یا نہیں؟! مجھے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ جو شخص اس طویل راستے کو طے کرنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ اس سلسلے میں کہاں تک بیداری، تحرک اور سرگرمی کا ثبوت دیتا ہے؟! اگر اس میں یہ صفات ہوں تو منطقی طور پر وہ اس راستے کو طے کرتا ہوا منزلِ کمالات کی طرف بڑھ سکتا ہے۔ مگر بھاری ذہن سست، نیند کا رسیا، محبت و عشق کے جذبے سے عاری غرضیکہ لاتعلق اور بے خبر قسم کے افراد اللہ سبحانہٗ کی محبت کا راستہ طے نہیں کر سکتے! قاعدۃً جو شخص عشق اور ولولے سے عاری ہے لگن اور محبت کا جذبہ ہی نہیں رکھتا اس کے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے کہ "اہل اللہ اور اولیاء اللہ" کا مقام حاصل کرے!

میرا ذاتی تجربہ یہی کہتا ہے کہ جو لوگ جذبۂ عشق و محبت رکھتے ہیں اگرچہ عشقِ مجازی ہی کیوں نہ کرتے ہوں وہ جلد ترقی کر جاتے ہیں مگر وہ لوگ جو آرام طلب ہوں جذبۂ عشق و محبت سے عاری ہوں وہ عبادت بھی کریں گے تو صرف اس لئے کہ روزِ قیامت ان کو آرام ملے یہ لوگ جب تک عاشقانہ سوچ پیدا نہ کریں گے کمالات کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔ وہ عاشق جو عشقِ مجازی میں گرفتار

ہے اس میں اصل توانائی موجود ہے مگر اپنی کوتاہ فکری اور کم نظری کے سبب وہ محبوب کے تعین میں غلطی کر بیٹھتا ہے۔ وہ سالک الی اللہ کی بنیادی صفت یعنی جذبۂ عشق و محبت رکھتا ہے مگر یہ کہ کوئی راہنما اس کو مل جائے جو اسے عشق و محبت کا صحیح مصداق دکھا دے تاکہ وہ اپنے غلط انتخاب کو ترک کر سکے۔ البتہ عشق و محبت سے عاری شخص جس کو اس کائنات کی کسی چیز سے دلچسپی نہیں ہے کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ سبحانہٗ میں گہری دلچسپی لینے لگے ؟! ایسے لوگ دراصل مُردے ہیں جو لوگوں کے درمیان زندہ لاشوں کی حیثیت سے چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ جو شخص جذبۂ محبت سے عاری ہے وہ ہر چیز سے لاتعلق رہتا ہے۔ خوبی، حسن اور کمال غرضیکہ وہ کسی حقیقت کو محسوس کرنے کی صلاحیت سے عاری ہوتا ہے چنانچہ وہ ایک حیوان ہے جو انسانوں کے درمیان رہ رہا ہے۔

شروع شروع میں جب مجھ پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی کہ میں جوانوں کو اللہ سبحانہٗ سے محبت کی تلقین کروں تو میں سب سے پہلے اس جوان کے درپے ہوتا تھا جس کے بارے میں مجھے پتہ چلے کہ وہ عشقِ مجازی میں گرفتار ہے۔ اگرچہ پہلی چند ملاقاتوں میں وہ میری بات بالکل نہیں سُنتا تھا مگر اُسے بار بار گفتگو کے دوران قائل کرنے کی کوشش کرتا کہ محبوبِ حقیقی کو پہچانے ! آخر کار وہ عارضی اور وقتی محبوب کو چھوڑ کر محبوبِ حقیقی کی طرف توجہ دینے لگتا۔ یہاں پر میں دو واقعے سنانا چاہتا ہوں تاکہ قارئینِ کرام کو اندازہ ہو کہ میری مذکورہ باتیں کتنی اہم ہیں ؟!

پہلا واقعہ :

یہ واقعہ میرے ایک بزرگ استاد جو خود ایک خدا رسیدہ شخصیت تھے، کے ساتھ پیش آیا اور انہوں نے خود اپنی زبانِ سچ بیان سے مجھے سنایا :

بقول میرے والدین میں بچپن ہی سے دوستی اور محبت کا دلدادہ تھا۔ لوگوں سے بہت جلد گھل مل جاتا اور ہر ایک سے بہت گہرا تعلق پیدا کر لیتا تھا۔ البتہ اپنے بارے میں مجھے جو کچھ یاد ہے وہ اس طرح ہے کہ ایک دفعہ جبکہ میری عمر کوئی اٹھارہ انیس برس ہوگی ہم اپنے شہر سے حضرت امام رضاؑ کی زیارت کی غرض سے بس میں بیٹھ کر مشہد مقدس کے لئے روانہ ہوئے۔ والدگرامی

اور والدہ ماجدہ اگلی سیٹ پر اور میں اور میرا چھوٹا بھائی بالکل ان کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جب بس چل پڑی تو میں انسانی ہمدردی کے جذبے سے سرشار اپنی سیٹ سے اٹھا اور ہر ایک مسافر کے پاس گیا اور پوچھا کہ انہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ؟! کسی نے پانی مانگا میں نے فوراً ٹھنڈے پانی کا گلاس اسے پیش کر دیا۔ کسی کو ڈرائیور سے کچھ کہنا تھا اور بس کے شور کی وجہ سے ان کی آواز اس تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ میں نے پیغام رسانی کا کام کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ کیفیت ہوگئی کہ جس کسی کو بھی کوئی کام پڑا اس نے مجھ ہی سے رابطہ کیا۔

اسی بس میں میری سیٹ کے پچھلی طرف ایک دوشیزہ بیٹھی تھی جو چندِ آفتاب اور چندِ ماہتاب تھی وہ بڑی پردہ دار تھی اور اس نے اپنے چہرے سمیت تمام جسم کو مکمل ڈھانپ رکھا تھا۔ صرف ایک دفعہ غیر ارادی طور پر اس کی چادر چہرے سے ذرا سی سرک گئی اور اس ایک جھلک نے میرے رگ و پے میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے چادر اس طرح سے پکڑ لی کہ سوئی کے ناکے کے برابر بھی میں اس کی شکل دیکھ نہ پایا۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ بس میں بیٹھے تمام حضرات کی محبت اس چادر پوش دوشیزہ میں جمع ہو گئی ہے مگر میں کیا کر سکتا تھا۔ میں چپ چاپ اپنی نشست پر بیٹھ گیا اور اس دوشیزہ سے ہمکلام ہونے کے طریقے سوچنے لگا۔ سوچتے سوچتے مجھے یاد آیا کہ میں بھی کتنا بیوقوف ہوں اس سے بات کرنے کا بہترین طریقہ وہی ہے جو دوسروں پر آزمایا جا چکا ہے یعنی میں دوسروں کی طرح اس کے پاس بھی جا کر پوچھ لوں کہ آپ کی کوئی ضرورت تو نہیں جو میں پوری کر سکوں ؟!

میں نے ایسا ہی کیا چنانچہ اس نے فوراً جواب دیا کہ پیاس لگ رہی ہے اگر زحمت نہ ہو تو ایک جام ادھر بھی عنایت فرما دیجئے ! جواب سن کر میرے عشق میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ میں اچھلا ، جام بھرا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ مگر اسی لمحہ کثرتِ اشتیاقِ وصل سے میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو چھلک پڑے جن کو میں باوجود کوشش کے ضبط نہ کر سکا۔ (میں آپ کو یہ نہیں بتاؤں گا کہ ہوا کیا ؟ اور میرے آنسو کیوں نکل پڑے۔ اگر آپ عشق کا ذوق رکھتے ہیں تو آپ کو معلوم ہوگا، اگر بے ذوق ہیں اور میں

نے آپ کو ساری بات مکمل کر بتا دی تو آپ مجھے بدیانت قسم کا آدمی سمجھنے لگیں گے میں آپ سے خدا لگتی کہہ رہا ہوں کہ میری آنکھیں اتنی امین تھیں کہ شاید ہی کوئی میرا ہم عمر مقابلہ کر سکے) مگر میں آپ سے صرف اتنا کہوں گا کہ میرے اس مشاہدے کے بعد ساری بس والے تاڑ گئے کہ میں اس دوشیزہ پر عاشق ہو گیا ہوں حسنِ اتفاق یہ ہوا کہ اس وقت ہم مشہدِ مقدس کے بالکل نزدیک پہنچ چکے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہماری بس مشہدِ مقدس آ کر رک گئی مگر میری یہ حالت تھی کہ میں نے رو رو کر آنکھیں سرخ کر لی تھیں۔ میرے والدین بھی معاملے کی تہہ تک پہنچ چکے تھے مگر انہوں نے مجھے جتایا نہیں۔ وہ میرا بھرم رکھنا چاہتے تھے۔ البتہ میری محبت کی وجہ سے انہوں نے لڑکی کے والدین سے شناسائی کر لی تھی۔ وہ مشہد ہی کے رہنے والے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ہمیں گھر آنے کی پیشکش کر ڈالی جسے میرے والدین نے بخوشی قبول کر لیا۔ چار پانچ دن گزرے ہوں گے کہ عشق نے میرا حلیہ بگاڑ دیا۔ میرا وزن پانچ چھ کلو کم ہو گیا۔ سب سمجھنے لگے کہ میں کوئی دائمی مریض ہوں۔ میں دن بھر ان کے گھر کے قرب و جوار میں سرگشت کرتا۔ رات کو ذرا آنکھ بند ہوتی تو اس کا چاند سا چہرہ سامنے آ جاتا اور باقاعدہ باآوازِ بلند رونے لگتا۔ جس دن ہم نے ان کے ہاں جانا تھا اس سے پہلے کی رات شبِ جمعہ تھی۔ میں رات بھر حضرت امام رضاؑ کے روضۂ اقدس میں شب بیداری کرتا رہا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس دوشیزہ کے والدین حرم مبارک میں آئے ہیں۔ جونہی ان کی نظر مجھ پر پڑی۔ بڑی محبت سے ملے اور کہنے لگے کہ اپنے والدین سے کہنا کل کا وعدہ مت بھولیں اور دیکھو تم بھی ساتھ آنا۔ ہمیں تم بھی اچھے لگتے ہو۔

اگلے دن جمعۃ المبارک تھا۔ میں بہت تھک چکا تھا۔ چارپائی پر لیٹا تو بے اختیار اونگھ آ گئی۔ تھوڑی ہی دیر سویا ہوں گا کہ خواب میں کیا دیکھتا ہوں ؟! ایک شخص ہے اس نے مجھے لٹایا میرا سینہ چاک کیا اور یہ کوشش کرنے لگا کہ میرے دل کو آسمان کی طرف موڑ دے۔ میرا دل بالکل ایک ٹارچ کی طرح بڑی تیز روشنی نکال رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا یہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا کتنے افسوس کی بات ہے کہ تمہارا دل اپنی تمام روشنی اس طرف پھینک رہا ہے اور ساتھ ہی اس نے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا میں نے دیکھا تو وہاں وہی دوشیزہ بالکل

اس طرح بیٹھی تھی جیسے بس میں بیٹھے ہوئے میں نے اُسے دیکھا تھا اور میرے دل کی روشنی سیدھی اس پر پڑ رہی تھی۔ میں نے اس آدمی سے کہا میرے دل کو اس کے رُخ پر رہنے دو مگر اس نے کہا ذرا صبر کرو اور دیکھو میں تمہارے دل کو کس رُخ پر کر رہا ہوں اگر تمہیں پسند نہ آئے تو جیسے کہو گے ویسے ہی کر دوں گا۔ میں چیختا رہا کہ میں ایک لمحہ بھر کے لئے اپنے دل کو اس لڑکی سے ہٹانا نہیں چاہتا مگر اس نے میری ایک نہ سُنی اور میرے دل کی روشنی کا رُخ آسمان کی طرف کر دیا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ اوپر آسمانوں میں جہاں میرے دل کی روشنی ٹارچ کی لکیر کی طرح پڑ رہی ہے وہ حسن و جمال ہے کہ ناقابلِ بیان ہے۔ اگر میں نے وہ پہلے دیکھ لیا ہوتا تو کبھی لڑکی کی طرف مائل نہ ہوتا۔ اور اگر میں اس دلفریب منظر کی تفصیل آپ کو بتانا چاہوں تو گھنٹوں بیان کے باوجود بھی بتا نہ پاؤں گا۔ پس میں نے اس شخص کی منتیں کیں کہ خدارا میرے دل کی ٹارچ کو اسی رُخ پر رہنے دو اور اس کا بٹن یہیں پکا کر دو تاکہ زندگی میں کبھی میں اس کا رخ تبدیل کر سکوں اور نہ ہی میں اسے بجھا سکوں! اس نے کہا بہت اچھا اور مجھ سے کہا کہ ایک بات تم بھی سن لو اگر تم اس جمالِ لازوال کو ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہتے ہو تو دیکھو کبھی نمازِ تہجد نہ چھوڑنا۔ اور امام آخر الزماں حضرت قائم آلِ محمد(ع) سے کبھی اپنا رابطہ منقطع نہ کرنا اپنی آنکھوں پر قابو پانا اور اس سے کبھی اللہ سبحانہٗ کی نافرمانی نہ کرنا۔ یہ کہہ کر وہ آدمی غائب ہوگیا۔ میری آنکھ کھل گئی اور میں عشقِ مجازی سے تائب ہو کر عشقِ حقیقی میں مبتلا ہوگیا جیسا کہ تم خود دیکھ رہے ہو۔ اللہ سبحانہٗ نے بہ تصدقِ معصومین(ع) مجھے جن صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اسی خواب والے واقعے کی وجہ سے ہے۔

دوسرا واقعہ:

میری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جو ہر چیز سے لاتعلق اور الگ تھلگ۔ دنیا و مافیہا میں سے کسی چیز میں اس کو لگاؤ نہیں تھا گویا کہ وہ انسانوں بھری دنیا میں ایک زندہ لاش کی طرح پھر رہا تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ اس دنیا میں کوئی ایک چیز ایسی بھی ہے جس سے تمہیں

لگاؤ ہو ؟ کہنے لگا، نہیں ! میں کسی چیز کو نہیں چاہتا اور نہ ہی کسی چیز سے مجھے رغبت ہے۔ میں ہمیشہ اس تاک میں رہتا ہوں کہ لوگ اور خدا دونوں میری مدد کریں اور میری دنیا اور آخرت اچھی بنائیں۔ لوگوں سے میں یہ چاہتا ہوں کہ میری مدد کریں تاکہ میری دنیا بنے اور خدا سے یہ چاہتا ہوں کہ میری مدد کرے اور میری آخرت اچھی بنائے۔ اس کے علاوہ مجھے ساری کائنات بُری لگتی ہے۔ میں نے اسے کہا کہ کمال ہے، لوگ تمہیں عالم فاضل سمجھتے ہیں اور تمہارا یہ حال ہے! اگر تمہاری سوچ صحیح ہے تو مندرجہ ذیل روایات کا مفہوم کیا ہے؟!

قَالَ الصَّادِقُ ؑ اَلْمُحِبُّ فِی اللّٰہِ مُحِبُّ اللّٰہِ وَالْمَحْبُوْبُ فِی اللّٰہِ حَبِیْبُ اللّٰہِ لِاَنَّہُمَا لَا یَتَحَابَّانِ اِلَّا فِی اللّٰہِ۔

حضرت امام صادق ؑ نے فرمایا: جو شخص اللہ سُبحانہٗ کی خاطر کسی سے پیار کرے دراصل خود اللہ سبحانہٗ سے پیار کرتا ہے اور جس شخص سے لوگ اللہ سبحانہٗ کی خاطر محبت کریں دراصل اس سے خود اللہ سُبحانہٗ محبت کرتا ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے کو اللہ سُبحانہٗ کے لئے چاہتے ہیں۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۶۹ ص ۲۵۱)

حضرت رسولِ اکرمؐ کا ارشاد ہے: انسان جس سے بھی محبت کرے گا اس کے ساتھ محشور ہوگا۔ پس اگر کسی شخص سے اللہ سُبحانہٗ کے لئے محبت کرتے ہو تو یہ خود اللہ سبحانہٗ سے محبت ہے اور جو اللہ سُبحانہٗ سے محبت کرتا ہے جواباً اللہ سُبحانہٗ اس سے محبت کرتا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (ص): اَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِیِّیْنَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَلْمُحِبُّوْنَ لِلّٰہِ اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِیْہِ وَکُلُّ حُبٍّ مَعْلُوْلٍ یُوْرِثُ بُعْداً

دنیا و آخرت میں انبیاء ؑ کے بعد عظیم ترین وہ افراد ہیں جو اللہ سُبحانہٗ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ سُبحانہٗ کی خوشنودی کے لئے ایک دوسرے سے اظہارِ محبت

فِيهِ عَدَاوَةً إِلَّا هٰذَيْنِ وَهُمَا مِنْ عَيْنٍ وَاحِدَةٍ يَزِيدَانِ أَبَداً وَلَا يَنْقُصَانِ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ "الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ" لِأَنَّ أَصْلَ الْحُبِّ التَّبَرِّيْ عَنْ سِوَى الْمَحْبُوبِ.

کرتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ ہر محبت کسی چیز کا نتیجہ ہوتی ہے جو انجام کار دشمنی پیدا کرتی ہے سوائے مذکورہ بالا دو محبتوں کے کہ دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے جو کبھی کم و بیش نہیں ہوتا اللہ سبحانہ سورہ زخرف آیت نمبر ۶۷ میں ارشاد فرماتا ہے، روزِ قیامت متقیوں کے علاوہ سب دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے کیونکہ ان کی محبت اللہ سبحانہ کے لئے تھی اور محبت کی حقیقت بھی یہی ہے کہ محبوب کے علاوہ ہر ایک کی دوری چاہتی ہے۔

(۱ بحار الانوار جلد نمبر ۶۹ صہ ۲۵۱)

قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ (۲) إِنَّ أَطْيَبَ شَيْءٍ وَأَلَذَّهُ فِي الْجَنَّةِ حُبُّ اللّٰهِ وَالْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: "وَآخِرُ دَعْوٰيهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" وَذٰلِكَ إِذَا عَايَنُوا مَا فِي الْجَنَّةِ مِنَ النَّعِيمِ هَاجَتِ الْمَحَبَّةُ فِي قُلُوبِهِمْ فَيُنَادُونَ عِنْدَ ذٰلِكَ "أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ"

امیر المومنین حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ جنت میں بہترین اور لذیذ ترین چیز اللہ سبحانہ کی محبت اللہ سبحانہ کی خاطر محبت اور اللہ سبحانہ کی حمد و ثنا ہوگی۔ کیونکہ اللہ سبحانہ سورۂ یونس آیت نمبر ۱۰ میں ارشاد فرماتا ہے کہ جنتیوں کا عمدہ ترین کلام یہ ہوگا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" اور یہ اس لئے کہ جب مومنین جنت میں اللہ سبحانہ کی محبت کا عملی طور پر مشاہدہ کریں گے اور اس کی گوناگوں نعمتوں کو دیکھیں گے ان کے دلوں میں

اللہ سبحانہ کی محبت بہت زیادہ ہوجائے گی۔ وہ سرشار ہوکر کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

(بحارالانوار جلد ۶۹ صہ ۲۵۱)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) لِبَعْضِ اَصْحَابِهٖ ذَاتَ يَوْمٍ: "يَا عَبْدَ اللّٰهِ اَحْبِبْ فِي اللّٰهِ وَاَبْغِضْ فِي اللّٰهِ وَوَالِ فِي اللّٰهِ وَعَادِ فِي اللّٰهِ فَاِنَّهٗ لَا تُنَالُ وَلَايَةُ اللّٰهِ بِذَالِكَ وَلَا يَجِدُ رَجُلٌ طَعْمَ الْاِيْمَانِ وَاِنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهٗ وَصِيَامُهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ ذَالِكَ، وَقَدْ صَارَتْ ..." وَقِيْلَ لَهٗ (ص): كَيْفَ لِيْ اَنْ اَعْلَمَ اِنِّيْ قَدْ وَالَيْتُ وَعَادَيْتُ فِي اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ ......" فَاَشَارَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) اِلٰى عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ (ص) اَتَرٰى هٰذَا؟! فَقَالَ بَلٰى. قَالَ (ص) وَلِيُّ هٰذَا وَلِيُّ اللّٰهِ فَوَالِهٖ ..... وَلَوْ اَنَّهٗ اَبُوْكَ وَوَلَدُكَ.

حضرت رسول اکرمؐ نے ایک دن اپنے ایک صحابیؓ سے فرمایا: اے بندۂ خدا کسی سے تمہاری محبت، نفرت، حمایت، مخالفت، دوستی اور دشمنی صرف اور صرف اللہ سبحانہ ہی کے لئے ہونی چاہیئے کیونکہ جب تک کوئی شخص یہ کام نہ کرے چاہے کتنا ہی نمازی اور روزہ دار ہی کیوں نہ ہو، اللہ سبحانہ کا دوست نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ایمان کی لذت لے سکتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: آج تمہاری برادریاں اور بھائی چارے سب کے سب دنیاوی لحاظ سے ہیں۔ دنیاوی مفاد کی خاطر ایک دوسرے سے اظہار محبت یا اظہارِ دشمنی کرتے ہو۔ یہ دوستی اور دشمنی تمہیں فائدہ نہیں دے گی۔ جناب صحابیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! یہ بھی تو فرمایئے کہ مجھے کیسے پتہ چلے کہ میری دوستی اور دشمنی

اللہ سبحانہٗ کے لئے ہے اور کون اللہ سبحانہٗ
کا دوست اور کون دشمن ہے ؟! قریب ہی
امیرالمومنین حضرت علیؑ بھی تشریف فرما تھے،
آپؐ نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:
ان صاحب کو پہچانتے ہو! اس نے عرض کیا
کیوں نہیں ! فرمایا تو بس بات آسان ہو گئی
ان کا دوست اللہ سبحانہٗ کا دوست ہے، تم
انہیں عزیز جانو اور ان کا دشمن دراصل
دشمنِ خدا ہے اس کو دشمن سمجھو! اس کے بعد
حضرت رسول اکرمؐ نے عجیب بات فرمائی کہ
ان کے دوست کو عزیز جان اگرچہ تیرے باپ
اور بچوں کا قاتل ہی کیوں نہ ہو اور ان کے
دشمن سے دشمنی کرو چاہے وہ تیرا باپ
اور بچے ہی کیوں نہ ہوں۔

(بحارالانوار جلد ۶۹ صہ ۲۳۶)

اس کتاب میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ آپؑ
نے فرمایا :

إِنَّ مِنْ أَوْثَقِ الْإِيمَانِ أَنْ تُحِبَّ فِي اللّٰهِ وَ تُبْغِضَ فِي اللّٰهِ وَ تُعْطِيَ فِي اللّٰهِ وَ تَمْنَعَ فِي اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ.

ایمان کا اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ اللہ
سبحانہٗ کے لئے دوستی اور دشمنی کی جائے
اللہ سبحانہٗ کے لئے مال خرچ کیا جائے
اور اللہ سبحانہٗ ہی کی خوشنودی کی خاطر

کسی کو محروم رکھا جائے۔

(بحارالانوار باب حب وبغض فی اللہ)

ایک دن اللہ سبحانہٗ نے حضرت موسیٰؑ سے پوچھا: موسیٰؑ کیا آج تم نے میرے لئے کچھ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: پروردگارا! میں نے تیرے لئے نماز پڑھی، روزہ رکھا مال خرچ کیا اور تیری حمد وثنا کی۔ اللہ سبحانہٗ نے فرمایا: دیکھو موسیٰؑ نماز تم نے اس لئے پڑھی کہ وہ تمہارے مسلمان ہونے کی علامت ہے روزہ دوزخ کی آگ کے لئے ڈھال ہے۔ صدقاتِ مالی رد بلا کے لئے تم نے دیئے۔ میری حمد وثنا تمہارے دل کی نورانیت کے لئے ہے، صرف میرے لئے تم نے کیا کیا ہے؟!

حضرت موسیٰؑ نے بیقراری سے سوال کیا تو اے مالک پھر مجھے بتا وہ کونسا عمل ہے جو صرف تیرے لئے ہے؟! اللہ سبحانہٗ نے فرمایا، اے موسیٰؑ! کیا کبھی میرے دوست سے دوستی کی ہے یا میرے دشمن سے دشمنی کی ہے؟! حضرت موسیٰؑ فوراً سمجھ گئے کہ اللہ سبحانہٗ کے نزدیک بہترین عمل اسی کی خاطر دوستی اور دشمنی کرنا ہے!

بحارالانوار جلد نمبر ۶۹ ص ۲۵۳، حضرت امام رضاؑ کا خط کسی مومن کے نام ہے اس میں آپ نے اُسے یہی نصیحت فرمائی ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا:

کُنْ مُحِبًّا لِآلِ مُحَمَّدٍ وَاِنْ کُنْتَ فَاسِقًا وَمُحِبًّا لِمُحِبِّیْهِمْ وَاِنْ کَانُوْا فَاسِقِیْنَ۔

اے فلاں، ہمیشہ آلِ محمدؐ سے محبت اور دوستی کرتے رہو چاہے تم فاسق ہی کیوں نہ ہو اور محبانِ آلِ محمدؐ سے بھی محبت اور دوستی کرو چاہے وہ فاسق ہی کیوں نہ ہوں۔

جب میں نے مذکورہ بالا روایات اُسے سنائیں وہ کہنے لگا:

آپ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ سبحانہٗ میرے دل میں بھی جذبۂ محبت پیدا کرے کیوں کہ یہ چیز بازار میں نہیں ملتی،

یہ ایک حقیقت ہے کہ مہلک ترین نفسیاتی امراض اسی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں کہ انسان میں جذبۂ محبت و عشق نہیں ہوتا کیونکہ ہر بری عادت یا صفت کو انسان اس کے مدمقابل سے محبت کرکے اپنے سے دُور کرسکتا ہے۔ جو شخص اس جذبے سے ہی عاری ہو وہ بڑی مشکل میں رہے گا۔ ایسے اشخاص کے لئے ایک تجویز ہے کہ ہر روز چند لمحوں کے لئے بارگاہِ حضرت امام زمان (آپ کے پائے مبارک کی گرد پر میری اور عالم کی ارواح قربان ہو جائیں)۔ میں حاضر ہوکر ان سے التماس کرے کہ یہ جذبہ اسے عطا فرمائیں !!

چغل خوری

انہوں نے فرمایا:

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مجھے علمار کی ایک نشست میں بلایا گیا۔ اس محفل میں اکثر علمار ہی تھے۔ البتہ چند ایک دوسرے حضرات بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ طرح طرح کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اچانک ایک ماہرِ نفسیات اٹھے۔ انہوں نے حاضرین سے مخاطب ہوکر ایک عجیب سوال کیا: حضرات اگر اللہ سُبحانہٗ آپ حضرات کے لئے صرف ایک گناہ حلال کر دے اور آپ ہی کو اختیار دے کہ اپنی مرضی سے گناہ منتخب کرلیں تو آپ کونسا گناہ چنیں گے ؟! ہر کسی نے اپنا انتخاب بیان کیا۔ وہاں ایک بزرگ درویش منش عالم بھی تشریف رکھتے تھے، انہوں نے کہا۔ میں کوئی بھی گناہ حلال کیا جانا پسند نہیں کروں گا۔ البتہ اس بات پر سوائے میرے کسی نے توجہ نہ دی۔

ایک اور صاحب بولے کہ میں چغل خوری کو پسند کروں گا کیونکہ میرا دل بہت چاہتا ہے کہ لوگوں کی چغلی کھاؤں! اکثر علمار نے اس کا مذاق اڑایا کہ اتنے مزیدار گناہ چھوڑ کر تم غیبت کو لے بیٹھے ہو بھلا اس میں تمہیں کیا لذت حاصل ہوگی ؟! تم ہمیشہ یہی بات کرتے ہو۔ اس

نے کہا میں نے اپنی پسند سچ سچ کہہ دی ہے مجھے اس فعل میں سب سے زیادہ مزہ آتا ہے۔

میری یہ کوشش رہتی ہے کہ علماء کرام سے استفادہ کیا جائے۔ اس دن میں خاص طور پر وہاں پر کسبِ فیض کے ارادے سے گیا تھا۔ چنانچہ میں نے اس درویش منش عالم دین کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے یہ درجہ کیسے پایا کہ آپ کو کوئی بھی گناہ لذت نہیں دیتا ؟!

انہوں نے فرمایا:

اگر آدمی صحیح معنیٰ میں اللہ سبحانہ کا بندہ بن جائے تو اللہ سبحانہٗ اس کی آنکھوں پر پڑے پردے اٹھا دیتا ہے۔ اعمال کے فوائد و نقصانات اس پر واضح کر دیتا ہے اور امالی صدوق کا درج شدہ دعا، "اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ یعنی اے پروردگار! ہمیں تمام چیزیں ان کی اصل شکل میں دکھا" کا مصداق بنا دیتا ہے۔ چنانچہ انسان گناہوں کے بھیانک انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے پس وہ ان سے ہر حالت میں پرہیز کرتا ہے گرچہ اسے ان کے انجام دینے کی اجازت ہی کیوں نہ مل جائے۔ اس پُر مغز اور تسلی بخش جواب کے بعد میں نے دوسرا سوال کر دیا کہ یہ بھی بتا دیجیے کہ فلاں مولانا غیبت کرنے کو اتنا باعثِ لذت کیوں فرما رہے تھے کہ اتنے سارے گوناگوں لذتوں والے گناہ میں سے انہوں نے صرف اسی کا انتخاب کیا!!

انہوں نے فرمایا:

بات یہ ہے کہ آپ کے اس سوال کا تعلق ان مولانا صاحب کی ذات سے ہے اور شاید ہم باتوں باتوں میں کوئی جملہ ایسا کہہ جائیں جو خود ان کی غیبت ہو اور ہم خواہ مخواہ گنہگار ہوں بہتر یہی ہے کہ خود ان کو بھی بلا لیں اور ساری بات ان کے سامنے کریں۔ ان سے حقیقتِ حال بھی معلوم کر لیں اور ایک بڑے گناہ سے دامن بھی بچا لیں۔ میں مان گیا اور جس کمرے میں ہم بیٹھے تھے ان کو بھی اس کمرے میں بلا لایا۔ میں نے مولانا صاحب سے ساری بات کہہ ڈالی اور ان کو زحمت دینے کی وجہ بھی بتا دی۔ وہ بولے، میرے خیال میں میری یہ کیفیت ان اذیتوں اور تکالیف کی وجہ سے ہے جو لوگوں کی طرف سے میرے حقوق پامال کئے

جلنے کی وجہ سے مجھ پر نہیں ! مجھے انہوں نے اتنا ستایا ہے کہ اب مجھے صرف ان کی مذمت کرنے، رسوا کرنے اور مختصر یہ کہ ان کی غیبت کرنے میں ہی سکون ملتا ہے۔ اور اب تو حال یہ ہو گیا ہے کہ میں سوچ رہا ہوں کہ اس عادت سے جان کیسے چھڑاؤں! اس موقع پر مولانا نے ان بزرگ اور خود مجھے مخاطب کر کے کہا کہ اب آپ حضرات ہی بتائیں کہ اس بیماری کا میں کیا علاج کروں!؟ وہ بزرگ بولے میں تمہارے لئے دو نسخے تجویز کرتا ہوں اگر اس پر عمل کرو گے تو یقیناً اس قبیح فعل سے نجات پا جاؤ گے!

پہلا یہ کہ اچھی طرح جان لو کہ دُنیا دار پست لوگ اور دنیا کو چاہنے والے کمینے لوگ ازل سے اللہ سبحانہ کے کھرے اور سچے بندوں کو ستاتے آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت آدم ؑ سے لے کر حضرت رسولِ اکرم ؐ تک لوگوں نے ہمیشہ اولیا اللہ ؒ کو ستایا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور خود ذاتِ باری کو بُرا بھلا کہا۔ گویا کہ یہ ظلم برداشت کرنے والے دنیا میں تم اکیلے ہی تو نہیں ہو! جب تم اس حقیقت سے آشنا ہو جاؤ گے کہ دنیا دار لوگ سب کے لئے تکلیف و اذیت کا باعث ہیں، علی الخصوص اللہ والوں کے لئے تو یہ مسئلہ تمہارے لئے ایک عام سی بات ہو جائے گی۔ اسی سلسلے میں خود میرے ساتھ ایک واقعہ گزرا ہے جو میں تمہیں سناتا ہوں:

ہوا یوں کہ میں ایک محنتی طالب علم تھا۔ ایک شخص نے مجھے نہایت غلیظ خط بھیجا اس خط میں سوائے گالی گلوچ کے اور کچھ نہیں تھا۔ مجھے بہت غصہ آیا۔ میں شکایت لے کر حضرت آیۃ العظمیٰ جناب بروجردی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پہنچا۔ ان کو وہ خط دکھایا آپ نے وہیں بیٹھے بیٹھے میرے سامنے متعدد خطوط رکھ دیئے جن میں خود ان کو مغلظات کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اس عالمِ اجل کی شان میں شرمناک حد تک گستاخی کی گئی تھی کہ میرا سارا غصہ جاتا رہا اور مجھے معلوم ہوا کہ انسان جتنا نیکی اور پاکیزگی و طہارت کے قریب جائے گا لوگ اس کی زیادہ توہین کریں گے۔ اسی ذیل میں جناب علقمہ سے روایت ہے کہ وہ بارگاہِ حضرت امام صادقؑ

میں حاضر ہوئے اور پوچھا، اے فرزندِ پیغمبرؐ وہ لوگ کون ہیں جن کی گواہی قابلِ قبول ہے اور کن کی ناقابلِ قبول ؟! آپؑ نے فرمایا ہر مسلمان کی گواہی قابلِ قبول ہے۔ انہوں نے عرض کیا تو پھر اللہ سبحانہٗ کی نافرمانی کرنے والوں کی گواہی بھی قابلِ قبول ہونی چاہیئے۔ آپؑ نے فرمایا: اگر گواہی کا معیار یہ قرار دیا جائے تو پھر سوائے انبیاءؑ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے کوئی بھی گواہی دینے کے قابل نہ ہوگا۔

حالانکہ گواہی دینے کی اہلیت یہ ہے کہ جو مسلمان ظاہراً گناہ نہیں کرتا دو عادل مسلمان بھی اس کے خلاف ارتکابِ گناہ کی گواہی نہیں دیتے پس وہ گواہی دینے کا اہل ہے اور قابلِ احترام ہے اگرچہ چھپ کر وہ گناہ ہی کیوں نہ کرتا ہو۔ مزید براں جو شخص ایسے مسلمان کی غیبت کرے یعنی اس کی برائیاں دوسرے کو بتائے وہ اللہ سبحانہٗ کا بندہ نہیں بلکہ شیطان کا بندہ ہے۔ میں نے اپنے والدِ بزرگوار سے حضرت رسولِ اکرمؐ کا یہ قول سُنا ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی برائیاں بیان کرے اللہ سُبحانہٗ ان دونوں کو جنت میں اکٹھا نہیں رکھے گا۔ اور اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی پر الزام لگائے یعنی وہ بات کہے جو سرے سے اس میں موجود ہی نہیں تو اللہ سبحانہٗ الزام لگانے والے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں پھینک دے گا اور وہ بہت ہی بُری اور تکلیف دہ جگہ ہے۔ جناب علقمہؒ نے عرض کیا۔ مولاؑ لوگ ہمارے بارے میں اتنی بُری اور نازیبا باتیں کرتے ہیں کہ ہم پریشان ہو جاتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: يَا عَلْقَمَةُ إِنَّ رِضَا النَّاسِ لَا يُمْلَكُ وَأَلْسِنَتُهُمْ لَا تُضْبَطُ یعنی "علقمہؒ! نہ تو تمام لوگوں کو خوش کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کی زبان پکڑی جا سکتی ہے"

علقمہؒ! تم عوام کی زبان سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہو جبکہ اللہ سُبحانہٗ کے نبیؑ اور نمائندے ان سے محفوظ نہیں رہ سکے! تم نے نہیں سنا کہ حضرت یوسفؑ صدیق پر (العیاذ باللہ) زنا کا الزام لگا دیا گیا اور حضرت ایوبؑ کے بارے میں یہ کہا گیا کہ ان کی بیماری ان کے ایک سنگین گناہ کا نتیجہ تھی ؟ آیا حضرت داؤدؑ کے بارے میں یہ نہیں کہتے کہ ایک پرندہ پکڑنے کے بہانے وہ "اوریا"

(اس زمانے کی ایک خوبصورت خاتون) کی منڈیر پر چلے گئے تاکہ اس کو دیکھیں پھر اس کی محبت میں انہوں نے اس کے خاوند کو محاذِ جنگ پر بھیج دیا تاکہ وہ مارا جائے اور وہ خود اوریا سے شادی کر سکیں!!

علقمہؓ! تم نے نہیں سنا کہ حضرت موسیٰؑ کو "نامرد" ہونے کا الزام لگایا گیا؟ انہیں شدید کوفت ہوئی حتیٰ کہ اللہ سبحانہ نے ان کو سرخرو فرمایا کیونکہ اللہ سبحانہ کے ہاں وہ بڑے برگزیدہ تھے۔ اسی طرح دیگر انبیاءؑ پر طرح طرح کے الزامات نہیں لگائے گئے کہ وہ جادوگر ہیں یا یہ کہ حرصِ دنیا کے لئے دعوائے نبوت کرتے ہیں؟ اور حضرت مریمؑ پر الزام نہیں لگایا کہ (معاذاللہ) انہوں نے ایک بڑھئی سے تعلقات کے نتیجے میں حضرت عیسیٰؑ کو جنم دیا۔ سب سے بڑھ کر خود میرے جدِ بزرگوار حضرت رسولِ اعظمؐ پر الزام نہیں لگایا کہ (معاذاللہ) وہ شاعر اور پاگل ہیں اور اس گھٹیا بات کی نسبت ان سے نہیں دی کہ وہ اپنے غلام زید بن حارثؓ کی زوجہ پر عاشق ہو گئے تھے اور ان کی بعض حرکات کی وجہ سے زید بن حارثؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور آپؐ نے اس سے شادی کر لی!! علقمہؓ! تم نے نہیں سنا کہ جنگِ بدر کے بعد جب مالِ غنیمت اٹھا لیا گیا تو مسلمانوں نے حضرت رسولِ اعظمؐ پر سرخ مخملی پٹکا چرانے کا الزام لگا دیا تھا۔ حتیٰ کہ سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۶۱ میں اللہ سبحانہ کو حضورِ اکرمؐ کی صفائی پیش کرنا پڑی۔ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی نبیؐ کبھی امانت میں خیانت نہیں کرتا، البتہ جو خیانت کرے گا روزِ قیامت اس کا مواخذہ ہوگا"

علقمہ! کیا تم نے نہیں سنا کہ مسلمانوں نے حضرت رسولِ اکرمؐ پر یہ الزام لگایا کہ وہ اپنے چچازاد بھائی حضرت علیؑ کے بارے میں اپنی مرضی سے باتیں کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ سبحانہ نے سورہ نجم آیت نمبر ۳ نازل کر کے اس بات کی تردید کی۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ یعنی حضرت رسولِ اکرمؐ کوئی بات اپنی مرضی سے نہیں کرتے بلکہ جو کچھ بھی فرماتے ہیں عین وحیٔ خدا ہوتی ہے۔" علاوہ ازیں آپؐ کو یہ کہا گیا کہ آپؐ اللہ سبحانہ کے نمائندہ نہیں ہیں۔

آپ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے تو اللہ سبحانہ نے تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "حبیب! صرف تم ہی تو ان کی تکذیب کا نشان نہیں بنے ہو بلکہ تم سے پہلے جتنے میرے نبی آئے ان سب کو لوگوں کی طرف سے تکذیب کا سامنا رہا ہے۔ انہوں نے صبر کیا اور بڑی تکالیف برداشت کیں۔ حتیٰ کہ ہم نے ان کی مدد کی!"

معراج مبارک کے بارے میں بھی آپ کی تردید کی گئی کہ رات کو آپ تو بستر پر سو رہے تھے آسمانوں پر کہاں گئے؟! حضرت رسول اکرم کے بعد ائمہ ہدیٰ پر جو الزامات اور تہمتیں لگائی گئیں وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ کیا امیرالمومنین حضرت علیؑ پر یہ الزام بار بار نہیں لگایا گیا کہ آپ حرصِ اقتدار میں مبتلا ہیں اور کرسی کے لئے امن و امان کا مسئلہ کھڑا کرتے رہتے ہیں، مسلمانوں کا خون بہاتے رہے ہیں وغیرہ وغیرہ؟! کیا ان پر یہ الزام نہیں لگایا کہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے ہوتے ہوئے ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتے تھے حالانکہ ابوجہل علی الاعلان دشمنِ خدا تھا اور فاطمۃ الزہراؑ حضرت رسول کریمؐ کی نورِ نظر تھیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: علقمہؓ! دیکھو! یہ کتنی تعجب خیز بات ہے کہ لوگوں کا ایک گروہ امیرالمومنین حضرت علیؑ پر خدا ہونے کا شبہ کرتا ہے اور ایک گروہ ان پر نافرمانِ خدا ہونے کا الزام لگاتا ہے! یقیناً امیرالمومنینؑ پر یہ زیادہ گراں ہے کہ ان پر خدا ہونے کا شبہ کیا جائے۔ علقمہؓ! سب سے بڑھ کر یہ کہ خود ذاتِ پاکِ پروردگار! پر الزامات نہیں لگائے گئے؟! یہ نہیں کہا گیا کہ خدا دراصل تینوں کا مجموعہ ہے (نظریۂ تثلیث) خدا کو مخلوق سے تشبیہہ نہیں دی گئی؟ کیا لوگوں نے نہیں کہا کہ خدا وغیرہ کچھ نہیں بلکہ یہ زمانہ ہی خدا ہے! یہ آسمان و کائنات ہی خدا ہیں۔ خدا کے بارے میں نہیں کہا گیا کہ وہ جسم رکھتا ہے اور اس کی شکل بھی ہے (العیاذ باللہ من ذالک وتعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً) ......"

علقمہ! جو لوگ خود اللہ سبحانہ پر الزام لگانے سے نہیں چوکتے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ عوام الناس پر الزام نہ لگائیں پس اللہ سبحانہ سے مدد کی دعا کرو اور صبر کرو۔"

پس اے بندۂ خدا یہ وہ نسخہ ہے جو حضرت امام جعفر صادقؑ نے تمہارے لئے تجویز فرمایا ہے!

بات بھی صحیح ہے کہ جب انسان کو پتہ چل جائے انبیاء، اوصیاء اور ائمۂ ھدیٰ بلکہ خود ذات پاک پروردگار لوگوں کی زبان درازی سے محفوظ نہیں تو ہما شما کس کھیت کی مولی ہیں۔ اور بقول ایک عالم کے کہ جب مصیبت اور تکلیف عام ہو جائے تو وہ تکلیف نہیں رہتی بقول غالب:

رنج کا خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد انسان کے لئے کوئی مسئلہ نہیں رہتا اور وہ کوئی غلط قدم نہیں اٹھاتا بُرائی کا جواب برائی سے نہیں دیتا بلکہ "ادب کہاں سے سیکھا، بے ادبوں سے" کے مصداق وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ اس کا رویہ لوگوں کے ساتھ ان کے رویے سے مختلف ہو۔

دوسرا یہ کہ:

تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ لوگوں کی بدخواہی اور پیٹھ پیچھے برائی کرنا اس لئے نہایت گھٹیا بات اور بدترین روحانی مرض ہے کہ ایسا کرنا بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ اپنے کسی مردہ بھائی کا گوشت کھانا اللہ سبحانہٗ نے قرآن مجید کی سورہ حجرات آیت نمبر ۱۲ میں یہی ارشاد فرمایا ہے اور اس کی تشریح غالباً اس طرح کی جا سکتی ہے کہ دنیا میں اپنے آپ کو قابلِ تعریف ثابت کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ انسان کتنے پاپڑ بیلتا ہے جب کہیں جا کر اس کی نیک نامی ہوتی ہے۔ مگر جب غیبت کرنے والا اس کے کسی چھپے عیب کو طشت ازبام کرتا ہے گویا کہ اس کی کردار کشی کرتا ہے اور اسے "چباتا" ہے اور چونکہ وہ خود بھی ان افعال کو پسند نہیں کرتا اس لئے اسے مردہ گوشت کہا گیا ہے۔ جو مکروہ ترین خوراک ہے۔

جس شخص کو پتہ چل جائے کہ غیبت کرنے کی کم از کم سزا یہ ہے کہ اس کے تمام نیک کام غیبت کئے جانے والے کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے۔ اور اس کے تمام بُرے کام خود اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیے جائیں گے۔ تو وہ کبھی غیبت نہیں کرے گا۔

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے ایک روایت ہے، مَنْ ذَكَرَ رَجُلاً مِّنْ خَلْفِهٖ بِمَا

هُوَ فِيهِ مِمَّا لَا يَعْرِفُهُ النَّاسُ اِغْتَابَهُ، وَمَنْ ذَكَرَهُ بِمَا لَيْسَ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَهُ:
(بحار الانوار جلد نمبر ۷۲ صہ ۲۴۵)

اگر کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے ان افعال کا تذکرہ کرے جو لوگوں سے پوشیدہ تھے تو اس نے اس کی غیبت کی ہے اور اگر سرے سے وہ افعال کئے ہی نہیں تو وہ اس پر تہمت لگا رہا ہے۔

اپنے نفس کے خلاف جہاد

انہوں نے فرمایا:

ایک دن کا ذکر ہے کہ میں نے بازار میں ایک باپ بیٹے کو دیکھا۔ باپ بیچارہ بڑی محبت اور ہمدردی سے بیٹے سے کچھ پوچھ رہا تھا مگر بیٹا تیوری چڑھائے باپ کو بڑے گستاخانہ جواب دے رہا تھا۔ مثلاً جب باپ نے پوچھا کہ بیٹا فلاں کام تم نے کیوں نہیں کیا تو بڑی ڈھٹائی سے بولا بس میرا دل چاہتا تھا۔ اور جب اس بیچارے نے کہا کہ دیکھو بیٹا فلاں کام اس طرح کرو۔ تمہارا بھلا اسی میں ہے تو بھی بڑی لاپرواہی سے بولا۔ نہیں میں ایسا نہیں کروں گا۔ ان کے درمیان کافی رد و بدل ہوئی۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی کوفت ہوئی۔ میں بھی ان دنوں جوان تھا۔ میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ میں کسی کو اس طرح بدتمیزی سے کبھی جواب نہیں دونگا۔ اسی تصورات کو لئے میں سوگیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی بزرگ تشریف فرما ہیں اور مجھے وضاحت سے بتا رہے ہیں کہ اس بے ادب نوجوان کے عمل میں دو خرابیاں تھیں:

پہلی:

اس نوجوان کے دل میں جو آئے اسے اس پر عمل نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ابھی اس کا شعور اتنا پختہ نہیں ہوا کہ وہ اپنے سود و زیاں کو سمجھ سکے اور چونکہ نفسِ انسانی آرام طلب ہے اکثر

مضر افعال کی خواہش کرتا ہے۔

دوسری:

اپنے سے بڑے آدمی کے ساتھ اس طرح بدتمیزی سے بات چیت کرنا اور اپنی رائے کو ایک بزرگ اور تجربہ کار آدمی اور وہ بھی والد کی رائے پر ترجیح دینا نہایت قبیح بات ہے اس لئے اس نوجوان کا رویہ قابل نفرت تھا۔ اسی طرح فرض کریں اگر انسان کے اپنے نفس کے مقابلے میں خود اللہ سبحانہ کا حکم ہو یقیناً اس حکم میں بندوں کے لئے محض بھلائی ہی ہے تو قابلِ محبت یہی ہے کہ ذرا سا بھی عمل اپنی مرضی کے مطابق نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کی بزرگی بندے کے مقابلے میں لامتناہی ہے۔ اس کا احترام بھی لامتناہی ہونا چاہیئے۔ خواب میں یہ بات ان اجنبی بزرگ نے مجھ سے کہی۔ اس کے فوراً بعد کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک وسیع و عریض باغ میں ہوں جس کے درخت پھلوں سے لدے ہوئے ہیں۔ پھل بھی طرح طرح کے! میں بھوک محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے پھل کھانے شروع کر دیئے۔ اتنے مزیدار اور اشتہا آور پھل میں نے دنیا میں کبھی نہیں کھائے تھے۔ اس وقت بحار الانوار جلد نمبر ۵، صہ ۳۷ پر درج ایک روایت یاد آگئی کہ حضرت رسولِ اکرمؐ نے فرمایا: طُوْبٰی لِمَنْ تَرَكَ شَهْوَةً حَاضِرَةً لِمَوْعُوْدٍ لَّمْ يَرَهُ یعنی خوش نصیب وہ شخص ہے جو دنیا کی حاضر نعمتوں کو جنت کی ادھار نعمتوں کے لئے ترک کرے۔" میں سمجھ گیا یہ باغ جنت کا ہے اور پھلوں کی صورت میں یہ نعمتیں مجھے اس لئے عطا ہوئی ہیں کہ میں نے دنیا میں اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پانے کے لئے بعض اشیاء سے پرہیز کیا تھا۔ بھئی! واقعی، کیا بتاؤں کہ وہ پھل کس قدر مزیدار اور لذیذ تھے! سب سے زیادہ خوش کن بات یہ تھی کہ میں سمجھ گیا تھا کہ اللہ سبحانہ مجھ سے راضی ہے۔ اس احساس نے میری روح کو ناقابلِ بیان فرحت و سرور بخشا تھا۔ میں نے خواب میں اپنے آپ کو چند لمحے اس قدر بااختیار اور طاقتور پایا کہ ناقابلِ بیان ہے۔ کیونکہ میں نے اپنے خالق و مالک پر بھروسہ کیا تھا۔ حضرت امام علی زین العابدینؑ ارشاد فرماتے ہیں:

عَنْ عَلِيِّ ابْنِ الْحُسَيْنِ (ع)، إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ: وَعِزَّتِي وَجَلَالِي لَا يُؤْثِرُ عَبْدٌ هَوَايَ عَلَى هَوَاهُ إِلَّا جَعَلْتُ هَمَّهُ فِي آخِرَتِهِ وَ وَغِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَكَفَفْتُ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ وَضَمِنْتُ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ رِزْقَهُ وَآتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ.

اللہ سبحانہ فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم جو شخص میرے حکم کو اپنی خواہشات نفسانی پر ترجیح دے گا۔ میں اس کی روح کو صحت کامل عطا کروں گا۔ دنیا کی محبت اس کے دل سے نکال باہر کروں گا۔ اس کا نفس تزکیہ یافتہ بنا دوں گا اور دنیا و آخرت کی خوبیاں اور نعمتیں اس کو عطا کروں گا۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۰، صہ ۷۰)

یوں میری آنکھ کھل گئی اور جو لذت مجھے خواب میں حاصل ہوئی تھی۔ مدتوں میری روح کو مسرور کرتی رہی۔

انہوں نے فرمایا:

ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک جوان لڑکا میرے پاس آیا اور مجھ سے خاصا اظہارِ محبت کرنے لگا۔ دراصل وہ چاہتا تھا کہ میں اسے اپنا شاگرد بنا لوں اور اس کی روحانی تربیت کروں۔ میرے تأمل کو دیکھ کر وہ کہنے لگا: مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میرے بارے میں آپ اتنے کم فیض کیوں ہیں؟! مجھے آپ کوئی طریقہ نہیں بتا رہے کہ میں بھی نفس کے شر سے چھٹکارا پالوں! مجھے کوئی وظیفہ، ورد، ذکر یا کم ازکم کوئی چھوٹی موٹی دعا ہی بتلا دیں تاکہ میرا نفس ہدایت پا جائے اور مجھے گناہ کی طرف مائل کر کے پریشان نہ کرے! میں نے اُسے کہا کہ بھئی تمہیں ابھی تک اپنے نفس کی پہچان نہیں ہے اور نہ ہی تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے نفس کی طاقت کتنی ہے۔ ایسے میں تم اس کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہو؟!۔ ظاہر سی بات ہے کہ جب تک دشمن کی طاقت کا اندازہ نہ ہو اس کے ساتھ پنجہ آزمائی کیسے ممکن ہے (نفسِ انسانی

بلا کی طاقت رکھتا ہے اور ہمیشہ برائی کی طرف مائل کرتا ہے! نفسِ انسانی گویا کہ زہریلا ناگ ہے جسے کبھی غافل نہیں سمجھنا چاہیئے! نفسِ انسانی وہ طاقتور چیز ہے کہ انبیاء علیہم السلام باوجودیکہ بے پناہ روحانی طاقت رکھتے تھے پھر بھی اس سے خائف رہتے تھے۔ اور ہمیشہ اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتے رہتے تھے۔

حضرت رسول اکرمؐ سے ایک روایت ہے کہ آپؐ نے ایک لشکر کفار کے مقابلے میں بھیجا۔ جب وہ فتح یاب ہو کر واپس لوٹا تو آپؐ نے فرمایا:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (ص): مَرْحَباً بِقَوْمٍ قَضَوُا الْجِهَادَ الْأَصْغَرَ وَبَقِيَ عَلَيْهِمُ الْجِهَادُ الْأَكْبَرُ: قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا الْجِهَادُ الْأَكْبَرُ؟! قَالَ (ص): جِهَادُ النَّفْسِ، ثُمَّ قَالَ (ص) أَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْهِ۔

ان لوگوں کا اچھی طرح استقبال کرو جو چھوٹا جہاد کر کے کامیاب لوٹے ہیں۔ البتہ ان کا ابھی بڑا جہاد باقی ہے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ بڑا جہاد کونسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اپنے نفسِ امارہ کے خلاف جہاد۔ بیشک جو شخص اپنے سینے میں چھپے ہوئے نفسِ امارہ کے خلاف جہاد کرتا ہے وہ اعلیٰ ترین جہاد ہے۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۷، صہ ۶۵)

چنانچہ اگر تم اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا چاہتے ہو تو پھر اپنے آپ کو اچھی طرح تیار کر لو! میں نے اس لڑکے سے کہا: میں چاہتا تھا کہ اگر تم بھارت چلے جاؤ اور جوگیوں اور سادھوؤں کی تربیت گاہوں کا ایک مطالعاتی دورہ کرو، پھر تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ نفس پر کیسے قابو پا لیتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے ایک جوگی سے سوال کیا تھا کہ تم اپنے شاگردوں کی تربیت کا آغاز کس طرح کرتے ہو؟! جوگی نے بتایا جب کبھی کوئی شخص ان کا شاگرد بننے کی غرض سے آتا ہے اس کا اچھی طرح جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس کے میلاناتِ طبیعت کا مکمل معائنہ کیا جاتا ہے کہ کن چیزوں

کی طرف رغبت رکھتا ہے کن چیزوں سے بیزار ہے وغیرہ وغیرہ. جب یہ معلوم ہو جائے تو پھر ہم اسے کہتے ہیں کہ اپنی پسند و ناپسند کے خلاف عمل کرو. ہر بات میں اپنی خواہشِ نفسانی کے الٹ چلو مثلاً اس آدمی کو آپ دیکھ رہے ہیں (اس نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا جو ایک بڑے دیگچے میں چمچہ ہلا رہا تھا)۔ یہ آدمی بڑا نفاست پسند تھا حتیٰ کہ دوسرے آدمی کی تھوک سے اسے قے ہونے لگتی تھی. چھری اور کانٹے کے بغیر کھانا نہیں کھاتا تھا ہم نے اسے کہا ہے کہ دیگچے میں انسانی غلاظت ڈال کر نیچے آگ جلاؤ اور سارا دن اس کی بُو سونگھو! اسی طرح ایک اور آدمی ہمارے پاس روحانی تربیت کے لئے آیا، وہ بہت مالدار آدمی تھا ہمیں مال و دولت کی جھلکیاں دکھانے لگا۔ ہم نے اسے صاف بتا دیا کہ یہ کام روپے پیسے سے نہیں ہوتا بلکہ اپنے نفس کو ذلیل کرنے سے ہوتا ہے اگر واقعی تم اپنے نفس کو محکوم بنانا چاہتے ہو تو اپنے کارخانے کے قریب لبِ سڑک بیٹھ جاؤ اور بھیک مانگو۔ دس دن تک برابر بھیک مانگنے سے تمہارا غرور و تکبر جاتا رہے گا پھر تم نفس کے خلاف چل سکو گے.

میں نے اس لڑکے سے کہا کہ بھارتی سادھو اس کام کے لئے کئی کام ایسے کرتے ہیں جو شرعاً حرام ہیں. اگر تم صرف حلال اور جائز کاموں کے ذریعے اپنے نفسِ امارہ کو زیر کر لو تو تم روحانی تربیت پا سکتے ہو! کیونکہ اسلام میں کوئی کام انسانی طبیعی طاقت سے بالاتر نہیں البتہ اسلامی امور مثبت اور منفی جہت رکھتے ہیں یعنی ارتکابِ واجبات اور مستحبات جہتِ مثبت ہے اور ترکِ حرام اور مکروہ منفی جہت ہے۔

مزید براں اسلامی احکامات سے رُوح کی تربیت اعلیٰ پائے کی ہوتی ہے. دائمی اور قابلِ قدر روحانی تبدیلی انسان میں پیدا ہو جاتی ہے. انسان کے تمام پردے اُٹھ جاتے ہیں. انسان صراطِ مستقیم پر آجاتا ہے. حتیٰ کہ منزلِ مقصود تک جا پہنچتا ہے۔

اس جوان لڑکے نے پکا ارادہ کر لیا کہ وہ پوری محنت سے جہادِ اکبر شروع کریگا۔ اس کے بعد وہ اکثر یہ کہتا ہوا سنا گیا کہ جب کبھی مجھے شیطان اور نفسِ امارہ نے گمراہ کرنے

یا نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ میں نے ہندو سادھوؤں کی مشکل ریاضت کے مقابلے میں آسان اسلامی طریقۂ تزکیۂ نفس پر عمل کیا اور بحمد اللہ اس کو زیر کر لیا۔

میں نے اسے "اگلے سبق" کے طور پر کہا کہ اگر اپنے نفس پر ہمیشہ غالب رہنا چاہتے ہو تو اس کو اسی طرح دبائے رکھنا اور کبھی اُٹھنے کا موقع نہ دینا تاکہ آخر دم تک کامیاب رہو۔ کیونکہ بحار الانوار جلد نمبر ۷۰ صہ ۷۲ پر حضرت رسولِ اکرمؐ سے ایک روایت درج ہے۔ آپ نے فرمایا : لَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مُؤْمِنًا حَتّٰى يُحَاسِبَ نَفْسَهٗ اَشَدَّ مِنْ مُحَاسَبَةِ الشَّرِيْكِ شَرِيْكَهٗ وَالسَّيِّدِ عَبْدَهٗ یعنی اس وقت تک کوئی آدمی پکا مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے نفس کا اُس سے کہیں سخت محاسبہ کرے جتنا کاروباری شریک اپنے شریک کا یا آقا اپنے غلام کا کرتا ہے!

انہوں نے فرمایا :

ایک رات کا ذکر ہے کہ میں نماز تہجد پڑھ رہا تھا۔ شاید نماز وتر پڑھ چکا تھا یا پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا تھا کہ باہر زور سے ہوا چلنے کی آواز آئی جس کی شدت لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی اور لگتا تھا جیسے آندھی چل رہی ہے۔ میں اُٹھا اور کھڑکی کے پاس گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ واقعی نہایت تیز آندھی چل رہی ہے حتیٰ کہ بڑے اور پرانے درخت جڑ سے اُکھڑ رہے ہیں۔ (اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ خواب دیکھ رہا تھا یا مجھ پر عالمِ حقیقی روشن کر دیا گیا تھا)۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس تیز آندھی میں تین آدمی کھڑے ہیں۔ ایک بہت مضبوط اور طاقتور۔ دوسرا درمیانہ اور تیسرا بڑا نحیف و نزار۔ آندھی اس کمزور آدمی کو اٹھا کر دیوار کے ساتھ دے مارنا چاہتی تھی کہ طاقتور آدمی نے کمزور آدمی کو پکڑ لیا اور آندھی کی دستِ برد سے بچا لیا۔ ساتھ ہی کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کمرے کے اندر میرے ساتھ کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا گویا کہ اقبالؒ کا یہ شعر پڑھ رہا ہے۔

ع تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

وہ طاقتور آدمی خود بھی آندھی کی دست برد سے محفوظ تھا اور ایک کمزور آدمی کو بھی پناہ دیے ہوئے تھا۔ اور وہ کمزور آدمی کس قدر بدنصیب تھا کہ کسی غیر کی مدد تو کجا وہ اپنے آپ کو بھی کسی بلا سے محفوظ رکھنے کی پوزیشن میں نہیں تھا اور متوسط آدمی کم از کم اتنی طاقت ضرور رکھتا تھا کہ اگر کسی کی مدد نہ بھی کر سکے تو کسی کی مدد کا محتاج بھی نہ ہو۔ اس کے بعد گویا کہ میں جاگ گیا یا طبعی حالت میں آگیا۔ مصلّے کی طرف لوٹا مگر اس مراقبے میں اس قدر محو ہوگیا تھا کہ بھول گیا، نماز وتر پڑھی ہے یا نہیں! بہرحال میں اس مشاہدے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے لئے مصلّے پر بیٹھ گیا۔ یکدم مجھے یاد آیا کہ چند سال پہلے میرے شاگردوں میں کے تین افراد اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ گئے تھے، تینوں انجنیئر تھے ایک سال کی مدت میں تینوں نے ایک ہی عنوان سے تین مختلف خطوط بھیجے تھے۔ تینوں نے مجھے درخواست کی تھی کہ میں یورپ میں قیام کے دوران وہاں پر لوگوں سے میل جول خاص طور پر مذہبی افراد سے میل ملاپ کے بارے میں ان کی راہنمائی کروں۔ چنانچہ میں نے ان کو جواب بھی مختلف بھیجے تھے۔

میری معلومات کے مطابق پہلا شخص روحانی طور پر کافی مضبوط تھا اور دوسروں کو اپنے زیر اثر کرنے اور بعض افراد کی راہنمائی کرسکتا تھا۔ چنانچہ اسے میں نے یوں لکھا:

بسمہ سبحانہ ماشاءاللہ تم یہ صلاحیت رکھتے ہو کہ مختلف عقاید کے مطالعے اور مباحثے کے بعد عقاید دینِ مقدس اسلام پر باقی رہو۔ چنانچہ تم ان سے مذہبی گفتگو کیا کرو اور کوشش کرو کہ لوگوں کو دینِ حقہ کی طرف مائل کرو۔ اور یہ تمہاری بڑی ذمہ داری بھی ہے۔ کیونکہ تم "سیر الی اللہ" کے مراحل کامیابی سے طے کرچکے ہو۔ اب "سیر من الحق الی الخلق" شروع کردو۔ ضمناً میں نے چند آیات اور روایات جو اس کو درکار تھیں۔ اس کو لکھ بھیجیں۔ بعد میں اُس نے مجھے لکھا کہ اُس نے میری ہدایات کے مطابق عمل کیا اور ہزاروں افراد اس کے دستِ حق پرست پر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

دوسرا شاگرد جس کے بارے میں میری معلومات یہ تھیں کہ وہ دوسروں کو ہدایت کرنے کا اہل تو نہیں تھا مگر اتنا پختہ ضرور ہے کہ وہاں کے ماحول کی وجہ سے بھٹک نہ سکے اور صرف

اپنے آپ کا تحفظ کر سکے۔ چنانچہ اس کو میں نے یوں لکھا:

بسمہ سبحانہ تمہیں دوسروں کے مذہب و ملت سے کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ہی تم کسی سے بحث و مباحثہ کرنا بلکہ تمہاری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے دین و تدین کا خیال رکھو، اپنی روحانیت کو موجودہ سطح پر بہرحال قائم رکھو اور نقائص کو دور کر کے کمال کی طرف بڑھتے رہو۔ اگرچہ تم اتنے پختہ ضرور ہو کہ وہ تمہیں گمراہ نہیں کر سکتے مگر تم بھی ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی استعداد ابھی نہیں رکھتے۔ پس اپنے کام سے کام رکھو۔ اس کو میں نے وہ آیات اور روایات لکھ بھیجیں جن میں کفار اور مشرکین سے بحث و تمحیص سے منع کیا گیا تھا۔ خدا کا صد شکر کہ اس نے بھی ہدایات کے مطابق عمل کیا اور محفوظ رہا۔

تیسرا جو میرے مطابق بالکل ہی ضعیف الایمان تھا اور اس کی حالت کی بہترین عکاسی امیرالمومنین حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں فرمائی کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں:

"بعض لوگ بالکل پانی کی جھاگ کی طرح ہوتے ہیں۔ جہاں پانی جائے وہ بھی چلے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ ننھے حشرات کی طرح ہوتے ہیں جن کو ہوا ادھر ادھر اڑائے پھرتی ہے۔ ان کا پاؤں گویا کہ چھلکے پر ہوتا ہے ذرا سی حرکت ان کو اوندھے منہ گرا دیتی ہے۔"

ہر روز وہ نئے لیڈر کے جھنڈے تلے ہوتے ہیں، ہر روز نئے مذہب کے گرویدہ نظر آتے ہیں۔ ان کا یہ طریقۂ زندگی دراصل روحانی کمزوری کی وجہ سے ہوتا مگر اپنی توجیہ یوں پیش کرتے ہیں:

ہمیں دنیا میں ہر ایک کے ساتھ یوں رہنا چاہیئے کہ ہمارے مرنے کے بعد مسلمان تو ہمیں آبِ زمزم سے غسل دینا چاہیں اور ہندو صندل و مشک سے جلانا چاہیں۔ بہرحال میں نے اسے یوں لکھا:

"بسمہ سبحانہ: جب تک تمہیں اپنے نفس پر قابو پانا نہیں آتا اور روحانی پختگی نہیں آجاتی تم ہرگز یورپی معاشرے میں آزادانہ شرکت نہ کرو۔ جب تک تمہاری "سیر الی الحق" مکمل نہیں ہو جاتی تمہارے لئے اس معاشرے سے علیحدگی اور کنارہ کشی ہی مناسب ہے۔ یہ بات میں نے حضرت امیرالمومنین حضرت علیؑ کی ایک روایت کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہی ہے۔ حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں:

أَيُّهَا النَّاسُ طُوبَىٰ لِمَنْ لَزِمَ بَيْتَهُ وَ أَكَلَ كِسْرَتَهُ وَبَكَىٰ عَلَىٰ خَطِيئَتِهِ وَكَانَ مِنْ نَفْسِهِ فِي تَعَبٍ وَالنَّاسُ مِنْهُ فِي رَاحَةٍ۔

لوگو! وہ شخص خوش نصیب ہے جو عوام الناس کو اذیت دینے کے بجائے اپنے گھر میں بیٹھے جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر قناعت کرے، اپنے گناہوں پر روئے اور معافی کے لئے اپنے نفس پر دباؤ بڑھائے وہ اپنے آپ سے تکلیف میں ہو مگر لوگ اس سے امن و سکون میں ہوں۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۰، صہ ۱۰۹)

اسی کتاب کے اسی صفحے پر انہی حضرت سے ایک اور روایت مروی ہے:

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ (ع): طُوبَىٰ لِمَنْ كَانَ صَمْتُهُ فِكْراً وَنَظَرُهُ عِبَراً وَوَسِعَهُ بَيْتُهُ وَبَكَىٰ عَلَىٰ خَطِيئَتِهِ وَسَلِمَ النَّاسُ مِنْ يَدِهِ وَلِسَانِهِ۔

حضرت عیسیٰ بن مریمؑ نے فرمایا: وہ شخص خوش نصیب ہے جو خاموش رہ کر فکرِ آخرت کرتا ہے۔ عبرت حاصل کرنے کے لئے دیکھتا ہے۔ اپنے ہاتھ اور زبان کے شر سے لوگوں کو بچانے کے لئے اپنے گھر پر رہتا ہے اور اپنے گناہوں پر آنسو بہاتا ہے۔

بحار الانوار جلد نمبر ۷۰، صہ ۱۰۱

اسی صفحے پر حضرت علیؑ کا ایک قول نقل ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ تَكُونُ الْعَافِيَةُ فِيهِ عَشَرَةَ أَجْزَاءٍ تِسْعَةٌ مِنْهَا فِي اعْتِزَالِ النَّاسِ وَوَاحِدَةٌ فِي الصَّمْتِ۔

عنقریب ایسا دور آئے گا کہ اس وقت سلامتی و عافیت کے اگر دس حصے کئے جائیں تو نو حصے گوشہ نشینی میں ہوں گے اور دسواں حصہ خاموشی میں مضمر ہوگا۔

اس طرح میں نے اسے وہ متعدد آیات اور روایات لکھ بھیجیں جن میں اپنے دین و ایمان کے تحفظ کی خاطر اہلِ معاشرہ سے علیحدگی پر زور دیا گیا تھا۔ بحمد اللہ اس نے ان احکامات پر عمل کیا اور محفوظ رہا۔

یہاں میں دو نکتے بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلا، گوشہ نشین ہونے کی دو وجوہات ہیں:

(ا) انسان روحانی طور پر پختہ نہ ہو اور اپنے آپ کو روحانی بیماریوں سے بچانے کے لئے الگ تھلگ رہے۔

(ب) چونکہ انسان روحانی طور پر کمزور ہے۔ وہ اپنے آپ کو قوی کرنا چاہتا ہے جس کے لئے ریاضت درکار ہے جو ظاہر ہے مخالف معاشرے میں رہ کر نہیں ہو سکتی اگر وہ معاشرے میں اس طرح گھل مل گیا تو اپنی کمزوری کو دور نہیں کر پائےگا۔ دوسری صورت میں ازبس ضروری ہے کہ گائیڈ اس کو اپنی کڑی نگرانی میں رکھے اور کسی مخالف سوچ کے فرد سے اس طرح ملنے نہ دے کہ "سیر الی الحق" سے محروم رہے۔ الگ رہنے سے وہ رفتہ رفتہ عشقِ پروردگار سے مانوس ہو جائےگا۔

حضرت امام صادقؑ سے ایک روایت ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

قَالَ الصَّادِقُ: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اَوْحٰى اِلٰى نَبِيٍّ مِنْ اَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اِنْ اَحْبَبْتَ اَنْ تَلْقَانِيْ غَدًا فِيْ حَظِيْرَةِ الْقُدُسِ فَكُنْ فِي الدُّنْيَا وَحِيْدًا غَرِيْبًا مَهْمُوْمًا مَحْزُوْنًا مُسْتَوْحِشًا مِنَ النَّاسِ بِمَنْزِلَةِ الطَّيْرِ الْوَاحِدِ الَّذِيْ يَطِيْرُ فِيْ

اللہ سبحانہٗ نے انبیاء بنی اسرائیل میں کے ایک نبیؑ سے فرمایا: اگر یہ چاہتے ہو کہ کل روزِ قیامت مجھ سے بہشتِ بریں میں ملو تو پھر دنیا میں ایسے رہو جیسے بے نوا، پردیسی، پریشان، سوگوار الناس سے خوفزدہ اور غمگین رہتے ہیں۔ بالکل اس پرندے کی طرح جو بے آب و گیاہ علاقے میں تن تنہا رہتا ہے۔ اونچے اونچے درختوں

لَارْضِ الْقِفَارِ وَيَأْكُلُ مِنْ رُؤُوْسِ الْاَشْجَارِ وَيَشْرِبُ مِنْ مَآءِ الْعُيُوْنِ فَاِذَا كَانَ الَّيْلُ اَوٰى وَحْدَهٗ وَلَمْ يَأْوِ مَعَ الطُّيُوْرِ اِسْتَاْنَسَ بِرَبِّهٖ وَاسْتَوْحَشَ مِنَ الطُّيُوْرِ.

سے روزی تلاش کرتا ہے۔ پہاڑوں کے چشموں سے سیراب ہوتا ہے اور رات کو دوسرے پرندوں کی طرح گھونسلے میں آرام نہیں کرتا بلکہ دیگر پرندوں سے خائف صرف اور صرف اپنے رب سے محبت کرتا ہے۔"

(بحار الانوار جلد ۷۰ ص ۱۰۸)

اسی کتاب کے ص ۱۱۰ پر حضرت امام ابو محمد حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے روایت ہے:

مَنْ اٰنَسَ بِاللّٰهِ اِسْتَوْحَشَ مِنَ النَّاسِ. یعنی جو اللہ سے لو لگالے وہ آدمیوں سے مانوس نہیں ہوتا۔

یہ بات واضح کر دوں کہ مذکورہ بالا روایات میں صرف اس شخص کا بیان ہے جس نے اللہ سبحانہٗ سے الفت و محبت کی ابتدا کی ہو وگرنہ جو اللہ سبحانہٗ کے گرویدہ ہو جائیں' جن کو اللہ سبحانہٗ کے ذکر کی لذت مرغوب ہو' ان پر لوگوں سے میل جول کا کوئی اثر نہیں ہوتا جیسا کہ قرآنِ مجید میں سورہ نور آیت نمبر ۳۷ میں ارشاد ہوتا ہے: لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. یعنی اللہ سبحانہٗ سے محبت کرنے والے ایسے افراد ہیں جن کو کاروبارِ دنیا اور کسب و کار، اللہ سبحانہٗ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتا۔ ایسے حضرات ہمیشہ اللہ سبحانہٗ سے لو لگائے رہتے ہیں۔ ان کے لئے کوئی فرق نہیں کہ وہ لوگوں کے جمگھٹوں میں ہوں یا چٹانوں کی چوٹیوں پر تن تنہا ریاضت میں مشغول ہوں۔ وہ ہر حالت میں اپنے مالک سے راز و نیاز کرتے رہتے ہیں اور اتنی لذت لیتے ہیں کہ دنیا کی کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

حضرت امام صادقؑ سے ایک روایت نقل کی گئی تھی۔ آپؑ نے فرمایا:

قَالَ الصَّادِقُ: مَا مِنْ مُّؤْمِنٍ اِلَّا وَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ اِيْمَانَهٗ

کوئی مومن ایسا نہیں جس کو اپنے ایمان کی وجہ سے اللہ سبحانہٗ سے محبت نہ ہو جائے جس

أُنساً يَسْكُنُ إِلَيْهِ حَتّٰى لَوْ كَانَ عَلٰى قُلَّةِ جَبَلٍ لَمْ يَسْتَوْحِشْ.

کی وجہ سے اس کو مکمل سکون حاصل رہے وہ تن تنہا پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا بسے اسے کسی قسم کی تنہائی محسوس نہیں ہوگی۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۰، صہ ۱۹۱)

چنانچہ اگر انسان اس مقام کو پالے کہ اسے اپنے مالک، اللہ سُبحانہٗ سے مکمل قرب اور محبت ہو تو وہ لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے بھی اللہ سُبحانہٗ کے پاس ہی ہوتا ہے لہٰذا تب وہ اس پوزیشن میں ہوتا ہے کہ دوسروں کو دعوتِ "الی الحق" دے اور اس سلسلے میں ان کی راہنمائی کرے۔ اگر خود وہ اس مقام تک نہ پہنچ پائے تو پھر اُسے اس کے حصول کے لئے مجبوری طور پر عزلت گزینی کرنا ہوگی تاوقتیکہ اسے یہ مقام حاصل ہو۔

دوسرا:

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی بعض روحانی صفات کے اعتبار سے کامل ہوتا ہے مگر بعض دیگر روحانی صفات کے اعتبار سے کمزور ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے نفس پر قابو نہیں پاسکتا۔ اس صورتِ حال میں اگر اہم روحانی صفات میں کامل ہے تو اسی دنیا میں یا کم ازکم عالمِ برزخ میں وہ ہر لحاظ سے روحانی کمال کو پہنچ جائے گا اور معمولی نقائص دُور ہوجائیں گے مگر کیا اچھا ہو کہ اسی دنیا میں اپنی نفس کی تطہیر کر لے تاکہ عالم برزخ کا دباؤ اور تکالیف برداشت نہ کرنی پڑیں۔ اس سلسلے میں مجھے ایک واقعہ کبھی نہیں بھولتا کہ میں ایک دن مسجدِ حرام میں بیٹھا ہوا طواف کرنے والوں کو دیکھ رہا تھا کہ ایسے آدمی پر میری نظر پڑی جو ایک لحاظ سے ایک خوفناک درندہ نظر آتا تھا، اسے دیکھنے سے بھی خوف آتا تھا مگر دوسری طرف سے وہ بڑا خوب صورت انسان تھا۔ جب میں نے اس صورتِ حال کی جستجو کی تو پتہ چلا کہ خاندانِ ائمہ اطہارؑ پر ایمان نہیں رکھتا۔ اسی لئے مردود درندے سے مشابہ نظر آتا تھا مجھے حیرت تھی کہ اس کو انہوں نے مسجد میں آنے کیوں دیا ہے۔ مگر دوسری طرف وہ بڑا سخی، مہربان، ہمدرد اور

خوش اخلاق تھا جس کی وجہ سے ایک جاذب نظر آدمی تھا۔ اس طرح کا آدمی جو بنیادی اعتقادی مسائل میں ناقص ہے۔ اگر اپنے اس نقص کو دنیا میں دور نہ کرے تو عالم برزخ میں اس کی تلافی ناممکن ہے۔ البتہ وہ شخص جو اعتقادی اعتبار سے تو کامل ہے مگر عملی لحاظ سے کچھ کمزور ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ عالم برزخ میں اس کی تلافی یقیناً ہو جائے گی۔ تاریخ میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ جناب ابوہاشم اسماعیل بن محمد حمیری جو "سید الشعراء" کے لقب سے مشہور تھے۔ ذاتی کردار کے اعتبار سے کمزور اور گنہگار تھے۔ بڑھاپے تک وہ اپنے نفس کو مہذب نہ بنا سکے تھے اور بعض عیوب ان میں باقی تھے مگر چونکہ وہ اعتقاد کے اعتبار سے کامل تھے اور ان کے دل میں حضرت رسولِ اکرمؐ اور ان کی پاک آلؑ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور دشمنانِ آلِ محمدؐ کے سخت دشمن تھے۔ خاص طور پر وہ امیرالمومنین حضرت علیؑ کے عاشق تھے۔ اس لئے مرنے سے پہلے ان کو توبہ نصیب ہوئی اور اللہ سبحانہ نے اس دنیا ہی میں ان کو اپنے نقائص دور کرنے کی توفیق رحمت فرمائی تاکہ وہ آخرت میں حضرت رسول اکرمؐ اور ان کی پاک آلؑ کی خدمت میں رہ سکیں۔

ابوہاشم کا واقعہ:

جناب اسماعیل ابنِ محمد حمیریؒ، گندمی رنگ، سرو قد، خوبصورت اور چوڑی پیشانی والے خوشرو آدمی تھے۔ آپ بلا کے خوش بیان تھے۔ جب میں نے خواب میں ان کو دیکھا تو ان کی وجاہت کا گویہ کہ مجھ پر ایک رعب پڑگیا کیونکہ میں نے آج تک ایسا وجیہہ آدمی نہ دیکھا تھا۔ ابوہاشم کے جسم کا ہر رونگٹا عشقِ علیؑ میں سرشار تھا۔ مگر ابتداء جوانی میں وہ اپنے زمانے کے امام یعنی حضرت امام جعفر صادقؑ کی امامت کے قائل نہیں تھے بلکہ حضرت علیؑ کے بعد ان کے بیٹے حضرت محمد حنیفہؓ کو امام اور ان کے انتقال کے باوجود ان کو زندہ اور غائب سمجھتے تھے اور ان کے ظہور کے قائل تھے کہ ظاہر ہوکر دنیا میں عدل و انصاف قائم کریں گے۔ ان کے بارے میں ابوہاشم کا یہ شعر بڑا مشہور تھا۔

يَا بْنَ الْوَصِيِّ وَأَنْتَ حَيٌّ تُرْزَقُ　　حَتَّى مَتَى وَإِلَى مَتَى الْمُدَّى

"یعنی اے وصی کے بیٹے ہم کب تک، کتنا اور کس زمانے تک آپ کی فرقت میں جلیں گے جب کہ آپ زندہ بھی ہیں اور روزی بھی پا رہے ہیں؟"

امیرالمومنین حضرت علیؑ کے بارے میں بھی ان کے مندرجہ ذیل اشعار کافی مشہور ہیں :

بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ . یَا اَمِیْرَالْمُؤْمِنِیْنَا	اے امیرالمومنینؑ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں.
بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ وَ بِرَحْطِیْ اَجْمَعِیْنَا	میرے ماں باپ بلکہ میرا سارا کنبہ آپ پر قربان ہو.
وَبِاَهْلِیْ وَبِمَالِیْ وَبَنَاتِیْ وَالْبَنِیْنَا	میرے اہل و عیال مال و دولت ، بیٹے اور بیٹیاں آپ پر قربان۔
فَدَتْکَ النَّفْسُ مِنِّیْ یَااِمَامَ الْمُتَّقِیْنَا	اے امام المتقین میری جان آپ پر قربان ۔

ابوہاشم راہ راست پر :

جناب داؤد رقیؒ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے حضرت امام صادقؑ کی بارگاہ میں حمیری کا ذکر کیا. آپ نے فرمایا اس کی بات کیا کرتے ہو وہ تو کافر ہے. یہ بات حمیری تک بھی پہنچ گئی. حج کا موسم تھا. حضرت امام جعفر صادقؑ مکہ میں تشریف فرما تھے. ابوہاشم بھی آیا آپ کی بارگاہ میں باریابی حاصل کی اور کہنے لگا یا مولاؑ میں آپ کے جد بزرگوار سے اتنی محبت رکھتا ہوں. آپ کے دشمنوں سے بغض رکھتا ہوں، پھر بھی کافر ہوں؟ آپ نے فرمایا میرے جد بزرگوار کی محبت کا کیا فائدہ جب کہ تم میرے حق کو پامال کر رہے ہو!! میری امامت پر ایمان نہیں رکھتے ہو. اس کے بعد آپ نے اپنی امامت کے کچھ دلائل دیئے اور یہ بھی فرمایا کہ میرے دادا حضرت امام سید سجادؑ چشم دید گواہ ہیں کہ محمد حنیفہؒ وفات پا چکے ہیں اس کے بعد اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک حجرے میں لے گئے ۔ حمیری کیا دیکھتا ہے کہ وہاں ایک قبر ہے۔ جونہی حضرت امام جعفر صادقؑ نے وہاں قدم رکھا. قبر پھٹی اور ایک آدمی سر اور چہرے سے مٹی جھاڑتا ہوا قبر سے باہر آیا. حضرت امام صادقؑ نے اس سے پوچھا تم کون ہو ؟ اس نے ادب سے کہا میں محمد حنیفہ بن امیرالمومنین حضرت علیؑ ہوں. پھر آپ نے پوچھا میں کون ہوں ؟ اس

نے مزید ادب سے کہا آپ امام جعفر صادقؑ بن امام محمد باقرؑ ہیں، زمانے کے امام اور حجت خدا ہیں۔ اس وقت ابوہاشم نے امامؑ سے دریافت کیا، اے فرزندِ رسولؐ آپؑ کے اجدادِ طاہرینؑ سے منقول ہے کہ آپؑ کے خاندان سے ایک شخصیت پردہ غیب میں رہے گی وہ کون ہیں! آپؑ نے فرمایا وہ حضرت رسول اکرمؐ کے بارہویں خلیفہ اور میرے چھٹے بیٹے جناب تمامِ آلِ محمدؐ حضرت امام مہدیؑ ہیں۔ قسم خدا کی اگر حضرت نوحؑ کی عمر کے برابر بھی وہ پردۂ غیب میں رہیں پھر بھی ظاہر ہو کر دنیا کو عدل و انصاف سے مملو کئے بغیر دنیا سے نہیں جائیں گے۔ اس وقت جنابؑ ابوقاسمؒ حمیری نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

تَجَعْفَرْتُ بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَاَيْقَنْتُ اَنَّ اللّٰهَ يَعْفُوْ وَيَغْفِرُ وَيُثْبِتُ مَهْمَا شَاءَ رَبِّيْ بِاَمْرِهٖ وَيَمْحُوْ وَيَقْضِيْ فِي الْاُمُوْرِ وَيَقْدِرُ	اللہ سبحانہ کا نام لے کر میں جعفری ہو گیا ہوں، اللہ سبحانہ اتنا عظیم ہے کہ اس کی بڑائی بیان نہیں کی جا سکتی۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ سبحانہ معاف کر دیتا ہے اور بخش دیتا ہے جو چیز چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور قضا و قدر مقرر کرنیوالا وہی ہے۔

یہ واقعہ شاہد ہے کہ جناب حمیری اپنی زندگی میں تائب ہوئے اور راہِ حق پر آگئے تھے۔ اور اللہ سبحانہ نے بھی ان کو بخش دیا تھا۔ اس کا ثبوت ان کے احوال اختصار سے ملتا ہے جو مندرجہ ذیل ہے: جناب ابوہاشم بغداد میں تھے کہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ جب قریب المرگ ہوئے آپ نے اپنے خادم سے کہا جلدی جاؤ اور اہلِ بصرہ اور اہلِ کوفہ کو بتا دو کہ میں دنیا سے جانے والا ہوں۔ خادم گیا اور اس نے اہلِ بصرہ کو آگاہ کیا کہ ابوہاشم ہمیں داغِ مفارقت دینے والے ہیں۔ مگر وہاں سے سوائے دو تین آدمیوں کے کسی نے ان کے پاس جانے میں دلچسپی کا اظہار نہ کیا بلکہ اکثر نے ان کو برا بھلا کہا۔ پھر خادم نے اہلِ کوفہ

کو بتایا کہ ابوہاشم دنیا سے جا رہے ہیں۔ ان میں سے ساٹھ ستر آدمی فوراً آ گئے۔ جب حمیری کے سرہانے پہنچے کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سکرات الموت میں مبتلا ہیں۔ ان پر موت کی سختی طاری ہے۔ چہرہ تار کول کی طرح سیاہ ہو چکا ہے۔ زبان بند ہو گئی ہے۔ بات کرنا چاہتے ہیں مگر بات نہیں کر سکتے۔ اچانک ہوش میں آئے اور نجف اشرف کی طرف منہ کر کے فریاد کی ، یا امیرالمومنینؑ میری مدد فرمائیے میں آپ کا محب ہوں۔ آپ کے بیٹے حضرت جعفر صادقؑ۔ امام زمانہ کی امامت پر بھی ایمان رکھتا ہوں۔ میں نے ماضی کی غلطیوں پر توبہ کی ہے اور حتی المقدور اصلاح بھی کی ہے۔ میری مدد فرمایئے ! اہلِ کوفہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ واللہ ہم نے دیکھا ان کا سیاہ چہرہ رفتہ رفتہ سفید بلکہ سرخ و سفید ہونا شروع ہوا حتی کہ چودھویں کے چاند کی طرح دمکنے لگا۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں کا تکیہ بنا کر اس پر اپنا سر رکھا اور مندرجہ ذیل اشعار حالتِ احتضار میں کہے۔

كَذَبَ الزَّاعِمُونَ أَنَّ عَلِيًّا
لَمْ يُنْجِ مُحِبَّهُ مِنْ هَنَاتِ
قَدْ وَرَبِّي دَخَلْتُ جَنَّةَ عَدْنٍ
وَعَفَىٰ لِيَ الْإِلٰهُ عَنْ سَيِّئَاتِي
فَابْشِرُوا الْيَوْمَ أَوْلِيَاءَ عَلِيٍّ
وَتَوَلَّوْا عَلِيًّا حَتَّى الْمَمَاتِ
ثُمَّ مِنْ بَعْدِهِ تَوَلَّوْا بَنِيهِ
وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ بِالصِّفَاتِ

وہ جھوٹے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ امیرالمومنین حضرت علیؑ مصیبت کے وقت اپنے دوستوں کے کام نہیں آتے (دیکھو مجھے) قسم بخدا ! اللہ سبحانہ نے مجھے بخش دیا ہے اور میں فردوسِ بریں میں داخل ہو گیا ہوں۔ اے علی کے چاہنے والو! مبارک ہو تمہیں اور یاد رکھو! کہ مرتے دم تک ان سے محبت کرتے رہنا۔ ان کے بعد ان کے معصوم بیٹوں سے بھی یکے بعد دیگرے محبت کرنا اور یہ محبت اپنے اندر عملی طور پر ان کی صفات پیدا کر کے کرنا !

فردوسِ بریں میں جناب حمیری کا مقام :

جناب علامہ امینی مرحوم نے الغدیر جلد نمبر ۳ صہ ۲۲۲ پر ایک واقعہ نقل کیا ہے : سہل بن ذبیانؓ

بیان کرتے کہ ایک دن صبح صبح میں حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں اس وقت پہنچ گیا جب ابھی کوئی بھی آپؑ کی زیارت سے مشرف نہ ہوا تھا۔ آپؑ نے میرا پرتپاک خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا: سہل ابھی میں کسی کو بھیجنے ہی والا تھا کہ آپ کو بلا لائے! میں نے عرض کیا، مولاؑ، ارشاد فرمایئے مجھے کیا حکم تھا: آپؑ نے فرمایا: رات میں ایک خواب دیکھا ہے چاہتا تھا کہ آپ کو سناؤں! میں نے عرض کیا: نوازش! ویسے خیریت ہے نا؟! آپؑ نے فرمایا: میں نے دیکھا ہے کہ میرے لئے ایک سیڑھی لگائی گئی ہے جس کے سو زینے ہیں۔ میں نے چڑھنا شروع کیا حتیٰ کہ آخری زینے پر پہنچ گیا۔ میں نے فوراً عرض کیا، مولاؑ! انشاء اللہ آپؑ کی عمر طویل ہوگی یعنی سو سال۔ آپؑ نے فرمایا جیسا خداوندِ قدوس چاہے: آپؑ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا: جب میں آخری زینے پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں گویا کہ میں ایک سبز شبستاں میں داخل ہو رہا ہوں جو اتنا شفاف تھا کہ باہر سے اندر کی ہر چیز نظر آرہی تھی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں میرے جد بزرگوار حضرت رسول اکرمؐ تشریف فرما ہیں۔ آپؐ کے دائیں بائیں دو جوانِ رعنا بیٹھے ہیں جن کے مبارک چہروں کے نور سے وہ جگہ بقعۂ نور بنی ہوئی تھی وہیں آپؐ کے پاس ایک باوقار اور باعظمت بی بی تشریف فرما ہیں جن کے بالکل مدِمقابل ایک صاحبِ جلال بزرگ جلوہ افروز ہیں۔ وہاں ایک شخص کھڑا ہوا کچھ پڑھ کر سنا رہا ہے۔ جونہی میرے جدِ بزرگوارؐ کی نظرِ مبارک مجھ پر پڑی بڑے خوش ہوکر گرمجوشی سے پکار اُٹھے، مرحبا! میرے بیٹے علی الرضاؑ خوش آمدید! آؤ، آؤ بیٹے اپنے دادا علیؑ کو سلام کرو۔ میں نے امیر المومنینؑ کو سلام عرض کیا۔ پھر آپؐ نے اس باعظمت بی بی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرما: اپنی دادی محترمہ کو بھی سلام کرو میں نے انہیں بھی سلام عرض کیا۔ پھر آپؐ نے ان چندِ آفتاب و چندِ مہتاب جوانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، اپنے اجداد حسنینؑ کو سلام کرو۔ میں نے انہیں بھی سلام کیا۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

ہمارے شاعر اور دنیا میں ہمارے مداح ابو ہاشم اسماعیل حمیری کو بھی سلام کریں۔ میں نے انہیں بھی سلام کیا اور اپنے جد بزرگوار کی خدمت میں بیٹھ گیا۔

آپ نے اسماعیل حمیری کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، ہاں بھئی حمیری دوبارہ سناؤ کیا سنا رہے تھے تو اس نے پڑھنا شروع کیا۔

لِاُمِّ عَمْرٍو بِاللِّوَاءِ مَرْبَعُ
طَامِسَةٌ اَعْلَامُهَا بَلْقَعُ

وہ ہری بھری کھیتی جو حضور اکرمؐ چھوڑ گئے تھے ظالموں نے اجاڑ کر بنجر زمین بنا دی"۔

یہ سن کر میرے جد بزرگوار رونے لگے اور برابر روتے رہے حتیٰ کہ وہ اس شعر پر پہنچا۔

قَالُوا لَهُ، لَوْ شِئْتَ اَعْلَمْتَنَا
اِلٰی مَنِ الْغَایَةُ وَالْمَفْزَعُ

"لوگوں نے حضرت رسول اکرمؐ سے عرض کیا۔ اگر آپ چاہیں تو بتا دیں کہ آپ کے بعد ہمارا سربراہ کون ہے اور ہم کس کے ماتحت ہیں ؟!

میرے جد بزرگوار جو پہلے ہی اشکبار تھے۔ اسی حالت میں انہوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور فرمایا، خداوندا! تو گواہ ہے کہ میں نے ان کو واضح طور پر بتا دیا تھا کہ میرے بعد میرا بھائی علیؑ ان کا رہبر ہے اور تم سب اسی کے ساتھی ہو۔

جناب حمیری آگے بڑھ گئے اور شعر پر شعر کہتے گئے حتیٰ کہ وہ اس شعر پر آگئے جس میں امیرالمومنینؑ کی مدح کی گئی ہے:

وَرَایَةٌ یَقْدُمُهَا حَیْدَرٌ
وَوَجْهُهُ کَالشَّمْسِ اِذْ تَطْلُعُ

امیرالمومنینؑ کے دستِ مبارک میں ایک جھنڈا ہے اور آپ کا چہرہ مبارک ایسا درخشاں ہے جیسے علی الصبح مہرِ تاباں تاریکیاں چیرتا ہوا طلوع ہوتا ہے۔"

اس موقع پر میرے جد بزرگوار کے ساتھ میری جدہ طاہرہؑ و دیگر حاضرین پر بھی گریہ طاری ہوگیا۔ جب قصیدہ ختم ہوا تو میرے جد بزرگوارؑ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا، بیٹے علی رضاؑ! اس قصیدے کو یاد کرو اور ہمارے شیعہ اور محبوں سے کہو کہ اس قصیدے کو

حفظ کریں اور اس کو اپنے معاشروں میں زندہ رکھیں۔ ان کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچادو کہ جو کوئی بھی اس قصیدے کو یاد کرے گا اور برابر پڑھتا رہے گا۔ میں ضامن ہوں کہ وہ جنتی ہوگا۔اس کے بعد میرے جد بزرگوار ؒ نے مجھے وہ قصیدہ خود یاد کرایا۔ کئی بار انہوں نے پڑھا۔ میں نے بھی ان کے ساتھ پڑھا تو مجھے یاد ہوگیا۔

اس واقعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے اعتقادات اول تا آخر صحیح ہوں اور وہ ان عقائد کے سلسلے میں متزلزل نہ ہو تو چاہے عملی اعتبار سے بعض حیوانی عادات کا عادی ہی کیوں نہ ہو اللہ سبحانہٗ اسے اس کے زمانے کے امام معصومؑ کے وسیلے سے ہدایت کرتا ہے اس کو حیوانی عادات سے نجات دیتا ہے تاکہ وہ آخرت میں خاندانِ عصمت و طہارت حضرت محمدؐ و آلِ محمد علیہم کی خدمت میں رہ سکے۔

جو صاحب جناب حمیریؒ کا مذکورہ بالا قصیدہ پورا پڑھنا چاہتے ہیں وہ کتاب الغدیر جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۱۳ تا ۲۸۹ کا مطالعہ کریں۔ (مترجم)

شک کا ازالہ اور ایقان کا حصول

انہوں نے فرمایا:

ماہِ مبارک رمضان کا ذکر ہے کہ تیئیسویں شب تھی۔ میں نے اپنے ایقان کی پختگی کے لئے ہزار مرتبہ سورہ قدر کی تلاوت کی۔ اچانک میری روح احساسِ یقین سے مسرور و منبسط ہوگئی کہ بیان سے باہر ہے مجھے فوراً حضرت امیرالمومنینؑ کا ایک مشہور قول یاد آگیا کہ: لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا۔ یعنی اگر مادیت کے تمام پردے بھی ہٹا دیے جائیں تو میرا یقین جو پہلے ہی کمال کو پہنچا ہوا ہے اس میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ میں اپنی فرحت و نشاط کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا جو مجھے ہزار مرتبہ سورہ قدر کی تلاوت کے بعد حاصل ہوئی۔

یہ سچ ہے کہ اگر ہزاروں اساتیدِ فہم عامہ مجھے اللہ سبحانہ کے وجود، انبیاء کی بعثت، ائمہ طاہرین علیہم السلام کی ولایت، عالم برزخ، روزِ قیامت اور جنت و جہنم کے خلاف کسی دلیل سے قائل کرنے کی کوشش کرتے تو میرے یقین کے کوہِ گراں سے ٹکرا کر خود پاش پاش ہو سکتے تھے مگر میرے پائے یقین میں ذرا سی بھی لغزش پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ یقین کرنے والے ایک بندے کے اعتبار سے میں اپنے آپ کو ان لوگوں میں محسوس کر رہا تھا جن کا ذکر قرآن مجید نے بار بار کیا ہے مثلاً:

(۱) سورہ بقرہ آیت نمبر ۴ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ.

یعنی وہ آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں۔

(۲) سورہ رعد آیت نمبر لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ.

یعنی تاکہ تم اپنے رب کے حضور پہنچنے کا یقین کر لو۔

(۳) سورہ سجدہ نمبر ۲۴ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ.

یعنی اور وہ لوگ ہماری نشانیوں پر یقین رکھتے تھے۔

(۴) سورہ دخان نمبر ۷ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَوْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ.

اللہ سبحانہ زمین و آسمان کا پرورش کنندہ ہے کاش تمہیں یقین آجائے!

کاش یقین کی وہ حالت ہمیشہ رہتی اور کاش میں زندگی بھر ایسی حالت سے ایک لمحہ کے لیے بھی جدا نہ ہوتا مگر ادھر تیئسویں شب یعنی شب قدر گزری ادھر میری کیفیتِ یقین جاتی رہی۔ اگلی صبح کو میں نے حضرت امام زمانہ کے دولت خانے پر حاضری دی۔ کافی گریہ و زاری کی کہ میری کیفیتِ یقین زندگی بھر ویسی رہے۔ مجھے القاء ہوا کہ اگر سورہ صافات روزانہ پڑھوں تو یقین کی وہ حالت پختہ ہو سکتی ہے۔ میں نے سورہ صافات ہر رات پڑھنی شروع کر دی ہر رات میں نے کیفیت کے آثار محسوس کئے اگر آپ توجہ کریں تو میں وضاحت سے بتاتا ہوں:

پہلی رات :

تلاوتِ سورہ صافات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ یقین کا خاصا یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے علاوہ کسی چیز سے نہ ڈروں۔

قَالَ الصَّادِقُ: لَيْسَ شَيْءٌ اِلَّا وَلَهُ حَدٌّ قُلْتُ، جُعِلْتُ فِدَاكَ فَمَا حَدُّ التَّوَكُّلِ؟ قَالَ: اَلْيَقِيْنُ، قُلْتُ فَمَا حَدُّ الْيَقِيْنِ؟! قَالَ: اَنْ لَا تَخَافَ مَعَ اللّٰهِ شَيْئًا۔

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا، ہر چیز کی حدود ہیں۔ راوی نے عرض کیا۔ فرزند رسولؐ میں آپ کے قربان۔ توکل علی اللہ کی حدود کیا ہیں۔ آپؑ نے فرمایا، یقین۔ عرض کیا یقین کی حدود کیا ہیں آپؑ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ کے ہوتے ہوئے کسی سے نہ ڈرا جائے۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۰، صہ ۱۴۲)

یہ بات فہم عامہ کے عین مطابق ہے چنانچہ اس نے فوراً میرے دل میں جگہ پیدا کر لی اس کے بعد قرآن مجید کی سورۂ آلِ عمران آیت نمبر ۱۷۵ کا مطالعہ کیا تو اس میں بھی یہی کچھ فرمایا گیا ہے۔ وَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ لوگوں سے مت ڈرو بلکہ اگر مومن ہو تو صرف اور صرف اللہ سبحانہ سے ڈرو۔

دوسری رات :

یہ رات تقریباً بیت گئی اور کوئی اثر نہ ہوسکا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ دن بھر میں مختلف محفلوں میں گھومتا رہا۔ کئی ایک باتیں جو نہیں کرنی چاہئیں تھیں کرتا رہا اور خاموش نہ رہا چونکہ خاموشی کمالِ رُوح کی لازمی شرط ہے۔ اس لئے اس رات میری روح کچھ پس ماندہ رہی بہر حال میں نے سورہ صافات کی تلاوت جاری رکھی قریبِ سحر جاکر میرا دل کچھ منور ہوا اور یہ راز کھلا کہ یقین کا خاصہ یہ ہے کہ میں کسی شخص کی خوشی کی خاطر اللہ سبحانہ کو ناراض نہ کروں۔

کیونکہ جو شخص اللہ سبحانہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اللہ سبحانہ کے مقابلے میں کسی اور کو

خاطر میں نہیں لاسکتا۔ حضرت امام صادقؑ نے فرمایا ؛

قَالَ الصَّادِقُؑ : مِنْ صِحَّةِ يَقِينِ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ اَنْ لَا يُرْضِيَ النَّاسَ بِسَخَطِ اللّٰهِ۔

مسلمان آدمی کے صحیح یقین کی علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں کی خوشنودی کی خاطر اللہ سبحانہ کو ناراض نہیں کرتا۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۰، صہ ۱۴۳)

تیسری رات :

حسبِ معمول سورہ صافات کی تلاوت کے بعد یہ راز کھلا کہ جو عمل مقدار میں گرچہ کم ہو مگر معیار یقین بہتر ہو اور برابر ہر روز ہو تو اس عمل سے کہیں بہتر ہے جو کبھی کبھی ہو اور بے یقینی کی کیفیت میں ادا کیا جائے۔

اس رات میں نے جی بھر کے کسبِ فیض کیا۔ پہلی بات تو یہ کہ مذکورہ بالا کلیہ جو روحانی ارتقاء کے لئے ازبس ضروری ہے۔ میرے ہاتھ لگا۔ مزید براں میں نے یہ کلیہ اپنے بہت سے شاگردوں کو تاکیداً بتایا۔ انہوں نے بھی عمل کے بعد اسے بڑا مفید پایا۔

مشہدِ مقدس میں ایک لڑکا رہتا تھا جس کی نمازِ صبح ہر روز قضا ہو جاتی تھی۔ علاوہ براں دیگر عبادات میں بھی وہ خاصا سست واقع ہوا تھا۔ جاڑوں کی ایک رات وہ شب بھر حرم مطہر حضرت امام رضاؑ میں جاگتا رہا اور اپنے تئیں مطمئن تھا کہ اس کی ہفتہ بھر کی قضاء نمازوں کی تلافی ہو گئی ہے۔ میں نے اس کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے اس سے یوں بات کی۔ تم جو ایک رات جاگ کر اپنی ہفتہ بھر کی قضا نمازوں کی تلافی سمجھ رہے ہو، جانتے ہو تمہاری مثال کیسی ہے ؟ وہ بولا نہیں میں نے کہا۔ تمہاری مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی کچھ دن اتنی کم غذا کھائے کہ بیمار پڑ جائے اور پھر چند دن بعد ایک ہی دن میں بہت زیادہ کھائے اور بیمار پڑ جائے !! جسم کی طرح انسانی روح کو بھی باقاعدہ اور مسلسل غذا کی ضرورت ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک روایت منقول ہے :

قَالَ الصَّادِقُ ؑ: اِنَّ الْعَمَلَ الدَّآئِمَ الْقَلِيْلَ عَلَى الْيَقِيْنِ اَفْضَلُ عِنْدَاللّٰهِ مِنَ الْعَمَلِ الْكَثِيْرِ عَلٰى غَيْرِ يَقِيْنٍ۔

اللہ سبحانہ کے ہاں وہ عمل جو مقدار میں کم ہو مگر مسلسل اور یقین کے ساتھ ہو اس زیادہ عمل سے کہیں بہتر ہے جو کبھی کبھی ہو اور بے یقینی کی کیفیت میں ہو۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۷، صہ ۱۴۷)

مذکورہ کتاب کے اسی صفحے پر حضرت امیرالمومنین ؑ سے منقول ہے۔ قَلِيْلٌ تَدُوْمُ عَلَيْهِ خَيْرٌ مِّنْ كَثِيْرٍ مَّمْلُوْلٍ مِّنْهُ۔ یعنی کم عمل مگر دائمی اس عمل سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور صرف تھکاوٹ پیدا کرتا رہو۔

علاوہ بریں مجھ پر یہ بھی منکشف ہوا کہ اگر دن بھر میں اپنے آپ پر کڑی نظر رکھوں اور چھوٹی موٹی غلطی پر بھی اپنا کڑا محاسبہ کروں تو روحانی کمال تک رسائی جلد ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس رات اول شب ہی میں تلاوتِ سورہ صافات کے نتائج مجھ پر ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ میں نے اس نگرانی اور محاسبہ کو مستقلاً اپنانے کا فیصلہ کیا۔

چوتھی رات :

جونہی میں نے سورہ صافات کی تلاوت ختم کی میرا دل یقین کی نورانیت سے مملو ہو گیا۔ آج کی شب میرے دل پر یقین کی غیر معمولی کیفیت طاری ہوئی بلکہ اگلے دن بھر میرا دل اس نورانیت سے محظوظ ہوتا رہا اس رات مجھ پر یہ راز کھلا کہ روزی کے بارے میں مجھے فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا ذمہ خود پروردگار عالم ؑ نے لے رکھا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق ؑ سے مروی ہے :

لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ فَرَّمِنْ رِزْقِهٖ كَمَا يَفِرُّ مِنَ الْمَوْتِ لَاَدْرَكَهٗ رِزْقُهٗ كَمَا يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ۔

اگر تم میں سے کوئی روزی سے اس طرح بھاگے جس طرح موت سے بھاگتا ہے تو روزی بھی اس کو اسی طرح آپکڑے گی جس طرح موت آپکڑتی ہے۔"

(بحار الانوار جلد نمبر ۷، صہ ۱۴۷)

پانچویں رات:

یہ رات ماہ مبارک رمضان کی اٹھائیسویں رات رات تھی۔ رفتہ رفتہ یہ مبارک مہینہ اختتام کو پہنچ رہا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ اگر اس مہینے میں میری روح یقین حاصل نہ کر سکی تو پھر بعد میں اس نعمت کو نہیں پا سکوں گا۔ اس رات میری پوری کوشش تھی کہ سورہ صافات کی تلاوت کے بعد اللہ سبحانہ اور اپنے زمانے کے امام حضرت مہدیؑ کی بارگاہ میں عرض کروں کہ میرا یقین پائیدار ہو جائے اور دن میں بھی وہی کیفیت رہے۔ جو رات کو ہوتی ہے۔ یعنی مجھے یقین مستقل حاصل رہے۔ رات سے پہلے کا دن جو ستائیسویں ماہِ رمضان کا دن تھا میں مندرجہ ذیل دعا بار بار پڑھتا رہا:

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي التَّجَافِيَ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْإِنَابَةَ إِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادَ لِلْمَوْتِ قَبْلَ حُلُوْلِ الْفَوْتِ.

یعنی اے پروردگارا! دنیا سے میرا دل بیزار کر دے۔ آخرت میں مجھے رغبت عطا فرما اور موت آنے سے پہلے مجھے موت کے لئے بالکل تیار کر دے!

اس کے بعد بحمد للہ اللہ سبحانہ اور قیامت پر میرا یقین اتنا پختہ ہو گیا کہ میں موت سے بالکل گھبراتا نہیں تھا اور نہ ہی دشمن سے کوئی خوف آتا تھا گویا کہ زیارتِ امین اللہ کا یہ جملہ: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ نَفْسِيْ مُطْمَئِنَّةً بِقَدَرِكَ رَاضِيَةً بِقَضَائِكَ یعنی پروردگارا! جو کچھ تو نے میری تقدیر میں لکھ دیا ہے میرے نفس کو اس پر مطمئن اور راضی کر دے"، پوری طرح سمجھ گیا تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ میری یہ دعا قبول بھی ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس رات سے پہلے سورہ جمعہ کی آیت نمبر ۶ کہ قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا ...... إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ۔ (یعنی اے حبیبؐ) ان یہودیوں سے کہہ دو کہ اگر یہ اللہ سبحانہ کے واقعی ولی ہیں تو پھر موت کی تمنا تو کر کے دکھائیں؟!) کی سمجھ نہ آتی تھی کہ اللہ سبحانہ کے ولی ہونے اور موت چاہنے میں باہمی کیا ربط ہے؟ اس رات منزلِ یقین پا لینے کے بعد مجھ پر یہ راز کھلا کہ آخرت، راحت، خوشبو، بہشت اور نعمت ہی نعمت ہے۔ اللہ سبحانہ اور اس کے دوستوں سے ملاقات کی حالت ہے۔ فرقت کا اختتام

اور ملاقات و ملاپ کا زمانہ ہے۔ ہر طرح کی بدنصیبی کسالت، تکلیف و رنج کا خاتمہ، قید سے آزادی اور امتحان کے خاتمے کا اعلان ہے۔ کیوں نہ اللہ سبحانہ سے اس گھڑی کی جلد آمد کی دعا مانگی جائے۔ کبھی یہ بھی ہوا ہے کہ عاشق محبوب سے ملاقات کی خواہش نہ رکھے؟!

اس رات کے بعد چونکہ اللہ سبحانہ نے مجھے دائمی یقین و استقامت عطا کر دیا تھا۔ کسی چیز سے بھی میں نہیں ڈرتا تھا۔ دن رات میں روح فرسا پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتا جن کو میں شاید بیان بھی نہ کر پاؤں۔ مگر کیا مجال کہ ذرا بھی گھبراؤں! اکثر مجھے مولائے کائنات امیرالمومنینؑ کا وہ واقعہ یاد آ جاتا جو متعدد روایات میں بیان کیا گیا ہے!

بحار الانوار جلد نمبر ۷، صہ ۱۵۸ پر منقول ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں:

"امیرالمومنینؑ کا غلام قنبرؓ۔ آپؑ سے شدید محبت رکھتا تھا۔ چنانچہ رات کو جب بھی آپؑ کہیں باہر تشریف لے جاتے وہ مسلح ہو کر آپؑ کے پیچھے پیچھے ہو لیتا۔ تاکہ کسی ناگہانی خطرے سے نبٹ سکے۔ ایک رات حضرتؑ نے اسے دیکھ لیا اور پوچھا قنبر کیوں آئے ہو؟! اس نے عرض کیا، مولا، میں آپؑ کی حفاظت کی غرض سے آ رہا ہوں۔ آپؑ نے فرمایا! قنبر، کیا تم مجھے آسمان والوں کے خطرے سے بچانے آ رہے ہو یا اہلِ زمین کے؟! اس نے کہا مولاؑ! اہلِ زمین کے! آپؑ نے فرمایا، قنبر یقین رکھو اہلِ زمین اللہ سبحانہ کی اجازت کے بغیر میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ تم واپس لوٹ جاؤ!" اس طرح آپؑ تن تنہا راتوں کو کوفہ سے باہر غیر آباد جگہ پر تشریف لے جایا کرتے تھے اور شب بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

بحار الانوار جلد نمبر ۷، صہ ۱۵۹ پر بھی اسی طرح کی ایک روایت حضرت امام صادقؑ سے مروی ہے: آپؑ نے فرمایا: ایک دن حضرت رسول اکرمؐ نے نمازِ فجر ادا فرمائی اور نماز کے بعد وعظ کے لئے رونق افروزِ منبر ہوئے تو ناگہاں آپؐ کی نگاہِ مبارک ایک جوان پر پڑی جو اونگھ رہا تھا۔ اس پر نیند کا اس قدر غلبہ تھا کہ اس کا سر جھک کر زمین کے بالکل قریب آ گیا تھا۔ اس کا رنگ زرد اور آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔ آپؐ نے اُسے خبردار کیا اور فرمایا، کیوں بھئی تمہیں

کیا ہوا ہے ؟! شب بھر کس کام میں مصروف رہے ہو؟ جو تمہاری یہ حالت بن گئی ہے ؟! اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ، میرے یقین نے مجھے پریشان کر دیا ہے، میری آنکھوں کی نیند اُڑ گئی ہے۔ میرا گوشت گھل گیا ہے اور صرف ہڈیاں رہ گئی ہیں۔ میں دنیا و مافیہا سے بیزار ہو گیا ہوں۔ گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ جنت میں جانے والے خوش نصیب لوگ زرق برق لباس زیب تن کئے مخمل و دیباج کے گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے انتہائی مانوس انداز میں گپ شپ میں مصروف ہیں اور دوزخ میں جانے والے بدنصیب لوگ دردناک عذاب میں گھرے ہوئے ہیں۔ گویا کہ دوزخ کی آگ کی دھک ایک چنگھاڑ کی طرح میرے کان کے پردے پھاڑ رہی ہے اور میں شدید خوف زدہ ہو گیا ہوں۔

اس موقع حضرت رسول اکرم نے فرمایا، لوگو! یہ وہ بندہ ہے جس کے دل کو اللہ سبحانہٗ نے نورِ ایمان سے منور فرمایا ہے۔ پھر اس جوان کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا، دیکھو! ہمیشہ اسی کیفیت کو برقرار رکھنے کی کوشش کرنا اور اس کیفیتِ یقین کو کھونا مت! اس جوان نے عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمائیے کہ اللہ سبحانہٗ مجھے آپ کے قدموں میں شہادت نصیب کرے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ کچھ دنوں بعد آپ کسی جنگ کے سلسلے میں مدینے سے باہر تشریف لے گئے۔ وہ جوان بھی آپ کی معیت میں شریکِ جنگ ہوا اور اس جنگ میں شہید ہونے والا دسواں آدمی بنا۔

انہوں نے فرمایا:

عنفوانِ جوانی میں کئی سال تک میں اس مخمصے میں پھنسا رہا کہ "عین الیقین" اور "حق الیقین" کا مفہوم کیا ہے ؟! اور "علم النفس" کے اساتذہ ان دو مراحل کو "علم الیقین" سے اعلیٰ درجہ کیوں دیتے ہیں ؟! اپنی اس اُلجھن کو دُور کرنے کے لئے میں نے اپنے تئیں بعض کتبِ حدیث، تفسیر اور اس فن کے ماہرین کی چند کتابوں کا مطالعہ کیا یقیناً مجھے چنداں معلومات حاصل ہوئیں مگر تسلی بخش معلومات مجھے ایک واقعہ سے ہوئیں جس کو ذیل میں بیان کر رہا ہوں،

ایک رات خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ آدمی میرے پاس آئے۔ ظاہری وضع قطع سے ان کا حلیہ یہودی علماء سے ملتا جلتا تھا۔ انہوں نے مجھ سے "حقانیتِ دین مقدس اسلام"

کے عنوان پر بحث چھیڑ دی اور اسلام سے ہٹا کر یہودیت کی طرف مائل کرنا چاہا اگرچہ میں ان کی مضبوط دلیلوں کا شافی جواب تو نہ دے سکا، مگر چونکہ دینِ مقدس اسلام پر میرا یقین بڑا پکا تھا لہٰذا وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

چنانچہ جب میری آنکھ کھلی تو میری حالت اس شخص ایسی تھی جو آدم خور درندے کے منہ سے صحیح و سالم بچ کر یا ایک باطل دین سے دینِ حق کی طرف آیا ہو۔ اس موقع پر مجھے "حق الیقین" کا احساس ہوا گویا کہ جب میں جاگا تو میری مثال اس شخص ایسی تھی جسے دن نکل آنے کا یقین ہو مگر دوسرا شخص اسے رات ہونے کا کہہ رہا ہو۔ یا کوئی شخص جسے یہ یقین ہو کہ ظلم برا ہے مگر دوسرا شخص اس کو اچھا کہنے پر مصر ہو۔ یا یہ کہ کسی کو یقین ہو کہ بددیانتی بری چیز ہے مگر دوسرا اسے یقین دلائے کہ نہیں بددیانتی اچھی چیز ہے۔ ایسے مواقع پر انسان کی کیا کیفیت ہوا کرتی ہے؟ میری بھی یہی حالت تھی یعنی وہ یہودی عالم مجھ پر ایسی چیز ٹھونسنا چاہتا تھا جس کے باطل اور غلط ہونے کا مجھے حق الیقین حاصل تھا۔ جس طرح ظلم و بددیانتی کی برائی کا آپ کو حق الیقین حاصل ہے! کیا اگر کوئی شخص آپ کے سامنے ظلم اور بددیانتی کے اچھا ہونے کے ہزاروں دلائل بھی دے۔ آپ مان جائیں گے؟! نہیں ہرگز نہیں! اسی طرح میں بھی یہ کبھی نہیں مان سکتا تھا کہ "یہودیت" دینِ مقدسِ اسلام کے مقابلے میں برحق ہے! بہرحال اس رات کے خواب نے میری دیرینہ الجھن دور کر دی کہ "حق الیقین" کا مفہوم کیا ہے۔ اور اس مثال سے شاید آپ بھی متاثر ہوں؟!

اسی طرح میں سالہا سال سنتا رہا کہ بھارت اور پاکستان میں شیعہ مسلمان عزاداری حضرت سید الشہداء کے سلسلے میں جلتے شعلوں پر ننگے پاؤں ماتم کرتے ہیں اور ان کے پاؤں پر آگ کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بعض دوستوں نے تو تصاویر بھی دکھائیں۔ چنانچہ مجھے اجمالاً یہ ماننا پڑا اور میں نے یقین کر لیا۔ مگر ۱۹۸۳ء میں جب میں خود بھارت گیا اور اپنی آنکھوں سے ماتمیوں کو بھڑکتے شعلوں میں اترنے کا زندہ معجزہ دیکھا تو بڑی وضاحت سے "علم الیقین" اور "عین الیقین" کے فرق کا احساس ہوا۔ اس وقت بے ساختہ میرے منہ سے یہ جملہ کئی بار نکلا "شنیدن کے بود مانند دیدن"

امید ہے آپ کو ان مثالوں سے سمجھ آگیا ہوگا کہ یقین کے مراحل کتنے ہیں اور انسان ان کو کیسے طے کرتا ہے۔ مزید براں قرآنِ مجید اور احادیثِ متواترہ میں یقین کے تین مراحل یوں بیان کئے گئے ہیں:

قرآن مجید کے تیسویں پارہ میں سورہ "الھٰکم التکاثر" میں وضاحت سے دو مراحل کا ذکر ہے:

(۱) علم الیقین : كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ. یعنی صرف معلومات کی حد تک انسان کو کسی بات کا یقین ہو۔

(۲) عین الیقین : ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ. جس بات کے بارے میں انسان کو معلومات ہوں اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا۔

فطری بات ہے کہ انسان مدارجِ یقین کے اعتبار سے کئی گنا آگے بڑھ جائے گا۔

اور سورہ واقعہ آیت نمبر ۹۵ میں حق الیقین کا ذکر ہے۔

(۳) حق الیقین : اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ. یعنی کسی چیز کے بارے میں اس طرح پختہ ہونا کہ بڑی سے بڑی دلیل بھی اس میں سرِ مو تزلزل پیدا نہ کر سکے۔

چنانچہ اگر انسان اپنے اعتقادات میں یقین کے اس مرحلے تک پہنچ جائے تو روحانی کمال، دلی اطمینان اور ذہنی سکون اس کا مقدر بن جاتا ہے اور بڑے وثوق اور دل جمعی سے اپنی منزل کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔ یہی ملکہ "سیر و سلوکِ روحانی" میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

زہد اور اس کا غلط مفہوم

انہوں نے فرمایا:

ایک ملک جو بزعم خود تاجِ ہفت اقلیم کا مالک تھا اور سب کچھ چھوڑ کر زاہد بن گیا تھا، کچھ دن میرے ساتھ رہا۔ ہر وقت "زہد" اس کا موضوعِ سخن تھا اور بار بار کہتا تھا کہ عملاً زاہدوں کے

خلاف کیوں ہیں اور بعض ان کا مذاق کیوں اڑاتے ہیں!! میں نے اسے سمجھایا: بھائی! اگر زاہد کا مفہوم یہ لیا جائے کہ دنیا کے آرام و آسائش، ٹھاٹ باٹھ، شان و شوکت اور کروفر سے بیزاری اور اللہ سبحانہٗ کی خوشنودی، قربت اور فرمانبرداری تو یہ بہترین صفت ہے بلکہ روحانی سیاحی کا بہترین وسیلہ ہے اور وہ شخص خوش نصیب ہے جو ایسا ملکہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ البتہ زہد کا یہ مفہوم کہ سستی، کاہلی، حقائق سے لاپرواہی، سطحی عبادت، خودنمائی تو پھر زہد ھوکا ہے۔ علما یہی کہتے ہیں اور موخرالذکر زہد کی مذمت کرتے ہیں جو اکثر ملنگوں میں دیکھنے میں آتا ہے کیونکہ اس سے انسان حقیقت و عرفان سے دُور ہوتا چلا جاتا ہے۔

حضرت امام صادقؑ کی ایک روایت زہد سے متعلق یہ ہے وآپؑ نے فرمایا:

قَالَ الصَّادِقُ ؑ فِي الزُّهْدِ: لَيْسَ الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا بِإِضَاعَةِ الْمَالِ وَلَا بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ بَلِ الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُونَ بِمَا فِي يَدِكَ أَوْثَقَ مِنْكَ بِمَا فِي يَدِ اللّٰهِ.

زہد یہ نہیں کہ دنیاوی آسائش و وسائل کو ضائع کیا جائے اور حلال کو اپنے اوپر حرام کرلیا جائے بلکہ زہد یہ ہے کہ وسائلِ دنیا پر اللہ سبحانہٗ کی طاقت و قدرت سے زیادہ بھروسہ نہ کیا جائے۔

(بحارالانوار جلد نمبر ۷۰، صہ ۳۱۰)

جناب حفص نے ایک دن حضرت امام صادقؑ سے زہد کی تعریف پوچھی تو آپؑ نے سورہ حدید کی آیت نمبر ۲۳ تلاوت فرمائی کہ "لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ۔ یعنی اگر وسائلِ دُنیا کم ہو جائیں یا چھن جائیں تو پریشان نہ ہونا اور جو آسائش حاصل ہو اس پر نہ اترانا۔" اس کے بعد آپ نے فرمایا: إِنَّ أَعْلَمَ النَّاسِ بِاللّٰهِ أَخْوَفُهُمْ لَهُ وَأَخْوَفُهُمْ لَهُ أَزْهَدُهُمْ فِيهَا یعنی جو اللہ سبحانہ پر یقین زیادہ رکھتا ہے۔ اس سے زیادہ ڈرتا ہے جو زیادہ ڈرتا ہے وہ ہی بڑا زاہد ہے۔" بحارالانوار جلد نمبر ۷۰، صہ ۳۱۱ پر حضرت رسول اکرمؐ سے روایت ہے:

آپ نے فرمایا: إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ أُعْطِيَ الزُّهْدَ فِي الدُّنْيَا فَاقْتَرِبُوا مِنْهُ فَإِنَّهُ يُلَقَّى الْحِكْمَةَ۔ یعنی اگر ایسا شخص تمہیں مل جائے جس میں زہد کا ملکہ زیادہ ہو (یعنی جو کچھ اس سے چھن جائے کبھی پریشان نہ ہو اور جو میسر آئے اس پر اترائے نہیں) تو اس کی قربت حاصل کرو کیونکہ اس سے تمہیں حکمت کا سبق مل سکتا ہے۔" یہ بات سن کر وہ ملنگ بولا:

اگر زہد کی یہی تعریف ہے تو اس کا دائرہ تو بہت وسیع ہے یعنی اگر اللہ سُبحانہٗ اور اُس کے اولیاء کی قربت و محبت بھی ہاتھ سے جاتی رہے تو پریشان نہیں ہونا چاہیے تو پھر میں سب سے بڑا زاہد ہوں کیونکہ میں نے اتنی بڑی سلطنت ترک کر دی ہے!

میں نے کہا: تمہاری غلط فہمی یہی ہے کہ تم ہر چیز گنوانے کا نام زہد سمجھتے ہو حتیٰ کہ مقصدِ زندگی بھی یعنی قربت و محبتِ زندگی بھی! نہیں یہ بات بالکل غلط ہے۔ زہد مقصد نہیں بلکہ مقصد پانے کا ذریعہ ہے۔ زہد کا مفہوم خود اللہ سُبحانہٗ کی قربت حاصل کرنا ہے نہ کہ گنوانا ہے۔ جو چیز ترک کرنے کا نام زہد ہے وہ چیز ہے جو قربِ الٰہی میں رکاوٹ بنے۔ دنیا کی محبت چھوڑیں تا کہ مولیٰ کی محبت پیدا ہو کیونکہ دنیا کی محبت کی موجودگی میں اللہ سُبحانہٗ کی محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔ مثل مشہور ہے۔

بایدکہ دیو بیرون رود تا فرشتہ درآید

پس آسائش و لذائذِ دنیا ترک کریں تا کہ مقصدِ زندگی یعنی قربت و محبتِ اللہ سُبحانہٗ حاصل ہو اور لوگوں سے بھی اللہ سُبحانہٗ کے لئے محبت و نفرت پیدا ہو۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیہ مجیدہ "لکیلا ... اتاکم" یعنی اگر ساری دنیا کی دولت آپ کے ہاتھ میں ہو اور قربتِ الٰہی کے لئے قربان کرنی پڑے تو پریشان نہ ہو۔ اس طرح اگر آسائشِ دُنیا کے باوجود اس پر اتراؤ نہیں تو یہ بھی زہد ہے۔

اللہ سُبحانہٗ کا خوف

انہوں نے فرمایا:

ایک نوجوان لڑکا جو پکا مسلمان تھا اسے یقینِ کامل تھا کہ ایک دن بارگاہ اللہ سُبحانہٗ میں جانا

ہے اس پر دوران عبادت کپکپی طاری رہتی تھی۔ وہ حالتِ نماز میں زار و قطار رویا کرتا تھا۔ ایک دن قم کی پرانی جامع مسجد میں میرے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا خلافِ معمول بڑا بیقرار تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کس بات سے خوف زدہ ہو؟! اس نے مؤدبانہ کہا کہ آپ میرے استاد ہیں۔ میں نے آپ ہی سے سنا ہے کہ اللہ سبحانہٗ سے ڈرنا چاہیے۔ پس اللہ سبحانہٗ کا خوف مجھ پر طاری ہے میں نے وضاحت چاہی کیا اللہ سبحانہٗ کے عدل سے ڈرتے ہو یا یہ خدشہ ہے کہ (العیاذ باللہ) وہ تم پر زیادتی کرے گا!! اس نے کہا ان دونوں میں سے کوئی بات نہیں کیونکہ عدل سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے اور رہا ظلم تو اللہ سبحانہٗ کی ذات اس سے منزہ و مُبرہ ہے۔ البتہ بات یہ ہے کہ میں اللہ سبحانہٗ سے محبت کرتا ہوں اس بات سے ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے ان جانے میں کوئی ایسا کام ہو جائے جس کی وجہ سے میری نسبت اس کی توجہ اور محبت کم پڑ جائے! میں نے شاباش دی اس کی حوصلہ افزائی کی اور اس کو بتایا کہ اللہ سبحانہٗ کے اولیاء کے دل میں یہی ڈر رہتا ہے۔ جتنا انسان اللہ سبحانہٗ کی زیادہ معرفت حاصل کرتا ہے اس کی محبت دل میں گھر کرتی ہے۔ انسان کی محبت سے زیادہ خائف رہتا ہے۔ اس قسم کا ڈر ہر عاشق کو اپنے معشوق کی طرف سے اور ہر محب کو اپنے محبوب کی طرف سے رہتا ہے۔ یہ وہی لڑکا ہے جو اللہ سبحانہٗ سے اتنی محبت کرنے سے پہلے خود مجھ سے انتہائی لگاؤ رکھتا تھا۔ ہر روز میرے پاس آیا کرتا تھا اور طرح طرح سے میرے ساتھ عقیدت کا اظہار کیا کرتا تھا اور مجھے مجبور کرتا رہتا تھا کہ میں اس کو معالم و معارف کی منازل زیادہ تیزی سے طے کراؤں۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ یہ میرے پاس آیا میری طبیعت کچھ خراب تھی چنانچہ میں اس کو حسبِ توقع وقت نہ دے سکا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ غیر معمولی طور پر بیقرار ہو گیا ہے۔ میں نے پوچھا تمہاری یہ کیفیت کیوں ہے؟! کہنے لگا: جس دن سے آپ کے ساتھ تعلق پیدا ہوا ہے آپ کے ساتھ اُنس ہو گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ایک انجانا خوف بھی دامن گیر رہتا ہے۔ جتنی محبت زیادہ ہوتی جاتی ہے یہ خوف اسی قدر بڑھتا جاتا ہے اور میں خاصہ پریشان رہتا ہوں۔ ہمیشہ مجھے یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ مبادا

مجھ سے کوئی ایسی حرکت ہو جائے جس کی وجہ سے آپ مجھے اپنے سے دُور کر دیں. آپ کی توجہ میری طرف کم ہو جائے، یا میں آپ کی نظروں میں گر جاؤں. آج جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے نسبتہً کم توجہ سے میرے سلام کا جواب دیا اور روزانہ کی طرح گرمجوشی کا مظاہرہ بھی نہیں کیا. لہذا میں زیادہ پریشان ہو گیا ہوں. میں نے اسے دلاسہ دیا کہ آج کی عدم توجہی کا سبب تمہاری کوئی کوتاہی نہیں تھی بلکہ میری ناسازیٔ طبیعت تھی۔

مجھے نہیں معلوم آپ ذوقِ محبت و عشق رکھتے ہیں یا نہیں یا یہ کہ آپ کو یہ تجربہ ہے کہ نہیں کہ جب انسان کسی کو پسند کر لیتا ہے، اس کے ساتھ دوستی کرنا چاہتا ہے تو اپنی محبت کا پہلا زینہ وہ یہ قرار دیتا ہے کہ اس سے عہد لے کہ بیوفائی تو نہیں کرے گا اور یہ کہ ان کی دوستی ہمیشہ رہے گی، اگر کوئی غلطی یا نامناسب حرکت ہو جائے تو ناراض نہیں ہو گا بلکہ اس کو سمجھا دے گا کہ آئندہ نہ کرے. وغیرہ وغیرہ. یہ تمام امور دراصل اسی خوف کا اظہار ہیں جو ہر عاشق کو اپنے معشوق کی طرف سے لاحق رہتا ہے.

مزید براں یہی وجہ ہے کہ ہر محب اپنے محبوب کا مطیع ہو جاتا ہے اس جیسا بن جاتا ہے. اس کے اوصاف اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے. چنانچہ اولیا اللہ کی معرفت جتنی زیادہ ہوتی جاتی ہے ان کا یہ خوف بھی بڑھتا جاتا ہے وہ خوفِ خدا میں اس حد تک چلے جاتے ہیں کہ لمحہ بھر کے لئے بھی اس سے غافل نہیں ہوتے. طرہ یہ کہ وہ یہ خوب جانتے ہیں کہ ان کا محبوب رؤف و رحیم ہے، مہربان و بخشنے والا ہے پھر بھی اس خوف سے کہ مبادا کوئی ایسا قدم اُٹھا لیں جس کی وجہ سے وہ ناراض ہو جائے وہ شب بھر ڈرتے رہتے ہیں. اللہ سُبحانہٗ سے معافی مانگتے رہتے ہیں. اپنے آپ کو اس کی بارگاہ میں ایک گنہگار کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں. وہ صرف اس کی خوشنودی کے حصول کے لئے طلبِ مغفرت کرتے ہیں. وہ جہنم کے ڈر سے یا (العیاذ باللہ) کسی گناہ کے عذاب کے خوف سے معافی نہیں مانگتے بلکہ صرف اس خوف سے کہ کہیں وہ اپنے محبوب سے جدا نہ ہو جائیں.

ایک رات کا ذکر ہے میں نے خواب میں اپنے ایک محبوب کو دیکھا جو مجھے اتنا عزیز ہے کہ

میں اپنی جان بھی اس پر قربان کرنے سے دریغ نہیں کر سکتا وہ بھی مجھ پر بڑا مہربان ہے مگر جتنا اس نے مجھ سے لگاؤ کا اظہار کیا اتنا ہی زیادہ خوف مجھے دامن گیر ہوا کہ مبادا میرے برے اعمال یا شیطان اس کو مجھ سے دُور نہ کر دے!

مشہور الف لیلوی قصہ ہے کہ ایک دن لوگوں نے مجنوں کی بیقراری دیکھ کر اُسے لیلیٰ کے گھر تک پہنچا دیا۔ دونوں کو ایک عالی شان کمرے میں بٹھا دیا گیا مگر مجنوں صاحب تھے کہ برابر روئے چلے جا رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا اب بیقراری کا سبب کیا ہے؟ اس نے تڑپ کے کہا مجھے یہ ڈر ہے کہ ابھی چند لمحوں میں لیلیٰ کو مجھ سے جُدا کر دیا جائے گا! ہر عاشق کا یہی حال ہوتا ہے کہ جب بھی اس کی رسائی اس کے معشوق تک ہوتی ہے اس کی قربت سے فیض یاب ہوتا ہے۔ بس یہی غم اسے کھائے جاتا ہے کہ کہیں محبوب اس کے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ اس طرح اگر آپ کے پاس اچانک ایک قیمتی چیز آجائے آپ ڈرنا شروع ہو جائیں گے کہ مبادا کھو جائے! اس لئے اس کی حفاظت غیر معمولی طور پر کریں گے۔ پس یہی کیفیت اولیاء اللہ کے خوف کی ہے۔

ایک دن خود میرا بھی یہی حال ہوا۔ میں نے پوری توجہ سے قرآنِ مجید کی تلاوت کی تو عارضی طور پر مجھ پر "خوف فی اللہ" کی کیفیت طاری ہو گئی۔ مجھے عظمت و لطفِ اللہ سُبحانہٗ نے سرشار کر دیا مگر ساتھ ہی ساتھ اس خوف سے کہ کہیں یہ سرور ختم نہ ہو جائے میری جان نکلی جا رہی تھی قرآن مجید میں سورہ نازعات آیت نمبر ۴۰ کہ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰىؕ۔ یعنی جو اللہ سُبحانہٗ سے ڈرے گا۔ اس کے لئے فردوسِ بریں کی بہاریں ہیں۔ اس خوفِ خدا سے مراد وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے! اولیاء اللہ چونکہ اللہ سُبحانہٗ کے علاوہ کسی سے محبت نہیں کرتے اسی لئے وہ کسی اور سے ڈرتے بھی نہیں۔ اور وہ اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے کہ اللہ سبحانہٗ کے علاوہ کوئی بھی ہو ان سے دُور ہو جائے یا نزدیک ہے!

بحار الانوار جلد نمبر ۷۰، صہ ۳۵۶ پر حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک روایت ہے، مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ خَافَ اللّٰهَ وَمَنْ خَافَ اللّٰهَ سَخَتْ عَنِ الدُّنْيَا۔ یعنی جو اللہ سبحانہٗ کو پہچانتا ہے اس سے ڈرتا ہے

اور اسی لئے دنیا اور اس کی لذات کو خاطر میں نہیں لاتا۔"

حضرت امام صادقؑ اپنے ایک دوست اسحاق بن عمارؒ سے فرماتے ہیں:

قَالَ الصَّادِقُؑ فِی الزُّهْدِ: لَيْسَ الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا بِإِضَاعَةِ الْمَالِ وَلَا بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ بَلِ الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُونَ بِمَا فِي يَدِكَ أَوْثَقَ مِنْكَ بِمَا فِي يَدِ اللّٰهِ.

اللہ سبحانہ سے اس طرح ڈرو کہ اسے اپنے سامنے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اُسے نہیں دیکھ سکتے تو یہ سمجھو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور اگر یہ بھی نہ سمجھو تو تم کافر ہو! اور اگر یہ جانتے ہوئے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے، گناہ کرتے چلے جاؤ تو تم نے اسے بے اثر و بے اختیار شاہد قرار دیا۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۰، ص ۳۵۵)

پس مختصر یہ کہ اولیاء اللہ اگر دوزخ کی آگ سے ڈرتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ ان کو معاذاللہ جلنے کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے بلکہ صرف اس لئے کہ اپنے محبوب سے دُور ہوں گے۔ اللہ سبحانہ سے دوری کی تابش ان کے لئے دوزخ کی آگ سے زیادہ ہے۔ دعائے کمیل میں امیرالمومنین حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں: يَا كَرِيمُ يَا رَبِّ أَنْتَ تَعْلَمُ ضَعْفِي صَبَرْتُ عَلَى حَرِّ نَارٍ فَكَيْفَ أَصْبِرُ عَنِ النَّظَرِ إِلَى كَرَامَتِكَ. یعنی پروردگارا! تو خوب جانتا ہے کہ میرا کمزور بدن دنیا کی تکالیف برداشت نہیں کر سکتا، حالانکہ ان کی شدت بھی کوئی زیادہ نہیں اور نہ ہی مدت کوئی لمبی ہے تو پھر میں آخرت کی تکالیف کیسے برداشت کر سکتا ہوں جن کی شدت کی کوئی حد ہے نہ مدت کی! کیونکہ وہ تیرے غیظ و غضب کی وجہ سے ہیں اور ان کو برداشت کرنے کی طاقت مجھ جیسے کمزور میں کیسے ہو سکتی ہے جب کہ ان کی شدت آسمان و زمین بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ... پروردگارا! اگر بالفرض میں عذاب کو برداشت کر بھی لوں تو تیری فرقت کیسے برداشت کروں گا؟!"۔ دیکھا آپ نے پڑھا! امیرالمومنین حضرت علیؑ کے نزدیک اللہ سبحانہ سے دوری اس عذاب سے کہیں زیادہ ناقابلِ برداشت ہے جس کو زمین و آسمان بھی برداشت

کرنے کی طاقت نہیں رکھتے.

خود نمائی اور حرصِ شہرت

انہوں نے فرمایا:

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ بعض لوگ اپنی شہرت کی وجہ سے ناقابلِ تلافی نقصان اٹھاتے ہیں اور ان کی شہرت ان کو کچھ نہیں دیتی مگر پھر بھی وہ شہرت کے لئے کیوں مرے جاتے ہیں؟! معاشرے کے اکثر لوگ ان سے واقف ہو چکے ہوتے ہیں، پھر بھی وہ شہرت کے بھوکے رہتے ہیں! تعجب خیز بات یہ ہے کہ بعض لوگ اس حد تک گر جاتے ہیں کہ شہرت حاصل کرنے کے لئے گناہ و جرم میں بھی ملوث ہو جاتے ہیں. بعض لوگ صرف اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ان کو سب جانتے ہیں. بے شک یہ ایک نفسیاتی مرض ہے اور اس کا علاج ازبس ضروری ہے خاص طور پر ان حضرات کے لئے جو "سیر الی اللہ" کی طرف مائل ہوں اور حق تک رسائی چاہتے ہوں.

ایک رات کا ذکر ہے کہ عالمِ خواب میں امامِ زمانہ حضرت بقیۃ اللہ الاعظمؑ کی زیارت سے مشرف ہوا ان سے درخواست کی کہ مجھے بھی اپنی قیام گاہ پر رُکنے کی اجازت فرمائیں. آپؑ نے صاف انکار فرمایا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ تم اپنے علاقے میں خاصے مشہور آدمی ہو اگر یکدم وہاں سے نقل مکانی کرکے میرے پاس آگئے تو چرچا ہونے لگے گا کہ فلاں شخص کہاں گیا. یہ بات ہمارے پروگرام کے خلاف ہے. اگر تم گمنام سے آدمی ہوتے تو ہم اپنے پاس لے آتے !!!

ایک سن رسیدہ عالمِ دین نے مجھے بتایا کہ نوجوانی میں جو کام کرتے اس میں پنجاہ فیصد شہرت کے لئے کیا کرتا تھا. میری خواہش تھی کہ میری مشہوری ہو اور لوگ مجھے جاننے لگیں خیر مشہور ہو گیا اب ایک زمانہ مجھے جانتا ہے. مگر اب احساس ہوا کہ بڑی غلطی کی جو یہ کام کیا. مشہور ہونا تو ایک عذاب ہے. ذرا ذرا سی بات پہ عوامی مخالفت کا سامنا رہتا ہے. آزادیٔ نقل و حرکت گویا کہ سلب ہو چکی ہے. مجھ سے لوگوں کی توقعات

ناممکن امور تک پہنچ چکی ہیں۔ اس سب کچھ نے میرا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ سب سے بڑھ کر میری شہرت میری روحانی ترقی میں رکاوٹ ہے اور میں حریصِ شہرت کے ساتھ ساتھ اقتدار کا حریص بھی ہو گیا ہوں!

پس جو شخص روحانی ارتقا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ نوجوانی ہی سے شہرت طلبی سے اجتناب کرے اور اپنے آپ کو زیادہ مشہور نہ ہونے دے۔ حضرت امام صادق ؑ بھی یہی فرماتے ہیں: اپنے واقف کار کم بناؤ (بحوالہ اتحاد دوستی ص ۲۷)

حسد

انہوں نے فرمایا:

میرا ایک دوست تھا۔ وہ دولت و ثروت، فضائل و خصائل، شکل و صورت، قوتِ حافظہ و یادداشت اور دیگر صفات میں مجھ سے کہیں بہتر تھا۔ ہم دونوں اکثر اکٹھے رہتے تھے اور ہر جگہ یا محفل میں اکٹھے جاتے تھے۔ فطری بات تھی کہ وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتا تھا۔ اس لحاظ سے مجھے بھی اس کا احترام و اکرام کرنا پڑتا تھا۔ ہوتے ہوتے میں نے محسوس کیا کہ میرے دل میں اس کے خلاف جذبۂ حسد اُبھر رہا ہے۔ اب میں اس کی تعریف نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ میرے سامنے کوئی اور بھی اس کی تعریف کرتا تو مجھے ناگوار ہوتا۔ اس کیفیت میں کچھ وقت گزرا پھر میں نے محسوس کیا کہ اب میرے دل میں اس کی دشمنی پیدا ہو گئی ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ خوش اور پُرسکون رہے بلکہ مجھے اس کے وجود سے نفرت سی ہو گئی اور اس کی موجودگی سے مجھے گھن آنے لگی۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ میں حسد جیسے موذی روحانی مرض میں مبتلا ہو چکا ہوں جس کا علاج آسان نہیں ہے یہ بھانپ کر میں نے فوراً اپنے استادِ محترم سے مشورہ کرنے کی ٹھانی اور مختصر سا زادِ راہ لے کر ان کے شہر کی راہ لی۔ ان کو اس حالت سے آگاہ کیا۔ انہوں نے فرمایا: تم نے بہت اچھا کیا جلد اس موذی مرض کے علاج کے لئے آ گئے ہو۔ اب پورے تین دن میرے پاس رہو تاکہ اس کے مؤثر علاج

کا پورا نسخہ میں تمہیں دے سکوں۔ میں تین دن کیلئے ان کے پاس رک گیا۔

تینوں دن انہوں نے ہر روز ایک گھنٹہ "حسد" کے خلاف سبق دیا۔ حسد کی مذمت میں جتنی احادیث شریف، روایات اور بزرگ علماء کے اقوال تھے مجھے سنائے۔ اپنے تجربات اور خیالات سے ایفاد فرمایا۔ میں یہ نسخہ ذیل میں آپ کے لئے بھی لکھ رہا ہوں تاکہ اگر خدانخواستہ کوئی شخص اس موذی رُوحانی مرض میں مبتلا ہو تو استفادہ کر سکے:

١. زیادہ سے زیادہ سورہ فلق (پارہ نمبر ٣٠) کی تلاوت کریں۔
٢. جس شخص کے خلاف جذبہ حسد موجود ہو اس کے پاس جائیں اور جب لوگ اس کی تعریف کریں ہاں میں ہاں ضرور ملائیں۔
٣. خود بھی اس کی زیادہ سے زیادہ تعریف کریں۔
٤. اس کی صلاحیتیں لوگوں کو بتائیں۔
٥. اپنے آپ کو اس سے کم تر اور ناچیز مشہور کریں۔
٦. مندرجہ ذیل احادیث کا مطالعہ کریں اور دوسروں کو سنائیں۔

(ا) بحار الانوار جلد نمبر ٣، صہ ٢٣٠) قال ابوجعفرؑ : اِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْاِیْمَانَ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ یعنی حضرت امام باقرؑ نے فرمایا کہ جذبۂ حسد ایمان کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ ایندھن کو ختم کر دیتی ہے۔

(ب) بحار الانوار جلد نمبر ٣، صہ ٢٣٠ قال الصادقؑ، آفۃ الدین الحسد والعجب والفخر۔ یعنی دین کے لئے جذبۂ حسد، ایک آفت سے کم نہیں۔

ج۔ بحار الانوار جلد نمبر ٣، صہ ٢٤٩

قال رسول اللہ (ص)
قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ لِمُوْسٰی بْنِ عِمْرَانَ یَا ابْنَ عِمْرَانَ لَا تَحْسُدَنَّ النَّاسَ عَلٰی

حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا: اللہ سبحانہ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: اے موسیٰؑ! جن لوگوں کو میں نے اپنے فضل و کرم سے نوازا

مَآ آتَيْتُهُمْ مِنْ فَضْلِيْ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ ذَالِكَ وَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ فَإِنَّ الْحَاسِدَ سَاخِطٌ لِنِعَمِيْ صَادٌّ لِقِسْمِي الَّذِيْ قَسَمْتُ بَيْنَ عِبَادِيْ وَمَنْ يَكُ كَذَالِكَ فَلَسْتُ مِنْهُ وَلَيْسَ مِنِّيْ۔

ہے زینہار ان سے حسد نہ کرنا! ان کے مال و جاہ پر نظر نہ رکھنا اور دیکھو حسد کے سلسلے میں اپنے نفس کے بہکاوے میں ہرگز نہ آنا کیونکہ حاسد میری نعمتوں کا دشمن ہوتا ہے۔ بندوں کے درمیان میری تقسیم کا مخالف ہے جو شخص حاسد ہوگا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا!"

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا!

لِلْحَاسِدِ ثَلَاثُ عَلَامَاتٍ يَغْتَابُ إِذَا غَابَ وَيَتَمَلَّقُ إِذَا شَهِدَ وَيَشْمِتُ بِالْمُصِيبَةِ۔

حضرت لقمان اپنے بچے سے فرماتے ہیں، حاسد آدمی کی تین نشانیاں ہیں،

۱۔ لوگوں کی غیر موجودگی میں ان کی غیبت کرتا ہے۔
۲۔ لوگوں کی موجودگی میں ان کی خوشامد کرتا ہے۔
۳۔ مشکل اور پریشانی کے وقت شرمندہ کرتا ہے۔

بحار الانوار جلد نمبر ۷۳ صہ ۲۵۱

اس کتاب کے صہ ۲۵۲ پر حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں، لَا رَاحَةَ لِحَسُوْدٍ یعنی حاسد آدمی کو کبھی سکون میسر نہیں ہوتا۔

اور صہ ۲۵۲ پر حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں، لَا لِحَسُوْدٍ لَذَّةٌ یعنی حاسد آدمی کی زندگی بڑی بے مزہ ہے۔

اور صہ ۲۵۶ پر حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں، صِحَّةُ الْجَسَدِ مِنْ قِلَّةِ الْحَسَدِ یعنی حسد جتنا کم ہوگا اتنی صحت اچھی ہوگی۔

اسی صفحہ پر حضرت امیرالمومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ ظَالِمًا أَشْبَهَ بِمَظْلُوْمٍ

حاسد آدمی جیسا ظالم دیکھنے کو نہیں ملے گا جو

مِنَ الْحَاسِدِ نَفْسٌ دَائِمٌ وَ قَلْبٌ هَائِمٌ وَحُزْنٌ لَازِمٌ.

بظاہر مظلوم ہوتا ہے۔ مسلسل بیقرار، پریشان اور غمگین رہتا ہے۔

اسی سفر پر حضرت امیرالمومنین فرماتے ہیں:

يَكْفِيكَ مِنَ الْحَاسِدِ أَنَّهُ يَغْتَمُّ فِي وَقْتِ سُرُورِكَ.

تمہاری طرف سے حاسد آدمی کی یہ سزا کیا کم ہے کہ تم خوشحال ہو اور وہ عین اسی وقت پریشان۔

إِيَّاكَ وَالْحَسَدَ فَإِنَّهُ يَتَبَيَّنُ فِيكَ وَلَا يَتَبَيَّنُ فِيمَنْ تَحْسُدُهُ.

حسد سے پرہیز کرو! کیونکہ اس سے تمہاری برائی تو ظاہر ہوگی مگر جس سے حسد کروگے اس کی برائی چھپے گی۔

میں جتنے دن استادِ محترم کے ہاں رہا۔ حسد سے بچاؤ کے طریقے سمجھتا رہا۔ متذکرہ بالا روایات سنتا رہا۔ پھر میں گھر لوٹ آیا اور استادِ محترم کی ہدایات پر مکمل عمل پیرا رہا۔ اللہ سبحانہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس موذی مرض سے مکمل شفایاب ہوگیا۔

کنجوسی

انہوں نے فرمایا:

میری نوجوانی کا ذکر ہے کہ تنگدستی، غربت اور متوکل علی اللہ نہ ہونے کی وجہ سے میں کنجوسی جیسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہوگیا۔ کئی سال تو اس خوش فہمی میں رہا کہ میں کنجوس نہیں ہوں بلکہ نہایت کفائت شعار ہوں جو کسی کو نہ کوئی چیز دینے کو تیار ہوں نہ روپیہ پیسہ، بلکہ مستقبل کے لئے جمع جوڑ کرکے گویا کہ بڑی اقتصادی سمجھداری کا ثبوت دے رہا ہوں مگر ایک رات مجھے واضح طور پر احساس ہوگیا کہ کنجوسی کا مرض کینسر کی طرح میرے بدن کے ایک ایک عضو میں پھیل چکا ہے اور جود و سخا کی کوئی رمق میرے بدن میں باقی نہیں رہی

واقعہ یوں ہے:

شب جمعہ تھی۔ ابھی ابھی دعائے کمیل پڑھ کر بیٹھا تھا۔ طبیعت پر گریہ اور رقت کی کیفیت طاری تھی۔ اللہ سبحانہ سے معافی مانگ رہا تھا۔ اپنے ایک ایک گناہ کو یاد کر رہا تھا اور گڑگڑا کر دعا مانگ رہا تھا کہ خدایا! میری روح کے تمام پردے ہٹا دے تاکہ میں روحانی کمال حاصل کروں اور منزل فنا۔اللہ پر پہنچ سکوں۔ اچانک میری نظر میرے ان پیسوں پر پڑی جو میں نے اگلے دن یعنی جمعہ کے دن کے دوپہر اور رات کے کھانے کے لئے جمع کر رکھے تھے۔ عین اسی وقت میرے ایک ہم سکول نے میرے کمرے کا دروازہ کھٹکایا گویا کہ مجھ سے کوئی کام ہو۔ میں نے دروازہ کھولا وہ اندر آگیا اور کہنے لگا! مجھے بیس روپوں کی اس وقت نہایت اشد ضرورت ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ میرے پاس بیس روپے ہی تھے۔ میرے ذہن میں فوراً یہ بات آئی کہ کسی طرح اس نے میرے پیسوں کو دیکھ لیا ہے۔ چنانچہ مجھ سے ہتھیانا چاہتا ہے مگر بعد کی گفت و شنید سے مجھے یقین ہوگیا کہ وہ واقعی ضرورت مند ہے۔ میں اُسے رقم دینا چاہتا تھا۔ مگر میرا کنجوسی کا مرض مجھے سچ بولنے سے روک رہا تھا اور کسی طور بھی اس کو رقم دینے پر آمادہ ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ آخرکار میں نے اس سے جھوٹ بولا کہ بھئی میرے پاس تو کوئی رقم نہیں ہے اور میں بھی تیری طرح اس وقت ضرورت مند ہوں۔ لہذا تیری مدد کرنے سے بالکل قاصر ہوں۔ وہ بیچارہ بغیر کچھ کہے فوراً میرے کمرے سے باہر نکل گیا مگر میں سمجھ گیا کہ کنجوسی کے مرض نے مجھ پر مکمل قابو پا لیا ہے۔ اور قبل اس کے کہ یہ مجھے ہلاک کر دے میں اس کا علاج کروں! میں نے فوراً بحارالانوار کتاب نکالی اور اس میں کنجوسی کی مذمت میں آیات و روایات کا مطالعہ کرنے بیٹھ گیا!

اسی ضمن میں مندرجہ روایات میرے سامنے آئیں:

جلد نمبر ۷۳ صہ ۳۰۰ حضرت امام صادق ؑ نے فرمایا:

اِنْ کَانَ الْخَلَفُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ یعنی اگر کسی شخص کو اللہ سبحانہ کی طرف سے

حَقًّا فَالْبُخْلُ لِمَاذَا۔ — انفاق کے نتیجے میں کمی پورے ہونے کا یقین ہو تو وہ کنجوسی نہیں کرسکتا۔

اسی صفحے پر حضرت رسول اکرمؐ سے ایک حدیث درج ہے: اَقَلُّ النَّاسِ رَاحَةً اَلْبَخِيْلُ. یعنی دنیا میں جو شخص سب سے کم محظوظ ہوتا ہے وہ بخیل ہوتا ہے۔

بحار الانوار کے اسی صفحے پر حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں:

عَجِبْتُ لِمَنْ يَبْخَلُ الدُّنْيَا وَهِيَ مُقْبِلَةٌ عَلَيْهِ اَوْ يَبْخَلُ بِهَا وَهِيَ مُدْبِرَةٌ عَنْهُ فَلَا اَنْفَاقَ مَعَ الْاِقْبَالِ يَضُرُّهُ وَلَا اِمْسَاكَ مَعَ الْاِدْبَارِ يَنْفَعُهُ۔ — یعنی اس شخص پر حیرانی ہوتی ہے جو مال دنیا میں کنجوسی کرتا ہے کیونکہ اس کی حالت دوحال سے خالی نہیں ہے یعنی یا تو اس کے پاس مالِ دنیا کی فراوانی ہے یا کمی ہے فراوانی کی حالت میں انفاق سے اس کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اور کمی کے دنوں میں کنجوسی سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اس کتاب کے صہ ۳۰۱ پر حضرت رسولِ اکرمؐ سے ایک حدیث مروی ہے: حرمت الجنة ..... لبخيل۔ یعنی جنت میں کنجوس کا داخلہ ممنوع ہے۔

حضرت رسولِ اکرمؐ نے فرمایا: جتنا کنجوسی ایمان کو خراب کرتی ہے اتنا کوئی اور چیز نہیں کرتی (وہی حوالہ)

بحار الانوار جلد نمبر ۷، صہ ۳۰۱ پر حضرت رسولؐ اکرم سے ایک روایت نقل کی گئی ہے:

۱۔ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُسْلِمٍ، اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلْقِ۔ — مومن میں دو صفات جمع نہیں ہوسکتیں ایک کنجوسی دوسری بداخلاقی۔

اسی کتاب کے صہ ۳۰۷ پر حضرت امام صادقؑ سے مروی ہے:

۲۔ شَابٌّ سَخِيٌّ مُرَهَّقٌ فِي الذُّنُوْبِ — اللہ سبحانہٗ کو کنجوس عبادت گزار بوڑھے

اَحَبُّ اِلَی اللهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ شَیْخٍ عَابِدٍ بَخِیلٍ۔ — بندے سے سخی گنہگار جوان زیادہ پسند ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۰۷ پر حضرت امیرالمومنین ؑ سے مروی ہے: اَلْبُخْلُ عَارٌ یعنی کنجوسی ذلت و ننگ ہے۔

اسی کتاب کے صہ ۳۰۷ پر حضرت امام صادق ؑ سے مروی ہے:

خِیَارُکُمْ سُمَحَاءُکُمْ وَشِرَارُکُمْ بُخَلَاءُکُمْ وَمِنْ خَالِصِ الْاِیْمَانِ اَلْبِرُّ بِالْاِخْوَانِ وَالسَّعْیُ فِیْ حَوَائِجِهِمْ۔ — اے مسلمانو! تم میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جو کنجوس ہیں اور بہترین وہ ہیں جو سخی ہیں، دوسروں سے نیکی کرتے ہیں اور ان کی ضروریات پوری کرنے میں تگ و دو کرتے ہیں۔

اسی کتاب کے صہ ۳۰۸ پر حضرت امام صادق ؑ سے مروی ہے:

اَلْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِنَ اللهِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّارِ۔ — قال رسول اللهؐ: حضرت رسول اکرمؐ فرماتے ہیں کہ کنجوس، اللہ سبحانہٗ اور اس کے نیک بندوں سے دور رہتا ہے مگر دوزخ کے قریب ہے۔

ان روایات کے مطالعے کے بعد میں نے ان پر تھوڑا سا غور کیا، طالب علم بھائی سے جو جھوٹ بولا تھا، اس پر اللہ سبحانہٗ سے معافی مانگی۔ گریہ کیا اور اپنی بخشش کے یقین کی خاطر بارگاہِ حضرت بقیۃ اللہ العظمیٰ امام زمان ؑ میں رو رو کر گزارش کی کہ اس موذی مرض سے شفا دیں اور اللہ سبحانہٗ سے معافی بھی لے دیں۔ اس کے بعد اسی وقت اٹھا وہ رقم اٹھائی اور اسی طالبِ علم کے کمرے میں چلا گیا۔ اس سے بھی معذرت کی اور رقم اس کے حوالے کر دی۔ اس کے بعد میں نے راہِ خدا میں خرچ کرنے کو وطیرہ بنا لیا۔ چاہے مجھے کتنی ہی مشکل کیوں نہ آئے۔

شروع شروع میں مجھے خاصا مشکل لگا مگر بعد میں گویا کہ عادت سی ہوگئی اور نوبت یہ آگئی کہ اگر میرے ہاتھ میں پیسے نہ ہوتے تو بعض کتابیں بیچ کر راہِ خدا خرچ کر دیتا۔ اس موقع پر میرا نفس امارہ شیطان اور چند بے خبر دوست مجھ سے کہتے کہ کتابیں یا کوئی چیز بیچ کر راہِ خدا میں خرچ کرنا اسلامی اور عقلی نکتہ نظر سے صحیح نہیں ہے کیونکہ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۸ اللہ سبحانہٗ ہمارے نبی کریمؐ سے ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۔

حد سے بڑھ کر راہِ خدا میں خرچ نہ کرو ورنہ شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔

میں نے ان کے جواب میں اسوہ حسنہ حضرت رسول اکرمؐ اور ان کی پاک آلؑ کی کئی مثالیں یاد دلائیں اور یہ بھی کہا چونکہ میں کنجوسی کا مریض ہوں اس لئے مجھے راہِ خدا اتنا خرچ کرنا چاہیے کہ اس موذی مرض کی جڑیں میری رُوح سے بالکل کٹ جائیں۔ اس کو حد سے زیادہ راہِ خدا خرچ کرنے کی عادت ڈالوں تاکہ مناسب خرچ کرنے سے یہ باز نہ رہے۔

آپ سمجھتے ہوں گے کہ میں از خود افراط و تفریط کا شکار ہو رہا تھا! نہیں ایسی کوئی بات نہیں تھی بلکہ جو کچھ میں نے کہا اپنے استادِ محترم کی ہدایات کے عین مطابق تھا۔ انہوں نے مجھے یہ سبق دے رکھا تھا کہ جب کبھی کسی روحانی مرض سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہوں تو اس کی اس قدر مخالفت کروں کہ مکمل طور پر اس کا صفایا ہو جائے۔

مختصر یہ کہ کچھ مدت میں نے راہِ خدا خرچ کرنے کی عادت ڈالی اور ایک دن مجھے اطمینان ہوگیا کہ واقعی کنجوسی کا مرض مجھ سے دُور ہوگیا ہے۔ ہوا یوں کہ میرے ایک عقیدت مند نے مجھے سنگِ شاہ مقصود کی تسبیح دی۔ تسبیح بہت قیمتی تھی۔ مجھے پسند آئی۔ چند دن میں نے اُسے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اور مجھے اس میں کافی رغبت پیدا ہوگئی۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود میں نے ایک بھلے آدمی کو وہ تسبیح تحفۃً دے ڈالی اور مجھے کوئی دقت پیش نہ آئی۔ نہ میرے نفس نے روکا اور نہ ہی شیطان اپنے وار سے مجھے گھائل کر سکا۔ اس

کہ بعد میں نے کئی مرتبہ اپنے آپ کو آزمایا، اللہ سبحانہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ میری رُوح کنجوسی جیسی گھٹیا عادت سے نجات پا چکی تھی اور اس کی جگہ سخاوت جیسی بڑھیا صفت نے لے لی تھی۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جتنی مدت میں "کنجوسی" سے جان چھڑانے کے لئے ریاضت کرتا رہا اکثر اس دعا کا وظیفہ کرتا رہا:

"اَللّٰھُمَّ قِنِیْ شُحَّ نَفْسِیْ یعنی پروردگارا! مجھے کنجوسی سے محفوظ رکھ!"

یہ دعا جناب ابی قرۃ رض کی روایت سے میں نے یاد کی جس میں انہوں نے بتایا کہ ایک دفعہ امام جعفر صادق رح حج کو تشریف لے گئے تھے۔ ایک رات میں نے دیکھا آپ طواف میں مصروف ہیں۔ میں بھی آپؒ کے ساتھ طواف کرنے لگا آپؒ اول شب سے لے کر سحر تک طواف کرتے رہے اور یہی دُعا پڑھتے رہے۔ اگلے دن میں نے آپؒ سے عرض کیا، کل رات آپؒ یہی دُعا بار بار کیوں پڑھتے رہے؟ آپؒ نے فرمایا چونکہ کنجوسی سے بڑھ کر انسان کی روح کے لئے کوئی اور مرض برا نہیں اسی لئے میں اس سے محفوظ رہنے کے لئے یہ دُعا پڑھتا رہا۔

قرآن مجید میں بھی اللہ سبحانہ نے دو جگہ پر کنجوسی کو انسان کے ترقی میں بڑی رکاوٹ قرار دیا ہے:

ا۔ سورہ حشر آیت نمبر ۹

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

اا۔ سورہ تغابن آیت نمبر ۱۶

ترجمہ: جو لوگ 'کنجوسی' کی عادت سے محفوظ رہیں وہی کامیاب ہیں۔

حق تلفی

انہوں نے فرمایا:

ایک دن ایک منہ زور گھوڑا جس کی باگیں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ ایک کھاتے پیتے گھر کے لان میں جا گھسا اور وہاں موجود خوبصورت، نادر اور قیمتی پھولوں کو روند ڈالا' کچھ ہڑپ کر گیا۔ اتفاق سے میں

بھی اس وقت وہاں موجود تھا۔ صاحب خانہ نے مجھ سے کہا کہ اس موقع پر اسلامی اخلاقیات کے حوالے سے کچھ بات کروں۔ انہوں نے اس پر کافی اصرار کیا تو میں نے کہا:

یہ جانور لان میں کیوں گھسا ہے؟ اس میں ایک فطری صفت ہے جسے خودغرضی کہتے ہیں جس کی وجہ سے یہ لان میں در آیا ہے اور نایاب پھولوں کو کھا گیا یا روند گیا۔ انسان میں بھی یہ صفت ہے البتہ اگر یہ صفت دین و عقل کے قابو میں رہے اور اس کے تحت انسان صرف اپنی ضرورت اور حصے ـــــــ پر اکتفا کرے دوسروں کے حقوق پر ہاتھ صاف نہ کرے تو وہ امانت دار ہے ـــ اور اس نے اپنی روح کو ایک جانوروں سی صفت سے بچائے رکھا ہے۔ اس کے برعکس اگر اس صفت کو بے لگام چھوڑ دے جس طرح یہ گھوڑا، کوئی چیز ہتھیاتے ہوئے یہ سوچے ہی نہیں کہ اس کا حق ہے یا نہیں یا دینِ مقدس کی اصطلاح میں اس کے لئے حلال بھی ہے یا نہیں اور جو چیز پسند ہو طاقت کے زور پر لے اڑے تو وہ اس جانور کی طرح ہے اور بدیانت ہے۔

خاص طور پر وہ حضرات جو "سیرالی اللہ" کرنا چاہتے ہیں بلکہ منزل "فنا فی اللہ" تک رسائی چاہتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ اپنی روح کو اس ذلیل صفت سے ازلس محفوظ رکھیں۔ اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنے ایمان کو مضبوط بنائیں اور اس حقیقت کو فراموش نہ کریں کہ ان کے اعمال و کردار کو اللہ سبحانہٗ حضرت رسولِ اکرمؐ اور ائمہ طاہرینؑ دیکھ رہے ہیں۔ جس طرح اگر کسی کو پتہ ہو کہ اس کو کوئی دیکھ رہا ہے۔ وہ کوئی نامناسب حرکت نہیں کرتا کم از کم ہم اللہ سبحانہٗ اور اس کے اولیاء کو اس حد تک حاضر و ناظر تو یا نہیں بلکہ اگر دلی تصورات میں بھی یہی روش اختیار کریں تو روح کا بہتر تزکیہ ہوسکتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ.

(اے حبیبؐ) ان سے کہہ دیجئے جو چاہے کریں یقیناً اللہ سبحانہٗ اس کا رسولؐ اور "مومنین" ان کے اعمال کے نگران ہیں۔

(سورہ توبہ آیت نمبر ۱۰۵)

ﱩ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ یقیناً اللہ سبحانہٗ تمہارا نگران ہے۔

(سورہ فجر آیت نمبر ۱۴)

حیاء و شرم

انہوں نے فرمایا:

ایک دن ایک تقریب میں جانا ہوا، علماء کرام اور اکابرین کی ایک معتد بہ تعداد وہاں موجود تھی، اچانک میری نگاہ ایک عالم دین پر پڑی۔ میرے خیال میں وہ وہاں موجود تمام حضرات سے کم سن تھے، ان کا چہرہ کسی چودھویں رات کے مہ تاباں کا منظر پیش کر رہا تھا۔ وہ اللہ سبحانہٗ کے خاص مورد عنایت تھے ان کا وصف احاطۂ بیان سے منزہ ہے۔ مجھے جستجو ہوئی کہ وہ کونسی صفت ہے جس کی وجہ سے ان کو یہ شرف حاصل ہوا؟ چنانچہ میں نے ان سے علیک سلیک کی اور دوستی کر لی۔

ایک زمانہ ان کے ہاں آنا جانا رہا۔ ان کی اکثر صفات قابلِ تعریف تھیں۔ البتہ جو صفت ان میں زیادہ پرکشش تھی وہ حیاء و شرم تھی جو ان کو ریموٹ کنٹرول کی طرح گویا کہ ہر گناہ، برائی اور اجتماعی ناپسندیگی سے بچا رہی تھی۔ جلوت میں وہ کبھی کسی بے تہذیبی کا ہلکا سا مظاہرہ بھی نہ کرتے تھے۔ ہمیشہ دو زانو بیٹھتے ادھر ادھر کم دیکھتے، ٹیک نہیں لگاتے سر اور چہرے پر کبھی کھجلی نہ کرتے، چھینک اور کھانسی کے موقع پر اپنے ہاتھوں سے چہرے کو اچھی طرح ڈھانپ لیتے تاکہ دوسرے کم از کم مخل ہوں ہمیشہ ایک صاف ستھرا رومال ہاتھ میں رکھتے۔ بار بار چہرے منہ اور ہاتھوں کو صاف کرتے۔ کپڑے ایسے اُجلے پہنتے کہ بیان سے باہر ہے۔ بات کرتے تو مسکراکرتے ہر شخص کا اس کی شخصیت کے مطابق احترام کرتے۔ جو بات کرتے بچی تلی ہوتی کبھی لایعنی بات ان کے منہ سے نہیں سنی۔ وہ ہنسی مذاق زیادہ نہ کرتے کسی کو برے نام سے نہ پکارتے بلکہ ان کی یہی کوشش ہوتی کہ جو شخص جو نام پسند کرتا ہے اس کو اسی نام سے پکارا جائے۔ ہر ایک کو پہلے سلام کرتے اور سب کو سنا کر سلام کرتے۔ بات کرتے ہوئے دوسرے

کی طرف زیادہ نہ دیکھتے اور جیسا کہ جناب فرزدق ؓ نے حضرت امام سجادؑ کے بارے میں کہا ہے کہ "حیاء کی وجہ سے آپ کی نظر کہیں ٹھہرتی نہیں"۔ وہ بالکل اس کی تصویر تھے۔ کوئی قریب بیٹھ جاتا تو اپنے کپڑے سکیڑتے نہیں تھے۔ کبھی اپنا عمامہ اتار کر نہ رکھتے تھے۔ جب تک شاگرد ان کے پاس رہتے کاندھوں پر عبا رہتی تھی۔ ہر ایک سے مہر و محبت کا اظہار کرتے اور کسی کے بارے میں کینہ و بغض دل میں نہ رکھتے تھے۔

یہ صفات ان کی فطرتِ ثانیہ بن گئی تھیں۔ معاشرے میں کبھی کوئی کام عرفِ عام کے خلافِ تہذیب و اخلاق نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ کسی دوسرے شہر صوبے یا ملک جاتے تو وہاں کے عمومی اخلاق کے بارے میں معلومات لے لیتے تاکہ اس کے مطابق عمل کریں۔

اللہ سبحانہٗ پر انہیں بڑا پختہ ایمان تھا۔ چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے بھی شرم کرتے تھے اور کبھی کسی معمولی سی بات کا ارتکاب بھی نہ کرتے جس سے اللہ سبحانہٗ کے غضب کا احتمال ہو۔

میں ان کی صفات سے بہت متاثر ہوا اور اسی حقیقت کی طرف متوجہ ہوا کہ انہیں اللہ سبحانہٗ پر ایمانِ کامل ہے کیونکہ جس شخص کا ایمان اتنا راسخ نہ ہو، ناممکن ہے کہ اس سے اس حد تک شرم و حیاء کرے۔ حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں:

اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّۃِ — اللہ سبحانہٗ سے حیاء ایمان سے آتی ہے اور ایمان جنت میں لے جاتا ہے۔

(بحارالانوار جلد نمبر ۱، صـ ۳۲۱)

اس روایت کا مضمون متعدد روایات میں آیا ہے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ جو شخص اللہ سبحانہٗ سے حیاء کرتا ہے اس کو اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کے حضور آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے گناہ کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا پس گناہ سے محفوظ رہتا ہے۔

موصوف کا بھی یہی حال تھا کہ خلوت و جلوت میں اللہ سبحانہٗ کے حضور رہتے تھے اور چھوٹے سے چھوٹے گناہ کے ارتکاب سے بھی باز رہتے تھے۔ اللہ سبحانہٗ ان پر اپنی رحمت کی بارشیں کرے اور اپنے اولیاء کے ساتھ محشور کرے۔

قارئین کرام! آپ سے بھی گزارش ہے کہ آپ اپنے اندر حیاء کی صفت پیدا کرلیں تو منازلِ تزکیہ میں کی ایک بڑی منزل پالیں گے۔

فضول خرچی

انہوں نے فرمایا:

تہران کے معزز تاجروں میں سے ایک مخیّر تاجر میرے عزیز دوست تھے۔ انہوں نے اکیلے ہی ایک ہسپتال کے لئے ایک کروڑ روپیہ عطیہ دیا تھا۔ علاوہ براین دینی کتابوں کی اشاعت کے لئے بھی لاکھوں روپے خرچ کئے تھے۔

ایک دو دیگر دوستوں کے ساتھ ان کے ساتھ قم کے نواح میں مسجد جمکران جانے کا پروگرام بن گیا۔ ہم کل چار نفر تھے۔ ہم بس اسٹینڈ پر آگئے تاکہ بس یا ویگن سے جمکران جائیں۔ جاتے ہوئے ہمارے اس تاجر دوست نے کہا دیکھو بھئی بعد میں کوئی اختلاف نہ کرے ویگن کا کرایہ سب حضرات کا میں دوں گا۔ ہم نے تھوڑی سی رد و کد کے بعد ان کی پیش کش کو قبول کرلیا۔ ہم سٹینڈ پر پہنچ گئے۔ ایک بالکل خالی ویگن جمکران جانے کو تیار کھڑی تھی۔ ہم اس میں سوار ہوگئے۔ ہمارے تاجر بھائی نے جھٹ کرایہ نکال کر کنڈیکٹر کے حوالے کیا شاید ان کو ڈر تھا کہ ہم میں سے کوئی اور کرایہ ادا نہ کرے۔

کنڈکٹر بولا اگر آپ ایک آدمی کا اور کرایہ دے دیں تو میں ابھی چل پڑوں، ورنہ کم ازکم ایک اور آدمی کے آنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔ تاجر بھائی بولے نہیں کوئی جلدی نہیں ایک مسافر آجانے دیں پھر چلیں گے۔ کنڈکٹر اور میرے دیگر ساتھی تاجر بھائی کی "کنجوسی" دیکھ کر حیران ہوئے حتیٰ کہ میرے ایک دوسرے دوست بولے چلو بھئی اس فرضی آدمی کا کرایہ مجھ سے لے لیں اور ابھی چلیں! میں نے اشارہ کیا، نہیں جیسے ہمارے تاجر بھائی نے کہا ہے وہی بات ٹھیک ہے۔ اتفاق سے جلدی ہی ایک طالب علم آگیا اور ہم جمکران چل پڑے۔

میں نے اس ڈر سے کہ کنڈکٹر اور میرے دیگر دوستوں کے دل میں اس تاجر کے بارے میں کوئی بدگمانی پیدا نہ ہو، ان کی فیاضی اور سخاوت کے بارے میں باتیں شروع کر دیں۔ کنڈکٹر بولا چھوڑیں جی، آپ کس کی "سخاوت" کی بات کر رہے ہیں۔

اس موقع پر تاجر بھائی نے خود وضاحت کر دی: "کنڈکٹر صاحب! اللہ سبحانہ نے مجھے مال و دولت سے نوازا ہے تو روزِ قیامت اس کا حساب بھی لے گا! یہ مال میرے پاس ایک امانت ہے جس کا حساب مجھے دینا ہوگا۔ آپ خود ان علماء سے پوچھ لیں کیا احادیث میں نہیں آیا؟ فی حلالہا حساب" یعنی حلال آمدنی کا حساب ہوگا۔" آپ ذرا سوچیں تو سہی اگر میں ایک آدمی کا کرایہ دے دیتا (جو کہ میں بآسانی دے بھی سکتا ہوں)، یہ طالب علم بیچارہ جو اب ہمارے ساتھ ہے، سواری سے رہ جاتا اور میں بلاضرورت اضافی خرچ کا مرتکب ہوتا۔ روزِ قیامت میرے پاس اس کا کیا جواز ہوتا؟! اگر میں نے کروڑوں روپے عطیات کے طور پر دیئے ہیں تو ایک ایک پائی سوچ سمجھ کر دی ہے اور روزِ قیامت کے لئے ہر ایک کا تسلی بخش جواب بھی رکھتا ہوں۔ اس اضافی کرائے کے بارے میں میری سمجھ میں سوائے "فضول خرچی" کے کچھ نہیں آیا۔"

میں نے ان باتوں سے بہت کچھ سیکھا۔ میں سمجھ گیا اللہ سبحانہ کسی کو یونہی مالدار نہیں بناتا۔ ہمارے تاجر بھائی قرآنِ مجید کی مندرجہ ذیل آیہ مجیدہ پر عمل پیرا ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔

اللہ کے باایمان بندے وہ ہیں جو راہِ خدا میں خرچ کرتے ہوئے نہ کنجوسی کرتے ہیں اور نہ فضول خرچی بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔

(سورہ فرقان آیت نمبر ۶۷)

اسی طرح بہت سی روایات بھی یہی حکم رکھتی ہیں۔

۱۔ عَنِ الْاِمامِ الصادقؑ

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں:

اِنَّ الْقَصْدَ اَمْرٌ يُحِبُّهُ اللّٰهُ

میانہ روی اللہ سبحانہ کو پسند ہے اور فضول

عَزَّوَجَلَّ وَاِنَّ السَّرَفَ يُبْغِضُهُ، حَتّٰى طَرْحِكَ النَّوَاةَ.

خرچی ناگوار اگرچہ کھجور کی گٹھلی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔

(بحار الانوار جلد نمبر۱، صہ۳۴۶)

(۱۱) قَالَ الْاِمَامُ الرِّضَاءُؑ:
ان اللہ کرہ الاسراف وکرہ الافعال

یقیناً، اللہ سبحانہٗ فضول خرچی اور بیکار کی صرفت ناپسند کرتا ہے۔

(بحار الانوار جلد نمبر۱، صہ۳۴۷)

حقیقت میں فضول خرچی ہے بھی یہی کہ انسان اپنے وسائل کو لایعنی امور پر خرچ کرے چنانچہ یہ ایک ذلیل صفت ہے جس کو اپنے آپ سے الگ کیا جانا چاہیئے۔ اس کا صرف یہی علاج ہے کہ انسان اپنے آپ کو اپنے مال کا مطلق العنان مالک تصور نہ کرے بلکہ اللہ سبحانہٗ کی امانت جانے جس کی پائی پائی کا حساب ہوگا۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا، روزِ قیامت اس کو موجود پائے گا اور جو شخص ذرہ برابر برائی کرے گا، روزِ قیامت موجود پائیگا۔

(سورہ زلزال آیت نمبر ۷-۸)

لالچ

انہوں نے فرمایا:

کافی مدت ہوئی ایک نوجوان لڑکا صبح صبح ہمارے گھر آجاتا تھوڑی دیر بیٹھتا اور خواہش کرتا کہ اسے موعظہ کیا جائے۔ میں بھی اسے کچھ احادیث و روایات سنا دیتا کہ وہ وقت نکال کر آتا

ہے کیوں محروم رہے! وہ میری باتوں کو غور سے سنتا اور جلدی اُٹھ کر چلا جاتا۔

ایک دن میں نے اُسے حضرت امام صادقؑ کی یہ حدیث سنائی :

إِنْ كَانَ الرِّزْقُ مَقْسُوماً فَالْحِرْصُ لِمَاذَا ؟! — اگر اس بات کا یقین ہے کہ رزق اللہ سُبحانہ کی طرف سے معین ہے تو پھر لالچ کیوں ؟!

(بحار الانوار جلد نمبر ۳، ص ۱۶۰)

أَغْنَى النَّاسِ مَنْ لَمْ يَكُنْ لِلْحِرْصِ أَسِيراً۔ — سب سے زیادہ بے نیاز وہ آدمی ہے جو لالچ کا اسیر نہ ہو!

(بحار الانوار جلد نمبر ۳، ص ۱۶۰)

ایک شخص نے امیرالمومنین حضرت علیؑ سے پوچھا :

أَيُّ الذُّلِّ أَذَلُّ ؟! — مولا! ذلیل ترین ذلت کونسی ہے؟!

آپؑ نے فرمایا :

اَلْحِرْصُ عَلَى الدُّنْيَا۔ — امورِ دُنیا کی لالچ!

(بحار الانوار جلد نمبر ۳، ص ۱۶۱)

اس کے بعد میں نے اس حوالے سے حضرت رسولِ اکرمؐ کا قول سنایا، يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَ يَشِبُّ مِنْهُ اِثْنَانِ : اَلْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمْرِ۔ انسان بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس میں دو امنگیں جوان ہو جاتی ہیں۔ ایک مالِ دنیا کی لالچ اور دوسری مزید عمر کی لالچ۔ جب میں نے اسے مذکورہ بالا احادیث و روایات سنائیں تو وہ کہنے لگا: مہربانی کر کے لالچ کے بارے میں مزید تشریح فرمایئے! میں نے کہا :

دنیا میں انسان کی روزی مقرر کر دی گئی ہے اور دنیا میں ایک بھی جاندار ایسا نہیں ہے جس کے وسائل دُنیا کا اللہ سُبحانہ نے ذمّہ نہ لیا ہو۔ اس بات کا ثبوت بیشمار آیات اور احادیث ہیں۔ مثال کے طور سورہ ہود آیت نمبر ۶ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا۔

یعنی زمین پر کوئی بھی جاندار ایسا نہیں ہے جس کی روزی کا ذمہ اللہ سبحانہ نے نہ لیا ہو۔ پس مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں اس پر اعتقاد کرنا چاہیئے۔ دوسری طرف جس طرح ایک مسلمان پر نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج واجب عینی ہے یعنی کوئی مسلمان کسی دوسرے زندہ مسلمان کی جگہ اعمال کو بجا نہیں لاسکتا اسی طرح کسب معاش بھی واجب ہے مگر اس سلسلے میں کسی ایک معین کام کا تعین، اس کے کرنے کی مدت وغیرہ واجب عینی نہیں بلکہ اجمالاً کام کاج اور کسبِ معاش واجب عینی ہے۔ البتہ اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اگر کسی کام کی ضرورت مسلمان معاشرے کو ہو، اس کے بغیر مسلمانوں کو نقصان ہوتا ہو تو اس کام کا کرنا مسلمانوں پر واجب عینی ہو جائے گا۔

پس ہم کسبِ معاش یا دھندا ایک شرعی ذمہ داری سمجھ کر انجام دیتے ہیں اور اللہ سبحانہ اس دھندے کے ذریعے یا کہیں اور سے ہمیں روزی عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا لالچ، جمع، جوڑ اور چھینا جھپٹی کا مفہوم نہیں رہتا ہے۔

اس موقع پر وہ جوان لڑکا بولا: جنابِ عالی لالچ کی وضاحت تو بہت ہو چکی اب فرمایئے اس روحانی مرض کا علاج کیا ہے؟ میں تو بُری طرح اس مرض سے نڈھال ہو چکا ہوں۔ ابھی چند دنوں کی بات ہے جب آپ نے مجھ سے دنیا کی مذمت کے بارے میں بات چیت کی تھی اور میں نے اپنے آپ کو خوب جھنجھوڑا تھا اور لالچ و حرص کو اپنے دل سے نکالنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا مگر شیطان نے مجھے روکا اور اس سلسلے سے مجھے غافل کر دیا۔

میں نے اس سے کہا، اس کا علاج یہ ہے کہ سب سے پہلے تیسویں پارے کی سورہ "التکاثر" زیادہ سے زیادہ پڑھا کرو اور اللہ سبحانہ سے التجا کرو کہ اس مبارک سورہ کے ذریعے تمہیں اس موذی مرض سے شفا دے۔

دوسرے یہ کہ انتیسویں پارے کی سورہ "القیامہ" کی کم از کم ہر روز ایک مرتبہ ضرور تلاوت کرو۔ اس کے معانی پر غور کرو۔ انشاء اللہ مرض سے شفا ہوگی۔ اس کے بعد میں نے اسے حضرت امام صادقؑ کا وہ ارشاد سنایا جو انہوں نے لالچ کے ماروں کے لئے فرما رکھا ہے: امامؑ فرماتے ہیں

قَالَ الصَّادِقُ: لَا تَحْرِصْ عَلٰى شَيْءٍ لَوْ تَرَكْتَهُ لَوَصَلَ اِلَيْكَ وَكُنْتَ عِنْدَ اللّٰهِ مُسْتَرِيْحاً مَحْمُوْداً بِتَرْكِهٖ وَمَذْمُوْماً بِاسْتِعْجَالِكَ فِيْ طَلَبِهٖ وَتَرْكِ التَّوَكُّلِ عَلَيْهِ وَالرِّضَاءِ بِالْقِسْمِ. فَاِنَّ الدُّنْيَا خَلَقَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى بِمَنْزِلَةِ ظِلِّكَ اِنْ طَلَبْتَهُ اَتْعَبَكَ وَلَا تَلْحَقُهُ اَبَداً وَاِنْ تَرَكْتَهُ تَبِعَكَ وَاَنْتَ مُسْتَرِيْحٌ

دُنیا کی لالچ نہ کرو۔ جب تم لالچ چھوڑ دو گے دنیا خود بخود تمہارے قدموں میں گرے گی اور ساتھ ہی تم اللہ سبحانہٗ کے ہاں ایک پسندیدہ بندے کے طور پر بھی پہچانے جاؤ گے۔ اگر اس کے برعکس تم اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ نہیں کرو گے اور دنیا کی لالچ کرو گے تو ایک تو اللہ سبحانہٗ کے ہاں قابلِ مذمت ٹھہرو گے دوسرے دنیا بھی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ نے دُنیا اور مالِ دنیا کو انسان کے سائے کی طرح خلق کیا ہے۔ اگر تم اپنے سائے کے پیچھے بھاگو گے تو وہ غائب ہو جائے گا۔ اور اگر تم اس کی طرف پیٹھ کر کے چلو گے تو خود بخود تمہارے پیچھے آئیگا۔ (بحار الانوار جلد نمبر ۷۳، صہ ۱۶۰)

اس کے بعد آپؑ نے حضرت رسول اکرمؐ کا قول سنایا۔

لالچی آدمی ہمیشہ محروم و محزون رہتا ہے، جسمانی طور پہ کمزور اور زرد رنگ رہتا ہے۔ شکل پہ مردنی اور بدصورتی سوار رہتی ہے کیونکہ وہ بابرکت اللہ سبحانہٗ پہ بھروسہ نہیں کرتا اور قرآن مجید کی مخالفت کرتا ہے جو سورہ روم آیت نمبر ۴۰ میں ارشاد فرماتا ہے: "اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ: یعنی اللہ سبحانہٗ وہ بابرکت ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ تمہیں وسیع رزق عطا فرمایا، وہی تمہیں موت دے گا اور پھر زندہ کریگا"

لالچی آدمی سات شدید امراض میں مبتلا ہوتا ہے۔

۱۔ ایسی سوچ جو اس کے جسم کو نقصان تو پہنچاتی ہے فائدہ نہیں پہنچاتی۔

۱۔ لامتناہی پریشانی جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی
۲۔ اضطراب و بیقراری جو تادم مرگ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔
۴۔ خوشی کے لمحات میں بھی تکلیف و ملال اس کے ساتھ رہتا ہے۔
۵۔ انجانا خوف جس میں بالآخر وہ گرفتار ہو کر رہتا ہے۔
۶۔ حزن و رنج اس پر سوار رہتا ہے جو اس کی تمام زندگی میں زہر گھول دیتا ہے جب کہ حسابِ آخرت اس کے علاوہ، جو عفو و درگزرِ الٰہی کے سوا عذاب ہی عذاب ہے۔
۷۔ عتاب و عذابِ آخرت کہ جس سے مفر ممکن ہی نہیں۔

للچاہٹ اور طمعِ مزید

انہوں نے فرمایا،

ایک رات کا ذکر ہے میں نے نوافلِ نمازِ شب کے بعد ایک بار آیۂ مبارکہ "نور" کی تلاوت کی اس کے مفہوم پر غور کیا کہ اللہ سبحانہٗ نے خاندانِ عصمت و طہارت علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذوات مقدسہ کا تعارف کس خوبصورت اور دلربا طریقے سے کرایا ہے۔ میں ابھی اس بحرِ فکر و تدبر میں غوطہ زن ہی تھا کہ اچانک میری آنکھوں کے سامنے سے گویا کہ ایک پردہ اٹھا دیا گیا کیا دیکھتا ہوں کہ چند لوگ مست پڑے ہیں اور کچھ لوگوں کو اذیتیں دی جا رہی ہیں جو شخص ان کو اذیتیں دینے پر مامور تھا وہ کہہ رہا تھا یہ لوگ شیطانی شراب کے نشے میں ہیں جب تک ان کو عذاب نہ دیا جائے یہ ہوش میں نہیں آتے۔

میں نے اس سے پوچھا یہ شیطانی شراب کیا ہے؟ وہ بولا شیطانی شراب للچاہٹ اور دوسروں کے مال کی طمع اور حرص ہے یعنی کسی کے مال کو للچائی نظروں سے دیکھنا اور خواہش کرنا کہ کسی طرح یہ مال اس سے چھن کر مجھے مل جائے۔

حضرت امام صادق سے ایک روایت ہے آپ نے فرمایا،

قَالَ الصَّادِقُ ع : بَلَغَنِیْ اَنَّهٗ سُئِلَ کَعْبُ الْاَحْبَارِ ، مَا الْاَصْلَحُ فِی الدِّیْنِ وَمَا الْاَفْسَدُ ؟! فَقَالَ الْاَصْلَحُ الْوَرَعُ وَالْاَفْسَدُ الطَّمَعُ ۔ فَقَالَ لَهُ السَّائِلُ صَدَقْتَ یَا کَعْبَ الْاَحْبَارِ وَالطَّمَعُ خَمْرُ الشَّیْطَانِ یَسْتَقِیْ بِیَدِهٖ لِخَوَاصِّهٖ فَمَنْ سَکَرَ مِنْهُ لَا یَصْحُوْا اِلَّا فِیْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ مُجَاوَرَةِ سَاقِیْهِ وَلَمْ یَکُنْ فِی الطَّمَعِ اِلَّا مَا شَارَاهُ الدِّیْنَ بِالدُّنْیَا کَانَ عَظِیْماً ۔ قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ " اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَی النَّارِ "

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۳ صفحہ ۱۶۹)

مجھے پتہ چلا ہے کہ کعب الاحبار سے پوچھا گیا کہ دنیا میں سب سے اچھی چیز کیا ہے اور بری چیز کیا ہے ؟ اس نے جواب دیا بہترین چیز اللہ سبحانہ کی نافرمانی اور لذت دنیا سے پرہیز ہے اور بدترین چیز طمع و لالچ ہے! سوال کرنے والے نے کہا بالکل سچ، ایسا ہی ہے۔ اس کے بعد حضرت امام صادق ع نے فرمایا، للچاہٹ اور دوسروں کے مال کی حرص شیطان کی خاص شراب ہے جو وہ اپنے مصاحبوں کو اپنے ہاتھ سے پیش کرتا ہے جس سے وہ مدہوش ہو جاتے ہیں اور اس وقت تک ہوش میں نہیں آتے جب تک ان کو اللہ سبحانہ سخت عذاب نہ کرے یا ان کو شیطان کے ساتھ دوزخ میں نہ پھینکے اگر طمع و حرص دنیا کے بدلے دین بیچنا نہ ہوتا تب بھی یہ بہت بری صفت ہوتی۔ قرآن مجید سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۷۰ میں ارشاد فرماتا ہے: " یعنی وہ لوگ ہیں جو ہدایت بیچ کر گمراہی اور بخشش و مغفرت بیچ کر عذاب خریدتے ہیں بھلا ان کو دوزخ کی آگ سے کیا چیز بچائے گی ؟!

امیرالمومنین حضرت علیؑ سے ایک روایت ہے آپؑ نے فرمایا:

قَالَ اَمِیْرُالْمُؤْمِنِیْنَؑ: تَفَضَّلْ عَلٰی مَنْ شِئْتَ فَاَنْتَ اَمِیْرُہٗ وَاسْتَغْنِ عَمَّنْ شِئْتَ فَاَنْتَ نَظِیْرُہٗ وَافْتَقِرْ اِلٰی مَنْ شِئْتَ فَاَنْتَ اَسِیْرُہٗ۔

اگر چاہتے ہو کسی کے آقا بنو تو اس پر لطف و کرم کرو، اگر چاہتے ہو کسی کے برابر ہو تو اس سے بے نیازی برتو اور اگر چاہتے ہو کسی کے قیدی بن جاؤ تو پھر اس کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ۔

لالچی اور حریص آدمی کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے مگر وہ احساس نہیں کرتا، سمجھتا نہیں، ایمان اگر موجود ہو تو آدمی کبھی کسی کے مال کی حرص نہیں کرتا۔ مومن آدمی ہمیشہ یہ کہتا ہوا سنا جائے گا کہ میں کیوں کسی کے مال پر نظر رکھوں کیونکہ میرے خالق کا خزانہ ہر قسم کے مال سے بھرا پڑا ہے اور البتہ اللہ سبحانہٗ جسے چاہتا ہے شکم سیر دیتا ہے۔

لوگوں کے پاس جو کچھ ہے وہ برائی اور کثافت سے اٹا ہوا ہے۔ ایمان آدمی کو قناعت، توکل علی اللہ، دنیاوی آرزوؤں کی کمی، اطاعتِ پروردگارِ عالم اور لوگوں سے بے نیازی کا درس دیتا ہے پس جو شخص اپنے ایمان سے ان صفات کو پیدا کرے گا ایمان بھی اس کے ساتھ ساتھ جزو لاینفک کی طرح رہے گا۔ مگر جب کوئی شخص ایسا نہ کرے تو ایمان اس کو چھوڑ دے گا اور وہ طمع و لالچ کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جائے گا۔ بحارالانوار جلد نمبر ۷۳، صہ ۱۷۱ پر حضرت امام سجادؑ سے ایک روایت ہے آپؑ نے فرمایا: رَاَیْتُ الْخَیْرَ کُلَّہٗ قَدِ اجْتَمَعَ فِیْ قَطْعِ الطَّمَعِ عَمَّا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ۔ یعنی ساری نیکی اور بھلائی صرف اس ایک بات میں ہے۔ یعنی جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے ناامید ہو کر صرف اللہ سبحانہٗ کے در سے پر اُمید رہو!

اس کتاب کے صہ ۱۷۰ پر حضرت امام صادقؑ سے ایک روایت مروی ہے۔ آپؑ نے فرمایا

مَا اَقْبَحَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ اَنْ تَكُوْنَ لَهُمْ رَغْبَةٌ تُذِلُّهُمْ. یعنی مومن کے لئے کتنی بُری بات ہے کہ کسی چیز کی طمع کریں حتی کہ اس کے ذریعہ ذلت و رسوائی خریدلیں۔

پس اگر انسان چاہے کہ وہ اللہ سبحانہ اور معصومینؑ کا تقرب حاصل کرے تو اسے لوگوں کے مال میں رغبت ترک کر دینی چاہیئے کیونکہ اس طرح انسان ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ ایمان دور ہو جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ پر بھروسہ ختم ہو جاتا ہے اور انسان ہمیشہ رنجیدہ اور پریشان رہتا ہے۔

سنگدلی

انہوں نے فرمایا:

میں نے ایک سنگدل آدمی کو دیکھا۔ اس کا حال یہ تھا کہ اگر تمام لوگوں کو اس کے سامنے سفاک ترین طریقے سے اذیت دیں تو بھی اس کے دل پر ذرا سا اثر نہ ہوگا۔ جب میں نے اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ خونخوار درندے سے زیادہ سنگدل ہے اس کے بعد ایک مدت تک میں نے اس کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔ اتفاق یہ ہوا کہ تھوڑی مدت بعد وہ ایک بااختیار عہدے پر تعینات ہوگیا۔ پس پھر کیا تھا کئی لوگوں کو اذیتناک طریقے سے قتل کیا دوسروں کو تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں قید کیا اور کئی لوگوں پر سنگین جرائم کے مقدمات قائم کئے۔

میرے اخلاقیات کے استادِ محترم نے بتایا کہ "سنگدلی" انسان کی عقل پر ایک تاریک دبیز پردہ ڈال دیتی ہے جس سے وہ شخص روحانیت کی طرف ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتا۔ بحار الانوار جلد نمبر ۷۲ ص ۲۹۸ پر امیرالمؤمنین حضرت علیؑ سے مروی ہے:

لَمَّتَانِ ، لَمَّةٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ وَلَمَّةٌ مِنَ الْمَلَكِ فَلَمَّةٌ مِّنَ الْمَلَكِ الرِّقَّةُ وَالْفَهْمُ وَلَمَّةٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ اَلسَّهْوُ وَالْقَسْوَةُ

اِنسان کے دل پر دو طرح کی واردات ہوتی ہیں۔ ایک فرشتوں کی طرف سے اور دوسری شیطان کی طرف سے، فرشتوں کی طرف سے واردات نرم دلی اور مہربانی سے متعلق ہوتی ہیں جبکہ شیطان کی طرف سے ہونے والی واردات غفلت، بھول چوک سنگدلی پیدا کرتی ہیں۔

اسی صفحہ پر یہ بھی درج ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا کہ:

اَلْقَاسِی الْقَلْبِ مِنِّی بَعِیْدٌ۔ سنگدل شخص مجھ سے دُور رہتا ہے۔

انہوں نے فرمایا: (اُستادِ محترم نے)

سنگدلی، بعض غیر انسانی افعال یا بے رحمی کرنے سے پیدا ہوتی ہے اگرچہ انسان ان اعمال پر مجبور ہی کیوں نہ ہو، مثلاً شکار کھیلنا یا قصابی کا دھندا کرنا کیونکہ ذبح یا شکار کرتے ہوئے اگرچہ انسان صرف چند لمحات کے لئے جذبۂ رحم کو نظرانداز کرتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فیصلہ کرتے ہوئے جب انسان کسی کو سزائے موت دیتا ہے یا دیگر کوئی سخت سزا دیتا ہے جس سے محکوم شخص کے ورثا پریشان ہوں تو بھی سنگدلی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان چند انسانوں کی پریشانی کو نظرانداز کرتا ہے اس طرح کے دیگر افعال اگرچہ عقلاً و شرعاً صحیح ہی کیوں نہ ہوں انسان کے اندر سنگدلی پیدا کرتے ہیں۔

چنانچہ یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ جب انسان مذکورہ بالا افعال کی طرح ایک مدت تک کام کرتا رہے تو سنگدلی رفتہ رفتہ اس کے دل میں گھر کر لیتی ہے۔ پھر جذبۂ رحم اس دل میں نہیں رہ سکتا۔ البتہ مذکورہ بالا افعال ایک خاص طریقے سے اور خاص سوچ کے تحت کئے جائیں تو پھر انسان سنگدل نہیں بنتا مثلاً اگر کسی جانور کو ذبح یا شکار کرے تو اس کی تکلیف کا احساس

کرتے ہوئے اس کو کم از کم تکلیف ہونے دے اور پھر بھی اس کی تکلیف سے خود رنجیدہ ہو جائے"
اس کی تکلیف کا جواز سامنے رکھے یعنی کہ اس ایک جانور کو اس لئے تکلیف سے دوچار کیا ہے
کہ اس سے کئی ایک انسانوں کی تکلیف کا مداوا ہو اور یہ کہ اس ایک جانور کی تکلیف ایک لمحے بھر کی ہے جبکہ
اس کے بدلے بھوکے انسانوں کی طویل اور بار بار کی تکلیف ختم کی جا رہی ہے اور یہ کہ انسان کا تحفظ تمام
جانداروں کے ذمے ہے بلکہ اللہ سُبحانہٗ نے تمام جانداروں کو انسان ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔

علی ہٰذا اس سوچ کے بعد شکار یا جانوروں کا ذبح انسان کو سنگدل نہیں بناتا۔ اس طرح قاضی
جب کسی کو سزائے موت سناتا ہے یا کسی کو سزائے قید سناتا ہے تو اس کی سوچ اس حقیقت کی آئینہ دار
ہونی چاہیئے کہ اس ایک شخص کو موت دی جا رہی ہے یا قید کیا جا رہا ہے جس سے اس ایک شخص کو
اذیت ہوگی یا اس کے ایک خاندان کو تکلیف ہوگی مگر اس کے بدلے میں کئی جانوں اور خاندانوں کو
تحفظ دیا جا رہا ہے جو اس قاتل کے رہنے سے غیر محفوظ ہو گئے تھے۔ بلکہ قاتل یا قانون کو ہاتھ میں
لینے والے کو کھلے بندوں چھوڑنے سے پورا اجتماعی اور معاشرتی نظام خطرے میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اس
ایک کو معاشرے سے ہٹانے کی ضرورت ہے۔ اس سوچ کے بعد قاضی یا حاکم بھی سنگدل نہیں
ہوں گے۔ کیونکہ اس عمل سے ایک کے بدلے بہت سوں کے لئے دل میں جذبہ ترحم پیدا ہوتا ہے
اور دل میں جذبہ رحم زیادہ گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔

پس اگر اس طرح کے شکاری، قاضی اور حاکم اگر معاشرے میں پیدا ہو جائیں تو ایک تو وہ
خود شقی القلب نہیں ہوتے بلکہ کبھی غلطی سے کسی کو نقصان بھی نہیں پہنچاتے اگر خدانخواستہ زندگی میں
کبھی ایک بار ایسا ہو بھی جائے تو غیر معمولی حد تک پریشان ہو جاتے ہیں اور اپنی غلطی کا ممکن حد تک
ازالہ کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھتے۔

انہوں نے مزید وضاحت فرمائی! یہ میری جوانی کے دنوں کی بات ہے کہ میرا ایک دوست
جنگل میں شکار کھیلنے جایا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے مجھے بھی شکار پر جانے کی دعوت دی۔ میں نے کہا
چونکہ میں ایک محترم استادِ اخلاقیات کے زیر تربیت ہوں لہٰذا ان کی اجازت کے بغیر نہیں جا سکتا۔

اس نے کہا تو ان سے اجازت لے لو، میں اپنے استادِ محترم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکار پر جانے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ شکار سے انسان سنگدل ستولی ہو جاتی ہے اور دل پر خوامخواہ ایک اور پردہ پڑ جاتا ہے۔ میں نے اپنے شکاری دوست سے استاد صاحب کی بات کہہ ڈالی۔ اس نے جواباً کہا کہ میں بھی ان باتوں کا پورا خیال رکھتا ہوں اور اندھا دھند شکار نہیں کرتا اور نہ ہی صرف برائے تفریح شکار کرتا ہوں بلکہ کسی ضرورت کے تحت ہی کرتا ہوں۔ ایک دن کا واقعہ میں تجھے سناتا ہوں کہ میں نے ایک جانور پر گولی چلائی وہ اس کے پشت میں لگی۔ وہ فوراً نہ گرا بلکہ زخمی ہونے کے باوجود بھاگتا گیا۔ اس کے جسم سے خون ٹپکتا رہا جس کی مدد سے میں بھی اس کے پیچھے پیچھے گیا۔ ایک جگہ جا کر وہ گر گیا۔ مگر ابھی اس میں جان باقی تھی۔ میں نے صرف اس خیال سے کہ اس کو تکلیف زیادہ نہ ہو فوراً چاقو نکالا اور اس کو ذبح کر دیا۔ البتہ اس کے سرہانے بیٹھ کر کافی دیر تک پریشان سوچتا رہا کہ آج اس کو میرے ہاتھوں کافی تکلیف برداشت کرنی پڑی ہے۔ معاً میری نظر پڑی وہ مادہ تھی اور اس کے پیٹ میں بچہ تھا۔ اب میری پریشانی اور بڑھ گئی کہ کیوں خواہ مخواہ میں نے دو جانوں کو نقصان پہنچایا۔ اس کے بعد میں نے شکار نہ کرنے کا پکا ارادہ کر لیا مگر کبھی کبھی شکار کرنے کی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے۔

اسی طرح میرا ایک اور دوست تھا شروع شروع میں اتنا رحم دل تھا کہ چیونٹی کو بھی تکلیف نہیں دیتا تھا۔ کئی دفعہ میں نے اسے دیکھا کہ مکھی مار دوائیاں رکھنے کے باوجود مکھیوں کو بڑی محنت سے کمرے سے باہر نکالتا رہتا تھا اور انہیں مارتا نہیں تھا۔ بعد میں عجیب انقلاب آیا وہ جج بن گیا اور کئی ایک کو پھانسی، سزائے موت یا عمر قید کی سزائیں سنانے لگا۔ وہ خود کہا کرتا تھا مجھے تو اب ہوش آیا ہے چنانچہ اگر ایک دن میں دس آدمیوں کو بھی سزائے موت سنا لوں تب بھی مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔

بہرحال ہمارا تجربہ یہی ہے کہ ہر ایک کام میں میانہ روی بہترین ہوا کرتی ہے۔ جہاں تک ہو سکے افراط و تفریط سے پرہیز کیا جائے مگر مذکورہ بالا کاموں جیسے اعمال سے بہرحال تھوڑی سی

سنگدلی پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ یہ ایک فطری عمل ہے۔ مختصر یہ کہ اگر کوئی شخص چاہے کہ روحانی کمالات حاصل کرے تو اسے چاہئیے کہ سنگدلی سے حتی الوسع بچے اگر خدانخواستہ اس کے دل میں یہ حیوانی صفت پیدا ہو ہی جائے بتوسط معصومینؑ اس کو دُور کرنی چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ جس طرح مجھے تکلیف ہوتی ہے اسی طرح دوسروں کو بھی ہوتی ہے اگر کسی مصلحت کے تحت کسی کو تکلیف دینا ہی پڑے تو کم از کم اس کے ساتھ ہمدردی ضرور ہونی چاہیئے تاکہ سنگدلی پیدا نہ ہو۔ اگر اس مقصد کیلئے انتیسویں پارہ میں سورۃ نزح کی تلاوت کی جائے تو بڑی مفید رہے گی۔

ہوسِ جنسی

انہوں نے فرمایا،

ایک نوجوان جو کئی برس تک تزکیہ نفس کے لئے کوشاں رہا ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ میں نے اپنے نفس پر تقریباً ہر طرح سے قابو پا لیا ہے اور اکثر حیوانی صفات سے اپنے نفس کو پاک کر لیا ہے مگر بڑے افسوس سے کہہ رہا ہوں کہ میں جنسی ہوا و ہوس پر قابو پانے میں ناکام رہا ہوں۔ جنسی ہوس ہمیشہ مجھے اللہ سبحانہٗ سے دُور کرنے، غافل رہنے اور گناہ کی طرف دعوت دیتی رہتی ہے۔ میں نے اس سے کہا جانتے ہو یہ خواہش تمہیں دیگر خواہشات کے مقابلے میں زیادہ پریشان کیوں کرتی ہے؟! اس نے کہا نہیں میں نہیں جانتا۔ البتہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ بتائیں ایسا کیوں ہے اور اس کا علاج کیا ہے؟ میں نے کہا، اس کی سب سے بڑی وجہ اس خواہش کے بارے میں ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ ہے! یعنی عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جنسی خواہش ایک ناروا خواہش ہے اور اس کا مکمل طور پر قلع قمع کر دینا چاہیئے حالانکہ یہ غلط بات ہے! جنسی خواہش انسان کے صحت مند ہونے کی علامت ہے بلکہ جتنی جنسی خواہش انسان میں قوی ہوگی اتنا ہی انسان صحت مند ہوگا۔ بالکل قوتِ بینائی، سماعت اور شامہ کی طرح! اگر کسی انسان کی قوتِ سماعت یا بصارت

زیادہ قوی ہو تو کیا اس کو زائل کرنا چاہیئے ؟! نہیں یہ بات اس شخص کی تکمیل وصحت کی علامت ہے
اسی لئے دین مقدس اسلام نے کہیں یہ نہیں کہا کہ جنسی خواہش کو ختم کر دینا چاہیئے بلکہ جس طرح قوتِ بصارت و ذائقہ و سماعت کے لئے احکامات جاری کئے گئے قوت یا خواہشِ جنسی کے لئے بھی یہ حکم دیا کہ اس کو بھی قانون کے تحت کام میں لانا چاہیئے۔ یعنی جس طرح قوت بصارت کے لئے حکم ہے کہ جن چیزوں کو دیکھنے سے اللہ سُبحانہٗ نے منع فرمایا ہے ان سے قوتِ بصارت کو روکنا چاہیئے، باقی چیزوں پر اس کا استعمال عین شکرِ پروردگارِ عالم ہے۔ اسی طرح جن افراد پر اللہ سبحانہٗ نے قوت یا خواہشِ جنسی کے استعمال پر پابندی لگائی ہے صرف انہی موارد میں اس کو روکنا چاہیئے،
چنانچہ اگر انسان کی نظر کسی نامحرم پر پڑ جائے تو تزکیہ نفس یا تربیت روحانی یہ نہیں ہے کہ آنکھ ہی پھوڑ دی جائے اس طرح اگر خواہشِ جنسی کسی غیر شرعی حرکت پر اکسائے تو اس کو روکا جائے اور حلال اور قانونی طریقہ تسکین جنسی کی طرف مائل کیا جائے اور اللہ سُبحانہٗ کا شکر ادا کیا جائے کہ اس نے اس شخص کو جنسی اعتبار سے صحت مند بنایا ہے۔
اس بنا پر آپ کا یہ کہنا کہ میں اپنی جنسی خواہش کو ختم کرنا چاہتا ہوں ایک غلط سوچ ہے۔ البتہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ اپنے اندر یہ ملکہ پیدا کرنے کی کوشش کریں کہ آپ کی جنسی خواہش کی لگامیں آپ کے ہاتھ میں ہوں۔ یعنی جن امور پر اللہ سُبحانہٗ نے اس قوت کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ وہاں یہ حرکت میں آئے اور دیگر موارد میں قابو میں رہے۔ بلکہ ممنوع موارد سے در واقع متنفر ہو!
میری بات سن کر وہ جوان لڑکا بول اٹھا اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اگر جنسی خواہش کو مکمل طور پر ناکارہ کرنا مقصود ہوتا تو حضرت پیغمبر اکرمؐ نہ فرماتے: مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَتَّبِعَ سُنَّتِیْ فَاِنَّ مِنْ سُنَّتِی التَّزْوِیْجَ۔ یعنی جو شخص میرا اتباع کرنا چاہتا ہے اسے نکاح کرنا چاہیئے کیونکہ یہ میری سُنّت ہے!
میں نے اس کی تائید مزید کرتے ہوئے کہا کہ دینِ مقدس اسلام نے شادی بیاہ کے حق میں

اتنے احکامات جاری کئے ان کو نقل کرنے کے لیے مستقل ایک کتاب کی ضرورت ہے۔ اس کے مقابلے میں احکامات اور سہولیات کے باوجود کنوارے رہنے والوں کے خلاف اتنی مذمت کا اظہار کیا گیا ہے کہ ان کا انکار ، در واقع ضروریات دین کا انکار ہے۔ پس خواہش جنسی کے حوالے سے اگر آپ روحانی ارتقاء یا تزکیۂ نفس چاہتے ہیں تو حلال پہ اکتفا کریں، حرام سے متنفر رہیں۔ یہ ہے جنسی تزکیۂ نفس۔ قرآن مجید کے سورہ مومنون آیت نمبر ۵ میں یہی ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝

صاحبان ایمان اور اللہ سبحانہٗ کے دوست وہ لوگ ہیں جو اپنی جنسی خواہشات پر قابو پاتے ہیں مگر اپنی بیگمات کی حد تک اس صلاحیت سے لطف اندوز ہوتے ہیں کیونکہ یہ کام کسی طرح بھی قابلِ اعتراض نہیں۔ !

استادِ محترم نے توضیح مزید کرتے ہوئے فرمایا: میرا ایک شاگرد تھا۔ بڑا محنتی اور عبادت گزار تھا مگر جنسی اعتبار سے اپنے نفس کے سامنے بے بس تھا۔ اپنی جنسی خواہش پر قابو نہیں رکھ سکتا تھا اگرچہ شادی شدہ تھا۔ مگر جنسی بے راہ روی کر جاتا تھا البتہ آیات اور احادیثِ شریفہ جو جنسی بے راہ روی کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں، ان کے بار بار مطالعے سے متاثر ہوا اور اس کیفیت سے توبہ کی اور ایک روحانی عالم کی طرح گناہ سے نفرت کرنے لگا۔

چند ایک روایات ذیلاً قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں:

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں:

مَا عُبِدَ اللّٰهُ بِشَیْءٍ اَفْضَلَ مِنْ عِفَّةِ بَطْنٍ وَّفَرْجٍ۔

یعنی اللہ سبحانہٗ کی اعلیٰ ترین عبادت یہ ہے کہ پیٹ اور شرمگاہ کی ہوس پر قابو پایا جائے

اسی کتاب کی ص ۶۹ پر انہی سے روایت نقل کی گئی ہے:

اِنَّ اَفْضَلَ الْعِبَادَةِ عِفَّةُ الْبَطْنِ وَالْفَرْجِ۔

یعنی بہترین عبادت پیٹ اور شرمگاہ کی عفت ہے

اسی حوالے کے مطابق حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا: ثَلَاثٌ اَخَافُهُنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ: اَلضَّلَالَةُ بَعْدَ الْمَعْرِفَةِ وَمُضَلَّاتُ الْفِتَنِ وَشَهْوَةُ الْبَطْنِ وَالْفَرْجِ. یعنی میں اپنے بعد اپنی امت کے بارے میں تین چیزوں کے حوالے سے پریشان ہوں:

ا۔ اسلام لانے کے بعد گمراہ نہ ہو جائیں۔

ب۔ امتحان کے موقع پر ناکام نہ ہو جائیں۔

ج۔ پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات کے حوالے سے گمراہ نہ ہو جائیں۔

اسی کتاب پر ص ۲۷۰ پر حضرت امام صادقؑ سے ایک روایت درج ہے:

بِرُّوْا اٰبَائَکُمْ یَبِرُّکُمْ اَبْنَائُکُمْ وَعِفُّوْا عَنْ نِسَاءِ النَّاسِ تُعَفُّ نِسَائُکُمْ۔

یعنی اپنے والدین سے نیکی کرو تاکہ تمہارے بچے تم سے نیکی کریں۔ دوسروں کی خواتین کو بری نگاہ سے نہ دیکھو تاکہ لوگ تمہاری خواتین کو بری نگاہ سے نہ دیکھیں"۔

اسی کتاب کے ص ۲۷۲ پر حضرت رسول اکرمؐ سے روایت ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

مَنْ ضَمِنَ لِیْ اِثْنَیْنِ ضَمِنْتُ لَهُ الْجَنَّةَ قِیْلَ مَا هُمَا فَقَالَ (ص): مَنْ ضَمِنَ لِیْ مَا بَیْنَ لِحْیَیْهِ وَمَا بَیْنَ رِجْلَیْهِ ضَمِنْتُ لَهُ الْجَنَّةَ۔

یعنی جو شخص دو چیزوں کی ضمانت دے میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں! اصحابؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ وہ دو چیزیں کیا ہیں! آپؐ نے فرمایا: جو شخص اپنی شرمگاہ اور زبان کی ضمانت دے کہ خلافِ احکاماتِ اللہ سبحانہٗ استعمال نہیں کرے گا، میں اس کو جنت کی بشارت دیتا ہوں۔

چغلخوری

انہوں نے فرمایا:

مجھے یہ عادت سی ہو گئی ہے کہ جب دوسروں کے لئے دعا کرنے لگوں جو بھی میرے ذہن میں پہلے آجائے اس کے لئے پہلے دعا کرتا ہوں اور جس کے لئے میں دعا نہ کروں دراصل مجھے الہام ہوجاتا کہ فلاں کے لئے دُعا نہ کرو۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ میں ایک شخص کے لئے دُعا کرنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ ایک دن پہلے میں نے اس سے دعا کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر نمازِ وتر میں جب میں اس کے لئے دعا کرنا چاہتا تھا گویا کہ کوئی مجھے منع کر رہا تھا کہ اس کے لئے دعا مت کرو کیونکہ اللہ سُبحانہٗ اس کو ہرگز نہیں بخشے گا! میں نے بڑی کوشش کی کہ کہیں ایک آدھ جملہ ہی اس کے حق میں میری زبان پر آجائے مگر بے سود۔ میں نے سمجھا یہ شیطانی وسوسہ ہے مگر مجھے خوب معلوم ہے کہ الہام کیا ہوتا ہے اور وسوسہ شیطانی کیا ہے۔ پس میں سمجھ گیا اس شخص نے کوئی ایسا کام ضرور کیا ہے جس سے وہ زیرِ عتاب الٰہی آگیا ہے۔ چنانچہ میں نے اس کے لئے دُعا نہ کی۔ البتہ میرے دل میں ایک گونہ خواہش پیدا ہوئی کہ معلوم تو کروں کہ میرے اس شناسا نے کونسا ایسا کام کیا ہے۔ جس سے وہ اِتنا مستوجب ناراضگیِ خداوند کریم ٹھہرا ہے کہ اس کے لئے دُعا بھی نہیں کر سکتا؟! بہرحال کئی دن اس کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا رہا۔ معمولی بات چیت میں کچھ پتہ نہ چلا زیادہ کُرید اس لئے بھی نہ کی کہ کسی کی ٹوہ لگانا بھی تو گناہ ہے۔ میرا خیال تھا کہ کسی دن خود بخود حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔

اسی دوران ایک رات پھر میں نے بارگاہ رب العزت میں التجا کی کہ اس پر رحم کیا جائے اور جو غلطی وہ کر چکا ہے اس کو معاف کر دیا جائے۔ مگر مجھے پتہ چلا کہ وہ اپنے گناہ کا بار بار اعادہ کر رہا ہے چنانچہ وہ کسی ہمدردی کا مستحق نہیں ہے! البتہ یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اس کی کسی دنیاوی حاجت

کے لئے دعا نہیں مانگ رہا تھا۔ بلکہ میرا وطیرہ ہے کہ لوگوں کے لئے اللہ سبحانہٗ کی بارگاہ میں صرف یہ عرض کرتا ہوں کہ اپنی رحمتِ خاص ان کے شاملِ حال رکھے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ ایک دن میں مجبور ہو گیا کہ خود اس سے پوچھ لوں کہ بھئی آخر تم کس بڑے گناہ میں مبتلا ہو کر اللہ سبحانہٗ کے غضب کا شکار ہو گئے ہو۔ میری بات سن کر وہ رونے لگا اور میری بات کا اس نے کافی اثر لیا گویا کہ اس کو معلوم ہو گیا کہ مجھ پر حقیقت منکشف ہو چکی ہے۔ وہ بولا، یہ حقیقت ہے کہ مجھ میں ایک بہت ہی بری شیطانی عادت ہے۔ میں نے بارہا اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش بھی کی ہے مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ میں کسی کو بتاتے ہوئے بھی شرماتا ہوں۔ پچھلے دنوں میں بارگاہِ ربِ العزت میں گڑگڑایا کہ آخر مجھے اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لئے مدد دی جائے! میرا خیال ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے میرا راز آپ کو اسی لئے بتایا ہے کہ آپ میری مدد کریں۔

میں نے ہمدردی سے پوچھا بتاؤ تو سہی وہ شیطانی عادت ہے کیا؟ تم جانتے ہی ہو کہ روحانی علاج معالجے میں میرا خاصا تجربہ ہے۔ ساری بات تشخیص کی ہے۔ جب اصل مرض کا پتہ چل جائے تو پھر علاج آسان ہو جاتا ہے۔ وہ بولا: مجھے مرض کا پتہ چل چکا ہے۔ مجھے خود خاصی پریشانی بھی ہے مگر میں نے اس سے بچنے کی بہت کوشش کی۔ مگر بے سود۔ میرا مرض "چغلخوری" ہے!

مجھے گویا کہ عشق کی حد تک شوق ہے کہ دو افراد کے درمیان فتنہ انگیزی کردوں۔

نفاق پیدا کرنا، ادھر کی بات ادھر کرنا اور لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانا میرے دل پسند مشاغل ہیں۔ میں نے کئی ایک طریقوں سے اس موذی مرض سے نجات کی کوشش کی ہے مگر بے سود! اس سلسلے میں تو یہاں تک چلا گیا کہ چند دنوں کے لئے اپنے آپ کو معاشرے سے الگ تھلگ کر لوں۔ چنانچہ ایک دو ہفتے تک میں کسی سے نہ ملا بلکہ گوشۂ تنہائی میں پڑا رہا۔ مگر بڑے افسوس کے ساتھ کہہ رہا ہوں جب میں پہلی بار دوستوں کو ملا تو پہلے ہی دن میں نے لگائی بجھائی سے دو گہرے دوستوں کو لڑا دیا۔ اسی طرح ایک دن میں نے ایک بھلے آدمی پر بھرپور تنقید کی اور اس خدا رسیدہ بزرگ پر دل کھول کر کیچڑ اچھالا حالانکہ سب ہی اس کا احترام کرتے تھے اور حسبِ ضرورت

اس سے کب فیض بھی کرتے تھے. میں نے اس پر یہاں تک الزام تراشی کی. حاضرین اس سے سخت بدظن ہوگئے اور بعد میں میرے علم میں لایا گیا کہ سب نے مل کر اس کو خوب بے عزت کیا!. اب آپ سے کیا پردہ اس وقت میرا دل یہ چاہ رہا ہے کہ آپ کے اور آپ کے فلاں دوست کے درمیاں غلط فہمیاں پیدا کردوں اور آپ کے دست و گریباں ہونے کا تماشا دیکھوں!

جب اس نے یہاں تک کہہ دیا تو واقعی ایک دفعہ میں اس سے متنفر ہوگیا. اور ڈرنے لگا کہ کہیں یہ میرے ہاں کوئی فتنہ کھڑا نہ کردے. مگر اللہ سُبحانہٗ کے ہاں پناہ لینے کا ارادہ کرکے میں نے سمجھ لیا کہ انشاءاللہ سُبحانہٗ مجھے اس کی اصلاح کے لئے تیار کیا گیا ہے!) یہ سوچ کر میں نے اُسے نصیحت کرنے کی ٹھانی. چنانچہ اس سے یوں مخاطب ہوا! جانتے ہو لگائی بجھائی کتنا بڑا گناہ ہے؟! بندۂ خدا، یہ تو اللہ سُبحانہٗ کے خلاف کھلم کھلا اعلانِ جنگ ہے! اللہ سُبحانہٗ چاہتا ہے کہ اپنے بندوں کے درمیان پیار و محبت، اتحاد و اتفاق اور مروت پیدا کرے اور تم نفاق، اختلاف اور جدائی پیدا کرنا چاہتے ہو؟! مگر کیا بھول گئے ہو کہ اللہ سُبحانہٗ کے مقابلے میں جو بھی آیا اس نے منہ کی کھائی اور موردِ عتابِ الٰہی قرار پایا! جانتے بھی ہو چغلخور اور لگائی بجھائی کرنے والے شخص کے لئے آخرت میں کتنی ذلیل، رسواکن اور اذیت ناک کیفیت و حالت ہے؟!. تو سنو!

حضرت رسولِ اکرمؐ سے ایک روایت درج ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) لَمَّا اُسْرِیَ بِیْ رَاَیْتُ امْرَءَةً رَاْسُهَا رَاْسُ خِنْزِيْرٍ وَ بَدَنُهَا بَدَنُ الْحِمَارِ وَعَلَيْهَا اَلْفُ اَلْفِ لَوْنٍ مِّنَ الْعَذَابِ فَسُئِلَ مَا كَانَ عَمَلُهَا؟ فَقَالَ (ص) اِنَّهَا كَانَتْ نَمَّامَةً كَذَّابَةً.

شبِ معراج جب میں بالائے آسمان گیا تو ایک جگہ پر ایک عورت کو عذاب ہوتے دیکھا. سر اس کا سور کا بن چکا تھا. تن گدھی کا تھا اور اس پر ہزاروں طرح کا عذاب ہو رہا تھا. پوچھا گیا کہ اس عورت کو کس جرم کی سزا کے طور پر اتنا اذیت ناک اور

رسوا کن عذاب دیا جا رہا ہے۔ جواب ملا کہ یہ عورت دنیا میں چغلخور اور لگائی بجھائی کرتی تھی"۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۵ صہ ۲۶۵)

حضرت امام صادقؑ بحوالہ رسولِ اکرمؐ فرماتے ہیں:

قَالَ الصَّادِقُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص): اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيْمٌ وَالْفَاجِرُ خِبٌّ لَئِيْمٌ وَخَيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَنْ كَانَ مَأْلَفَةً لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يُؤْلَفُ وَلَا يَأْلَفُ ثُمَّ قَالَ: شِرَارُ النَّاسِ مَنْ يُبْغِضُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَتُبْغِضُهُ قُلُوْبُهُمْ، اَلْمَشَّاؤُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ وَالْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ اَلْبَاغُوْنَ لِلْبُرَآءِ الْعَيْبَ اُولٰٓئِكَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ۔

مومن وہ ہے جو عالی ظرف اور خُلق جو ہو کم ظرف اور کمینہ آدمی فاجر ہے۔ مومنین میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں میں محبت و یگانگت پیدا کرے، اس کے مقابلے میں وہ کسی کام کا نہیں جو نہ خود اہلِ محبت و مروت ہو اور نہ ہی دوسروں میں الفت پیدا کرتا ہو اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: بدترین آدمی وہ ہے جو مومنین کا دشمن ہو اور مومنین اس کو دشمن سمجھیں، مزید براں جو لوگ تفرقہ بازی، فرقہ واریت اور مومنین کے درمیان اختلاف و نفاق پیدا کرنے کے لئے سرگرم رہتے ہیں۔ روزِ قیامت اللہ سبحانہٗ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف نظرِ رحمت ڈالے گا۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۵ صہ ۲۶۵)

حضرت امام صادقؑ سے ایک اور روایت نقل کی گئی ہے۔

قَالَ الصَّادِقُ ع: فَاِنَّ النَّمَّامَ شَاهِدُ زُوْرٍ وَشَرِيْكُ اِبْلِيْسَ فِي الْاِغْوَاءِ بَيْنَ النَّاسِ

"چغلخور جھوٹا گواہ ہے اور لوگوں میں تفرقہ ڈالنے میں ابلیس کا شریک کار ہے۔"

(بحار الانوار جلد ۷۵، صہ ۲۶۵)

امام صادق ع فرماتے ہیں:

قَالَ الصَّادِقُ ع: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَفَّاكُ الدَّمِ وَلَا مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَلَا مَشَّاءٌ بِالنَّمِيْمَةِ۔

تین صفات کے حامل اشخاص جنت میں نہیں جا سکیں گے۔

۱۔ لوگوں کا خون بہانے والا۔

۲۔ تادم مرگ شراب پینے والا۔

۳۔ لوگوں کی چغلخوری میں مصروف رہنے والا۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۵، صہ ۳۶۵)

یہ روایت شاہد ہے کہ دینِ مقدسِ اسلام چغلخور کو کن لوگوں میں شمار کرتا ہے۔

حضرت رسولِ اکرم ص نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ

یعنی لگائی بجھائی کرنے والا جنت میں نہیں جا سکے گا۔

بعض علماء کے مطابق سورہ قلم کی آیات نمبر ۱۰ تا ۱۳ میں چغلخور کو حرامزادہ بھی کہا گیا ہے:

قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ: وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ○ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيْمٍ ○ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ○ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ○

اے مسلمانو! کسی جھوٹی قسمیں کھانے والے کمینے، چغلخوری کے لئے سرگرم، نیکی کی حوصلہ شکنی کرنے والے اور حرامی کی بات نہ ماننا۔

(سورہ قلم آیات نمبر ۱۰ تا ۱۳)

زنیم اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی ماں کے شوہر کا نطفہ تو نہ ہو مگر اس سے منسوب ہو جائے یعنی چغلخور ظاہر بظاہر دوست بن کر چغلخوری کرتا ہے۔ مگر درحقیقت وہ بدترین دشمن ہوتا ہے۔

جناب شہید ثانیؒ نے غیبت کے مقالے میں چغلخوری کو بھی غیبت میں شمار کیا ہے اور اس کی تعریف کی ہے کہ نیمہ (چغلخوری) کسی کی بات کو دوسرے تک پہنچانے کو کہتے ہیں۔ اور یہ غیبت ہے اگرچہ بہ زبان، تحریر یا صرف اشارے سے ہی کیوں نہ ہو۔ مزید برآں دینِ مقدس اسلام نے چغلخور کی بات ماننے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ○

اے ایمان والو جب کوئی فاسق تمہیں کوئی بات بتائے تو بغیر تحقیق کے اس پر یقین نہ کر لیا کرو مبادا انجانے میں کسی کو نقصان پہنچا بیٹھو اور بعد میں شرمندہ ہونا پڑے۔

چونکہ چغلخور بھی فاسق ہے اس لئے کہ یہ آیہ مجیدہ اس پر بھی صادق آتی ہے۔

دینِ مقدس اسلام اپنے پیروؤں کو حکم دیتا ہے کہ جہاں کہیں چغلخور دیکھو اس کو اس بُرے کام سے روکو۔ یعنی اس موقع پر اس کو نصیحت کرو تاکہ اس پر زیادہ اثر ہو۔ اگر باز نہ آئے تو اس سے اظہارِ بیزاری کرو کیونکہ اللہ سبحانہٗ اس کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ چغلخور جس کی چغلی کھا رہا ہو اس سے ہرگز ہرگز بدظن نہ ہو کیونکہ ایک فاسق کے کہنے سے ایک مومن اپنے مومن بھائی سے بدظن نہیں ہوا کرتا۔

جب میں نے دو ٹوک الفاظ میں اس کو مذکورہ بالا مطالب بتائے تو وہ بہت متاثر ہوا حتّٰی کہ رونے لگا اور خوب رویا۔ بعد میں کہنے لگا کہ آج مجھے اپنی غلطی کا غیر معمولی احساس ہوا ہے۔ انشاء اللہ اب میں یہ بُری عادت چھوڑ دوں گا۔ وہ چلا گیا' چند دن بعد آیا اور کہنے لگا میرا حال پہلے سے بہت بہتر ہے۔ مگر مکمل طور پر ابھی بھی اس بُری عادت سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکا۔ شیطان برابر مجھے چغلی کھانے پر اکساتا رہتا ہے۔ میں نے اس سے کہا اگر چاہتے ہو کہ مکمل طور پہ اس مرض سے نجات پا جاؤ تو سنو جب تم کسی کی چغلی کھانا چاہو، جس کے پاس چغلی کھانا چاہتے ہو اس کے پاس جاؤ اور اس کی تعریفیں کرو۔ ان دونوں کے درمیان محبت بڑھاؤ۔ یعنی اگر "الف" کی چغلی "ب" کے پاس کھانا چاہتے ہو تو

"ب" کے پاس جاؤ "ا" کی تعریفیں کرو حتٰی کہ اگر "ب" خود "ا" کو بُرا بھلا کہے۔ اس سے کہو "ا" تو تمہاری بہت تعریفیں کرتا ہے۔ ایسا کہنا نہ صرف یہ کہ جھوٹ نہیں بلکہ بہت بڑی نیکی بھی ہے۔ دو مسلمان بھائیوں کے درمیان اُلفت پیدا کرنا بڑی اچھی بات ہے۔ یہ جھوٹ بولو خود بھی اس موذی مرض سے شفا پاؤ اور مسلمانوں کے درمیان اُلفت بھی بڑھاؤ۔ مزید براں ہر روز نماز فجر کے بعد سورہ قلم کی تلاوت کرو اور تلاوت کے بعد حضرت امام علی النقی الہادیؑ کے وسیلے سے بارگاہِ رب العزت میں دُعا مانگو کہ اس مرض سے تمہیں مکمل شفا دے۔ انشاء اللہ یہ مرض مکمل طور پر جاتا رہے گا۔ بحمداللہ ہمارے کہنے سے اس شخص نے یہ عمل انجام دیا اور تھوڑے ہی دنوں میں اس کا نفس بالکل صحت مند ہوگیا۔

شک مزاجی

انہوں نے فرمایا:

جن دنوں میں ابھی مدرسے کا طالب علم تھا، وہاں ایک لڑکا بہت شکی مزاج تھا۔ باقاعدہ وہ شیطان سے باتیں کرتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دن وہ ایک بیت الخلاء میں تھا۔ جس کے باہر میں کھڑا تھا۔ میں صاف سُن رہا تھا گویا کہ اندر دو آدمی باتیں کر رہے ہوں۔ برابر وہ کہے چلا جا رہا تھا "بس کافی ہے۔۔۔۔ کافی ہے۔ بس اور نہیں۔ بس بھئی میں تو پریشان ہوگیا ہوں۔" مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ شکی مزاج لڑکا ہی اندر موجود ہے۔ چنانچہ جب میں نے یہ باتیں سنیں تو سمجھا اندر کوئی دو آدمی گھسے گھسر پھسر کر رہے ہیں۔ مگر تھوڑی دیر بعد جب وہ وہاں سے نکل گیا تو میں نے اندر جھانک کر دیکھا وہاں کوئی اور نہ تھا۔ میں سمجھ گیا وہ اکیلا تھا۔ میں نے اس سے پوچھ ہی لیا، تم کس سے باتیں کر رہے تھے ؟! کہنے لگا اپنے آپ سے، اس شیطان سے جو مجھ پر سوار رہتا ہے اور مجھے احکامات دیتا رہتا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ تقریباً ایک گھنٹہ ہوگیا ہے کہ میں استنجا کر رہا ہوں پھر بھی کہتا ہے ابھی نجاست دُور نہیں ہوئی اور پانی ڈالو، میں آخر کیا کروں؟!

شروع شروع میں دل ہی دل میں وہ مجھے حکم دیتا تھا۔ میں بھی دل میں اسے جواب دے لیتا تھا مگر رفتہ رفتہ میرے دل کی بات زبان پر آگئی اور اب حال یہ ہے کہ تم نے بھی سُن لیا اور مجھ سے پوچھنے لگے کس سے باتیں کر رہا تھا؟!

میں نے اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ بھئی میں تو کئی سالوں سے ایسے آدمی کی تلاش میں تھا جو مجھے شک مزاجی کے بارے میں معلومات فراہم کرے آج تم میرے ہاتھ آگئے ہو تو میری مدد کرو! اس نے کہا ٹھیک ہے مگر یاد رکھنا اگر تم نے میرا مذاق اڑانے کے لئے یہ بات کی ہے تو تم بھی اس مرض میں مبتلا ہو سکتے ہو! میں نے کان پکڑ لئے کہ حاشا وکلا! میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں بلکہ نہ صرف میں تم سے معلومات حاصل کروں گا بلکہ حتی الوسع تمہیں اس نفسیاتی مرض سے نجات دلانے میں تعاون بھی کروں گا۔ وہ خوش ہو گیا اور کہنے لگا یہ بات ہے تو آؤ پھر اپنے کمرے میں چلیں اور کھل کر بات کریں۔

ہم کمرے میں چلے گئے۔ اس نے بڑی تفصیل سے اس مرض کی ابتداء کے بارے میں بتایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں نے ایک شکی مزاج لڑکے کا مذاق اڑایا' وہ شرمندہ ہوا مگر میں شکی مزاج ہو گیا۔ میں نے اس سے پوچھا تم صرف مسئلہ طہارت میں شکی مزاج ہو یا عبادات اور دیگر امور میں بھی شکی ہو؟ کہنے لگا شروع شروع میں تو صرف طہارت کے وقت شک کرتا تھا ہوتے ہوتے ہر کام میں کرنے لگا۔ اب تو نوبت یہاں پہنچ گئی ہے کہ اسلامی عقائد کے بارے میں بھی شکوک میں مبتلا ہو گیا ہوں! میں نے اس سے مزید وضاحت چاہتے ہوئے پوچھا کہ تمہیں شک ہونا کیسے ہے؟ یعنی جب تم نجس جگہ کو حکم شریعت کے مطابق دھو لیتے ہو تو تمہیں کیا صورتِ حال پیش آتی جو اس کو دوبارہ یا سہ بارہ دھونے بیٹھ جاتے ہو؟!

وہ کہنے لگا: میری حالت یوں ہوتی ہے جیسے ایک عام فوجی اپنے بااختیار کمانڈر کے حکم کا تابع مہمل ہوتا ہے۔ میں نا چاہتے ہوئے بھی کسی کے کہنے پر بار بار دھوتا چلا جاتا ہوں۔ میں نے مزید کریدا، بتا سکتے ہو وہ حکم چلانے والا تمہیں حکم دیتا کیسے ہے؟! وہ کہنے لگا: مجھے ایسا لگتا

ہے کہ کوئی طاقت جو مجھ سے کئی گنا زیادہ طاقتور ہے مجھے حکم دے رہی ہے۔ باقاعدہ مجھ سے الفاظ میں کہتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات جب میں اس کی بات ماننے میں کچھ دیر کرتا ہوں تو مجھے دھمکاتی ہے اور گویا کہ میں اس کی گرجدار آواز سنتا ہوں۔ اب معلوم دیتا ہے کہ کوئی طاقت میرے تمام بدن پر چھا گئی ہے اور میری مرضی کے خلاف مجھ پر حکم چلا رہی ہے۔ میں مجبور ہوں وہ جو کہتی ہے من وعن ویسے ہی کرتا ہوں۔ یہ تھا خلاصہ اس تمام بات چیت کا جو میرے اور اس کے درمیان کافی دیر جاری رہی۔

اس کے بعد میں کئی ایک شکی مزاج لوگوں سے ملا۔ ان سے ان کی کیفیت وحالت کے بارے میں پوچھا ایک بات جو تقریباً سب شکی مزاج لوگوں میں مشترک تھی۔ وہ یہ تھی کہ جب شک کی کیفیت ان پر طاری ہوتی ہے تو یوں لگتا ہے کہ دسوں آدمی وہ کام ہم سے کرانا چاہتے ہیں جو ہم نہیں کرنا چاہتے۔ چنانچہ ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ ان کی بات مانیں اور ان کے تابع مہمل بن جائیں!

اس موقع پر میں چند ایک ضروری نکات قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

۱۔ میرے استادِ محترم فرمایا کرتے تھے کہ جب انسان شیطان کو پہچان جائے تو اللہ سبحانہٗ کو پہچاننا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ جس طرح شیطان شکوک پیدا کرتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ الہام کے ذریعہ یقین و ایقان پیدا کرتا ہے۔ جس طرح شیطان انسان کے رگ و پے میں سما جاتا ہے اور انسان کو برائی کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ سبحانہٗ الہام کے ذریعے اسے بھلائی کی طرف کھینچتا ہے۔ پس جو شخص شک کی جگہ الہام و یقین کو پہچان جائے پس وہ شیطان کی جگہ "رحمٰن" کو بھی پہچان لے گا اور سو فیصد اللہ سبحانہٗ کا بندہ بن جائے گا جس سے ایک لمحہ بھر کے لئے نافرمانی نہیں ہوگی۔

۲ کبھی تو شیطان ہمارے نفسِ امارہ کے توسط سے یعنی اس کی مدد کر کے ہمیں برائی کی طرف لے جاتا ہے اور کبھی مستقیماً ہم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ علامت جو انسان کو یہ بتاتی ہے کہ فلاں کام یا تصور یا حکم شیطانی ہے یہ ہے کہ نفسِ امارہ آرام طلب ہے وہ

ہمیشہ یہی کہے گا نماز نہ پڑھو، روزہ نہ رکھو یہ کام مشکل ہے نہ کرو۔ وہ عبادت سخت ہے نہ کرو۔ شیطان ان باتوں کی تائید کر کے نفسِ امارہ کی مدد کرتا ہے اور اللہ سبحانہٗ کی اطاعت کے خلاف وسوسے ڈالتا ہے۔ یہاں پر یہ بات غور طلب ہے کہ چوں کہ نفسِ انسان بنیادی طور پر آرام طلب ہے۔ وہ کبھی بھی یہ نہیں کہے گا کہ ایک دفعہ کے بجائے دس مرتبہ استنجا کرو چار مرتبہ نماز توڑ توڑ کے پھر سے پڑھو تاکہ صحیح نماز پڑھی جائے یہ کام صرف شیطان کا ہے اور اس کے براہِ راست عامل ہونے کا ہے کیونکہ وہ ہم پر ہمارے نفس کے خلاف حکم چلا رہا ہے۔

۳ شکی مزاج لوگ شیطانی حکمرانی کو سمجھتے ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ جو طاقت ناقابلِ دید ہو اس کی اطاعت کیسے کی جاتی ہے۔

۴۔ شکی مزاج حضرات الہام اور وسوسہ کی بڑی اچھی طرح تمیز کر سکتے ہیں انہیں پتہ ہے کہ الہام وہ آواز ہے جو زبان، ہونٹ، ہوا اور کان سے استفادہ کئے بغیر ان کو سنائی جا رہی ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ الہام ہمیشہ سچا ہوا کرتا ہے اور وہ خوب جانتے ہیں اگر کوئی شخص اللہ سُبحانہٗ کے حکم کو ہی حتمی سمجھے اس کے علاوہ کسی کی بات پر کان نہ دھرے تو کس طرح ان کی طبیعت اللہ سبحانہٗ کی اطاعت پر تیار رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ سُبحانہٗ خود ان سے بات چیت تک کرنے لگتا ہے۔ یہ باتیں میں آپ کو اس لئے سنا رہا ہوں کہ خدا نہ کرے زندگی میں کبھی شک مزاجی میں آپ مبتلا ہو جائیں تو کم از کم الہام اور شکوک میں امتیاز تو کر سکیں! اور اپنا علاج کر سکیں! بہرحال میں نے اپنے اس شکی مزاج دوست کو کچھ ہدایات دیں جو ابھی میں بڑے اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے بھی پیش کرتا ہوں تاکہ آپ بھی اطاعتِ شیطان اور اطاعتِ رحمٰن میں امتیاز کر سکیں اور اپنے آپ کو گمراہ ہونے سے بچائیں!

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ چند دن آپ نے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرنا بلکہ صرف اور صرف

میری ہدایات کے مطابق عمل کرنا ہے۔ وہ بولا، آپ ابھی کہیں گے کہ ان دنوں میں شکوک و شبہات کو نزدیک نہ آنے دیا اور یہی میں نہیں کر سکتا۔ البتہ اس کے علاوہ آپ جو کہیں گے، کرنے کو تیار ہوں۔ میں نے کہا: نہیں، نہیں میں یہ ہرگز نہیں کہوں گا کیونکہ یہ تو بالکل اسی طرح ہے کہ ڈاکٹر مریض سے یہ کہے کہ مریض مت بنو! میں یہ نہیں کہونگا البتہ میں تم سے صرف یہ کہونگا کہ جو کچھ میں تمہیں کہوں تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے تم بغیر چوں وچراں اس پر عمل کرنا! وہ راضی ہوگیا۔ عملاً یہ بات ممکن بھی تھی کیونکہ ہم دونوں ایک ہی عمارت میں رہتے تھے۔ اس لئے میرے لئے اس کی نگرانی بڑی آسان تھی اور وہ میرے بتائے ہوئے پروگرام کے خلاف نہیں کر سکتا تھا۔

۲۔ میں نے کہا کہ تم اپنے دو جوڑے رکھو۔ ایک عام استعمال کے لئے جس کے لئے تم بالکل تردد میں نہ پڑو کہ پاک ہیں یا نجس ہوئے ہیں، ان کو پاک کرنا ہے نہیں کرنا ہے وغیرہ وغیرہ اور دوسرا جوڑا صرف نماز کے وقت پہنو، نماز پڑھ کر فوراً اتار دو۔ وہ مان گیا اور اس نے ایسا کیا بھی! اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر وقت اس پر جو یہ خوف طاری رہتا تھا کہ میرے کپڑے نجس ہوئے یا نہیں؟! وہ اس پریشانی سے آزاد ہوگیا۔ اس نے پاک جوڑے کو اپنی جا نماز میں ہی رکھ لیا تھا اور وقتِ نماز وہیں اسے پہنتا، نماز ادا کرتا اور نماز پڑھ کر فوراً دوسرے کپڑے پہن لیتا اور اپنی دیگر مصروفیات میں مصروف ہو جاتا۔

۳۔ جب اس طرح تقریباً دو ہفتے کا وقفہ گزر گیا تو میں نے اس سے کہا کہ تم اس عام جوڑے سے بیت الخلاء جایا کرو اور پاک و نجس کے جھنجھٹ سے بے نیاز ہو کر صرف ایک دفعہ اپنے آپ کو دھو کر کپڑے پہن لیا کرو۔ یہ بات اسے تھوڑی سی مشکل لگی اور کہنے لگا تو پھر وقت نماز کیا کروں۔ میں نے کہا اس کا حل بڑا آسان ہے کہ وقتِ نماز اپنے آپ کو دھو کر نماز والے کپڑے پہن لیا کرو۔ اس نے ایسا کرنے کا وعدہ کیا۔ تقریباً ایک ہفتے بعد اس کی حالت اتنی سنبھل گئی کہ نجاست کو اپنے بدن پر برداشت کرنا اس پر سہل ہوگیا۔

یہ اقدامات تو اس کو نجاست کے خوف سے نکالنے کے لئے کئے گئے۔ اس کے بعد اس کے ارادے کو قوت دینے کے لئے مثبت اقدامات کئے گئے یعنی اس کو سمجھایا کہ انسان کو اپنا ارادہ

قوی رکھنا چاہیئے۔ ہر کام خود سوچ سمجھ کر انجام دینا چاہیئے جس کام کو غلط سمجھتا ہے انسان اس کو نہ کرے اور جو صحیح کام ہے وہ ضرور کرے اور صرف اتنا ہی کرے جتنا صحیح ہو۔ اس کے بعد میں نے بعض روایات اُسے سنائیں جن میں شکوک و شبہات اور وسوسہ شیطانی کی مذمت کی گئی ہے۔ مثلاً

(۱) حضرت امام صادقؑ سے ایک روایت مروی ہے:

لَا یَتَمَکَّنُ الشَّیْطَانُ بِالْوَسْوَسَةِ مِنَ الْعَبْدِ إِلَّا وَقَدْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاسْتَهَانَ بِأَمْرِهٖ وَسَكَنَ إِلٰى نَهْيِهٖ۔

شیطانی وسوسہ اُس آدمی کو ورغلاتا ہے جو اللہ سُبحانہٗ کی یاد سے غافل رہے، اس کے احکامات کو اہمیت نہ دے اور منکرات پر عمل کرے۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۲، صہ ۱۲۴)

(۲) حضرت امام صادقؑ سے مروی ہے کہ آپؑ کی خدمت میں ایک آدمی کے بارے میں بات ہوئی کہ وہ شکی مزاج ہے مگر ہے بڑا عقلمند، آپؑ نے فرمایا آپ کیسی متضاد باتیں کر رہے ہیں؟! وہ کیسا عقلمند ہے کہ شیطانی وسوسوں میں آجاتا ہے"! چنانچہ میں نے اس سے کہا کہ عقل کا تقاضا ہے کہ شیطان سے باقاعدہ مقابلہ کیا جائے اور اسے باور کرایا جائے کہ تم ایک قوی ارادہ عقلمند انسان ہو اور اس کے شکوک و شبہات پر بالکل دھیان نہیں دو گے اور یہ کلمات اپنی زبان پر جاری رکھو! لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

(۳) بحار الانوار باب وسواس میں متعدد احادیث درج ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اطہار علیہم السلام سے بارہا لوگوں نے پوچھا کہ شیطانی وسوسے کا کیا علاج ہے تو معصومینؑ نے فرمایا: وسوسہ شیطانی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ البتہ انسان قوی ارادہ ہونا چاہیئے اور ارادے کو قوی کرنے کیلئے مندرجہ ذیل اذکار کا ورد ضروری ہے:

(ا) لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔

(ب) لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

(ج) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِیٌّ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

(د) اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّیْنَ

(س) لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

(س) اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْلِیْسَ عَبْدٌ مِّنْ عَبِیْدِكَ یَرَانِیْ مِنْ حَیْثُ لَا اَرَاهُ، وَاَنْتَ تَرَاهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَرَاكَ وَاَنْتَ اَقْوٰی عَلٰی اَمْرِهٖ كُلِّهٖ وَهُوَ لَا یَقْوٰی عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ اَمْرِكَ۔ اَللّٰهُمَّ فَاَنَا اَسْتَعِیْنُ بِكَ عَلَیْهِ یَا رَبِّ فَاِنِّیْ لَا طَاقَةَ لِیْ بِهٖ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ لِیْ عَلَیْهِ اِلَّا بِكَ اَللّٰهُمَّ اِنْ اَرَادَنِیْ فَارْدُدْهُ وَاِنْ كَادَنِیْ فَكِدْهُ، وَاكْفِنِیْ شَرَّهٗ وَاجْعَلْ كَیْدَهٗ فِیْ نَحْرِهٖ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّاهِرِیْنَ۔

یا اللہ! ابلیس بھی تیری مخلوق ہے۔ وہ مجھے دیکھ سکتا ہے مگر میں اسے نہیں دیکھ سکتا البتہ تو اُسے دیکھ سکتا ہے تو اس کے تمام حیلوں کو ناکارہ کرسکتا ہے جب کہ وہ تیری حکمتوں اور مصلحتوں کے سامنے بے بس ہے۔ بارالٰہا! میں اس کے خلاف تجھ سے مدد کا طالب ہوں کیونکہ مجھ میں اس کو زیر کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ میرا سہارا تو بس تُو ہی ہے۔ خدایا! بس اگر وہ مجھ پر کسی قسم کا بھی حملہ کرے تو اس حملے کا جواب تُو دینا اور مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھنا تجھے اپنی رحمت کا واسطہ۔ حضرت رسول اکرمؐ اور ان کی پاک و پاکیزہ آل پر اپنی رحمت خاص نازل فرما!"

(بحار الانوار باب وسواس)

ان روایات پر عمل کرنے کے بعد اللہ سبحانہٗ کے فضل و کرم سے ہمارا دوست اس موذی مرض سے صحت یاب ہوگیا کیونکہ وہ سمجھ گیا کہ شیطانی وساوس کی موجودگی میں نہ صرف وہ اللہ سبحانہٗ کے احکامات سے محروم رہے گا بلکہ لامتناہی کرب میں بھی مبتلا رہے گا اور مصداق

"دلے چوں بیروں شد فرشتہ در آید" اللہ سبحانہٗ سے لو لگائے گا۔

ندیدہ پن

انہوں نے فرمایا،

دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو سیر طبع ہوتے ہیں یعنی ان کی طبیعت وسائل و آسائشِ دُنیا سے گویا کہ سیر شدہ ہوتی ہے اور وہ کسی دولت و دھن کی لالچ یا حرص نہیں کرتے۔ ایسے لوگ اللہ سُبحانہٗ کو بہت پسند ہیں۔ اگرچہ ایسے لوگ کافر یا فاسق ہی کیوں نہ ہوں دیگر کفار اور فاسق لوگوں کی نسبت اللہ سُبحانہٗ کے ہاں بہتر سمجھے جاتے ہیں۔

استادِ محترم نے بتایا کہ ان کا ایک دوست بڑا ہی ندیدہ تھا۔ گویا ایک بھکاری کا مزاج رکھتا تھا ہر چند کے اس کے پاس مالِ دنیا کافی تھا مگر وہ ہمیشہ کسی سے لے کر خوش ہوتا تھا۔

جب کبھی وہ میرے پاس بیٹھتا تو صرف ان لوگوں کی تعریف کرتا جنہوں نے کسی طور بھی اُسے کبھی نوازا تھا۔ ہمیشہ اس کی نظر لوگوں کے مال پر رہتی اور اسی ٹوہ میں رہتا کہ کون اس کے لئے کیا تحفہ لے کر آیا ہے۔ غرضیکہ اس عادت نے اُسے جانوروں کی صف میں لا کھڑا کیا تھا کہ جس نے روٹی کا ٹکڑا پھینکا اُسی کے پیچھے دُم ہلاتا ہوا چلا گیا۔ یہ عادت اس کی روحانی ترقی اور نفسیاتی تزکیے کے درمیان زبردست رکاوٹ تھی۔ ایک دن میں نے اس سے صاف صاف بات کرتے ہوئے اس کی اس بد عادت کا ذکر کیا اور ندیدہ پن کی مذمت میں بعض احادیث بھی اُسے سنائیں۔ وہ متاثر ہوا اور مجھ سے کہنے لگا۔ مجھے خود اس بُری عادت کا احساس ہے مگر کیا کروں چاہتے ہوئے بھی میں اس عادت سے چھٹکارا حاصل کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ آپ ہی میری مدد کریں اور مجھے اس ذلیل کنندہ عادت سے نجات دلائیں تاکہ میں بھی خودداری اور سیر طبعی کا مالک بن سکوں! میں نے اسے مشورہ دیا کہ حضرت امام صادقؑ کے مشہور قول تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ یعنی ایک لمحے بھر کی سوچ سال

بھر کی عبادت سے کہیں بہتر ہے" اور قرآن مجید میں متعدد بار آنے والے" اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۔ یعنی صرف عقلمند افراد ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں" کے مطابق تم چوبیس گھنٹوں میں ہر روز چند منٹ کے لئے اس بارے میں غور وخوض کیا کرو۔ اللہ سبحانہٗ کا دیا تمہارے پاس سب کچھ ہے اگر یہ مال و دولت تمہارے پاس نہ بھی ہوتی تو اعلیٰ ظرفی خودداری اور سیر طبعی کا مظاہرہ کر کے لوگوں کے لئے زیادہ قابلِ احترام ہوتے اور یہ چیز اس اعلیٰ سے اعلیٰ تحفے سے کہیں بہتر ہے جو کوئی تمہیں ہدیہ کر سکتا ہے۔ علاوہ بریں جو لوگ اللہ سبحانہٗ پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ وہ اپنے دنیاوی اور دینی تمام امور میں صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ ایک اور بات سن لو کہ سکون اور اطمینان کبھی دولت سے نہیں ہوتا بلکہ سکون ہمیشہ حاصل ہوتا ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہو اس پر قناعت کرے اور لوگوں کے ساتھ خودداری سے پیش آئے۔ اس سلسلے میں کچھ احادیث مندرجہ ذیل پیشِ خدمت ہیں!

حضرت امام صادقؑ سے مروی ہے:

غِنَى النَّفْسِ أَغْنَى مِنَ الْبَحْرِ ۔ — خودداری، دولت کے سمندر سے کہیں پُرسکون ہے!

ایک روایت ہے کہ ایک دن جبرائیل امینؑ بارگاہِ رسالت مآبؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

شَرَفُ الْمُؤْمِنِ قِيَامُ اللَّيْلِ وَعِزُّهُ اِسْتِغْنَاؤُهُ عَنِ النَّاسِ ۔ — انسان کی خوبی یہ ہے کہ راتوں کو نمازیں ادا کرے اور لوگوں کے مال و دولت سے بے نیاز رہے۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۵، صہ ۱۰۹)

حضرت امام صادقؑ سے مروی ہے:

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْرُ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ ۔ — حضرت رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ بے نیازی کی اعلیٰ ترین قسم نفس کی آسائش و آرام سے بے نیازی ہے۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۵، صہ ۱۰۶)

ایک روایت ہے کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت مآبؐ میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ

مجھے ایسا عمل بتایئے کہ اللہ سبحانہ اور لوگ مجھ سے خوش رہیں. آپؐ نے فرمایا:

اَرْغَبْ فِیْمَا عِنْدَ اللّٰہِ یُحِبُّکَ اللّٰہُ وَ اَزْھَدْ فِیْمَا عِنْدَ النَّاسِ یُحِبُّکَ النَّاسُ۔

جو کچھ اللہ سبحانہ کے پاس ہے اس کے حصول کے لئے اللہ سبحانہ کے آگے دستِ سوال دراز کرو، اللہ سبحانہ تمہیں پسند کرے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے نیازی ظاہر کرو، لوگ خوش رہیں گے۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۵ ص ۱۰۶)

زیادہ مال و دولت وبالِ جان ہوا کرتی ہے۔ علی الخصوص اس شخص کے لئے جو ندیدہ اور کم ظرف ہو اکثر روایات میں آیا ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ یہ دُعا فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْ مُحَمَّدًا وَ آلَ مُحَمَّدٍ وَ مَنْ اَحَبَّ مُحَمَّدًا وَ آلَ مُحَمَّدٍ الْعَفَافَ وَالْکَفَافَ وَارْزُقْ مَنْ اَبْغَضَ مُحَمَّدًا وَ آلَ مُحَمَّدٍ الْمَالَ وَالْوَلَدَ۔

بارالہا! حضرت محمدؐ و آل محمدؑ اور ان سے محبت کرنے والوں کو عفت اور ضرورت کے بقدر مال عطا فرما اور جو لوگ ان سے دشمنی رکھیں ان کو مال و دولت اور کثرتِ اولاد دے دے۔

(بحار الانوار باب کفاف)

حضرت امام علی سجادؑ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت رسولِ اکرمؐ ایک شتربان کے پاس سے گزرے، آپؐ نے کسی کو بھیجا کہ اس سے دُودھ لے آئے۔ شتربان نے جواب دیا کہ صبح جو دُودھ میں نے دوھیا تھا خرچ کر چکا ہوں اور اونٹنیوں کے تھنوں میں جو دودھ ہے وہ میں نے رات کے لئے رکھا ہوا ہے۔ آپؐ نے اس کے لئے دعا کی کہ اللہ سبحانہ اس کے مال اور اولاد میں اضافہ فرمائے۔ اس کے بعد آپؐ کا گزر ایک گلہ بان کے پاس سے ہوا۔ آپؐ نے کسی کو بھیجا کہ وہ دودھ لے آئے۔ گلہ بان نے آپؐ کا بھیجا ہوا برتن لبالب بھر دیا۔ اور ایک موٹی تازہ بھیڑ بھی ساتھ میں کر دی کہ اگر مزید

دودھ کی ضرورت ہو تو آپؐ دوھ سکیں۔ آپؐ نے اس کے لئے دُعا فرمائی کہ اللہ سبحانہٗ اس کو بقدرِ ضرورت مال عطا فرمائے! ایک صحابی نے عرض کیا؛ یا رسول اللہؐ یہ کیا بات ہوئی کہ شتربان نے آپؐ کو دودھ بھی نہیں دیا اور آپؐ نے اس کے لئے کثرتِ مال و اولاد کی دعا فرمائی اور ہم سب یہی چاہتے ہیں کہ مال و اولاد زیادہ ہو اور گلہ بان بیچارے نے آپؐ کے حکم سے زیادہ دودھ بھیجا۔ ایک بھیڑ بھی ہدیہ کی۔ مگر آپؐ نے دعا فرمائی کہ اس کو بقدرِ ضرورت مال ملے۔ جبکہ ہم سب اپنی ضرورت سے زیادہ رزق چاہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: دوستو! وہ رزق جو ضرورت کے مطابق ہو اس رزقِ وسیع سے کہیں بہتر ہے جو مصیبت کا باعث بنے۔!

اس کے بعد دعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْ مُحَمَّدً اَوْ آلَ مُحَمَّدٍ نِ الْکِفَافَ۔ یعنی بارِ الٰہا! حضرت محمد و آلِ محمدؐ کو بقدرِ ضرورت رزق عطا فرما!!

جب میں نے مذکورہ بالا احادیث اپنے اس دوست کو سنائیں پہلے تو وہ بہت پریشان ہوا کیونکہ اس کے لئے اپنی عادت کو ترک کرنا سخت مشکل تھا۔ مگر اس کو احساس ہوگیا تھا کہ ندیدہ پن کس قدر گھٹیا اور ناپسندیدہ عادت ہے چنانچہ اس نے اس سے پیچھا چھڑانے کا تہیہ کرلیا۔ اس نے عہد کیا کہ لوگوں کے مال و دولت کو کبھی خاطر میں نہیں لائے گا۔ اگر کوئی اسے تحفہ پیش کرے گا تو وہ بھی جواباً تحفہ ضرور دے گا، صدقہ بھی باقاعدہ دیا کرے گا کہ خُدا نے اُسے نعمتوں سے نوازا ہے اور ہمیشہ مالی لحاظ سے اپنے سے کمتر پر نظر رکھے گا۔ بحمداللہ اس نے اپنے عہد کو نبھایا اور تھوڑے ہی دنوں میں اس کے مزاج میں تبدیلی رونما ہونے لگی اور اس کے ندیدہ پن کی بد عادت سیر طبعی اور خوداری سے بدل گئی۔

جذبہ انتقام

انہوں نے فرمایا؛

میرے ملنے والوں میں ایک صاحب بڑی سیاسی شخصیت کے مالک تھے۔ ایک زمانہ ان کو اپنے سیاسی مخالفین کی سختیاں برداشت کرنا پڑیں۔ قید و بند مشقت، کوڑے اور طرح طرح کی اذیتیں ان کو دی

گئیں۔ اتفاق سے حالات بدلے اور وہ اقتدار میں آگئے۔ ایک دن میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اب میرے پاس طاقت ہے اور میں اپنے مخالفین سے انتقام لے سکتا ہوں۔ یہ بتائیے میں کیسے انتقام لوں؟!

میں نے ان سے کہا کہ بھئی آپ مسلمان ہیں، بہتر ہے حضرت رسولِ اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ کی پیروی کی جائے اور وہ یہ ہے کہ آپ کے دشمنوں نے آپؐ کو ناقابلِ برداشت اذیتیں دی تھیں پھر بھی جب اقتدار میں آئے تو آپؐ نے سب کو معاف فرما دیا کیونکہ اللہ سبحانہ انتقام لینے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ خود بھی معاف کر دیتا ہے۔ اس لئے معاف کر دینے والوں کو پسند کرتا ہے۔ کہنے لگے اجمالی طور پر تو میں جانتا ہوں کہ حضور اکرمؐ نے اپنے دشمنوں کو معاف فرما دیا تھا۔ مگر آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ ذرا تفصیل سے حضرت کے چند واقعات مجھے سنائیں۔

میں نے روزِ فتحِ مکہ کی روداد سنانا شروع کی ، جس دن اللہ سبحانہ نے حضرت رسولِ اکرمؐ کو مشرکینِ مکہ پر فتح عطا فرمائی سب سے پہلے آپؐ کی خدمت میں آپ کے بدترین دشمن ابوسفیان کو لایا گیا۔ حضرت رسولِ اکرمؐ کے چچا حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب میں ابوسفیان کو لے کر بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے ماضی کی تمام تلخیاں بھلا کر صرف اتنا ارشاد فرمایا : ابوسفیان ! کیا اب بھی اللہ سبحانہ کی واحدانیت کی گواہی نہیں دوگے ؟ ! ابوسفیان کہنے لگا۔ آپؐ کتنے رحمدل اور مہربان ہیں کہ مجھ سے نرمی سے پیش آرہے ہیں۔ اگر اللہ سبحانہ کے علاوہ کوئی اور خدا ہوتا تو بدر و اُحد کے دن ہماری مدد ضرور کرتا۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا ، ابوسفیان کیا اب میری نبوت پر ایمان لاؤ گے ؟ ! ابوسفیان بولا ، ابھی مجھے اس میں شک ہے ! اس وقت حضرت عباسؓ نے اس کو سمجھایا کہ ایسی بات نہ کرو ورنہ مسلمان تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس پر اس نے حضور اکرمؐ کی نبوت و رسالت کا اقرار کر لیا۔ آپؐ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ اسے لیجائیے اور مکہ سے باہر کسی جگہ نظر بند کر دیجئے تاکہ کوئی مسلمان جذبات میں آکر اسے قتل نہ کر دے ، کیونکہ مسلمانوں کو اس کی اسلام دشمن کارستانیوں کی پوری خبر تھی۔

حضرت عباسؓ اسے ایک طرف لے گئے۔ اس کے بعد لشکرِ اسلام آہستہ آہستہ مکہ میں داخل ہوا۔ جب کوئی دستہ گزرتا ابوسفیان حضرت عباسؓ سے پوچھتا کہ یہ کونسا قبیلہ ہے؟! حضرت عباس اسے بتاتے کہ فلاں ہے۔ حتیٰ کہ رسولِ خداؐ تشریف لائے۔ حضور اکرمؐ کی شان قابلِ دید تھی۔ مجاہدین مہاجر و انصار نے آپؐ کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ تمام کے تمام مجاہدین اسلحے سے لیس تھے۔ ابوسفیان بڑی حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس سے نہ رہا گیا۔ آخر بولا! اے ابوالفضل! تمہارے بھتیجے نے تو بادشاہت حاصل کرلی ہے! آپ نے جھڑکا، بادشاہت نہیں بلکہ یہ نبوت و رسالت کی برکت ہے!

ابوسفیان بولا چلو یونہی سہی!

اس وقت حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا، حضرت رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور آپؐ کی باقاعدہ بیعت کی۔ آپؐ نے ان سے فرمایا، اب تم لوگ آگے آگے جاؤ اور قریش کو اسلام کی دعوت دو۔ اور یہ کہہ دو کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر یا حکیم بن حزام کے گھر پناہ لے گا وہ امان میں ہوگا۔

جب آپؐ اپنے لشکر سمیت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو جناب سعد بن عبادہؓ نے جوش میں آکر باآوازِ بلند یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا:

اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَة　　　اَلْيَوْمُ تُسْبِي الْحُرْمَة

"آج انتقام لیا جائے گا اور عورتوں کو لونڈی بنایا جائے گا۔" یہ سن کر ابوسفیان بھاگتا ہوا حضرت رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں آیا۔ مؤدبانہ سلام عرض کیا اور کہا، حضورؐ! آپ نے سنا سعد بن عبادہؓ کیا کہہ رہا ہے؟! عین اس وقت سعد بن عبادہؓ کی نظر ابوسفیان پر پڑی تو وہ اور جذباتی ہوگیا اور زیادہ آواز میں کہنے لگا! ابوسفیان! آج تیری سرداری خاک میں مل گئی، اللہ سبحانہ نے قریش کو ذلیل کر دیا۔ آج ہم تم سے انتقام لیں گے۔ ابوسفیان ڈر گیا اور فریاد کرنے لگا۔ حضور! کیا اب مدینے والے آپؐ کے رشتہ داروں کو قتل کریں گے!؟ حضورِ اکرمؐ نے اس کو تسلی دی اور امیرالمومنین حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ سعد بن عبادہؓ سے علم لے لیں اور اس کو سمجھائیں! اس کے بعد ابوسفیان کی طرف رُخِ انور کر کے ارشاد فرمایا: اَلْيَوْمُ يَوْمُ

الرحمۃ یعنی آج مہربانی اور رحم کرنے کا دن ہے اور آج اللہ سُبحانہٗ نے قریش کو صاحب عزت و وقار قرار دیا ہے۔

میرے دوست! کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت رسولِ اکرمؐ کی امتیازی شان کیا ہے؟! وہ یہ ہے کہ آپؐ کی قوم نے آپؐ کو کتنی اذیتیں اور تکلیفیں دیں مگر کبھی آپؐ نے ان کی بدخواہی نہ فرمائی خود اللہ سُبحانہٗ گواہی دیتا ہے کہ حضورِ انور کو لوگوں کی پریشانی گوارا نہیں تھی وہ عوام سے محبت فرماتے تھے۔ آپؐ نے ان کی تمام تر ہٹ دھرمی کے باوجود ان کی ہدایت کے لئے اتنی تکلیفیں اُٹھائیں کہ خود اللہ سُبحانہٗ سُورہ طٰہٰ دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے: طٰهٰ ۚ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰىٓ یعنی اے طٰہٰ! ہم نے تم پر قرآن مجید اس لئے نازل نہیں کیا کہ امت کے لئے ہلکان ہو جاؤ!

فتح مکہ کے بعد جب آپؐ مکہ تشریف لائے تو آپؐ نے تمام مشرکین کے اسلام لانے کو قبول فرمایا سوائے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے بھائی عبداللہ بن ابی امیہ کے کیونکہ اس نے ہجرت سے قبل حضورؐ کی شان میں بڑی گستاخیاں کی تھیں۔ بہرحال وہ اپنی بہن ام المومنین جناب ام سلمیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بارگاہِ رسالت مآبؐ میں اپنے لئے سفارش کی گزارش کی۔ آپؓ نے کہا ٹھہرو! ابھی سرکارِ دوجہاں تشریف لاتے ہیں تو میں عرض کروں گی۔ آپؐ تشریف لائے۔ جناب ام سلمہؓ نے بھائی کی طرف سے معذرت کی اور آئندہ کے لئے اس سے بھلائی کی توقع کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ سرکارِ کائناتؐ نے اپنی زوجہ کی سفارش قبول فرماتے ہوئے عبداللہ بن ابی امیہ کے اسلام لانے کو بھی قبول فرمالیا۔

- پس اے دوست! تم بھی اپنے دشمنوں کو معاف کردو تاکہ ان کی دشمنی دوستی میں بدل جائے۔
- ان کو معاف کردو تاکہ ان کو اپنی برائیوں کا احساس ہو!
- ان کو معاف کرو تاکہ ان کے رویے اور تمہارے رویے میں فرق نمایا ہو!
- ان کو معاف کر اور اللہ سُبحانہٗ کی صفات میں کی ایک صفت کے حامل بن جاؤ!
- ان کو معاف کردو تاکہ تم پر انتقام جوئی کا الزام نہ لگا سکیں۔
- ان کو معاف کردو تاکہ روزِ قیامت اللہ سبحانہٗ تمہیں معاف فرمائے۔

بہرحال میرے اس دوست نے میری گزارشات پر عمل کیا اور بحمد اللہ نوے فیصد دشمن اس کے دوست بن گئے اور اتنے قریب آگئے کہ اس پر اپنی جان چھڑکنے لگے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی زندگی اس کی دین ہے۔ اب تک انہوں نے دشمنی کی تلخی چکھی تھی اور دوستی و محبت کی مٹھاس سے ناآشنا رہے تھے۔

بے صبری

انہوں نے فرمایا:

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں نجف اشرف اور کربلا معلیٰ میں شہنشاہِ ولایت حضرت امیرالمومنینؑ اور سالارِ شہیداں حضرت امام حسینؑ کے مقدس حرم میں روحانی کمالات کے اکتساب کے لئے برابر حاضری دیا کرتا تھا۔ وہاں میں ایک نوجوان کو اکثر دیکھتا جو کبھی حرمِ مبارکِ امام المتقینؑ اور کبھی حرمِ حضرت سید الشہداؑ میں مصروفِ گریہ ہوتا۔ وہ اتنا گریہ کرتا تھا کہ مجھے شک ہونے لگتا کہ کہیں یہ جوان جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے اس کی عمر کوئی پندرہ سولہ سال کے لگ بھگ ہوگی۔ اس کمسنی میں بھی وہ بہت عبادت گزار اور آخرت کے لئے سنجیدہ دکھائی دیتا تھا۔ میں نے اسے کبھی لایعنی بات چیت کرتے یا کوئی فضول حرکت کرتے نہیں دیکھا تھا بلکہ ہمیشہ دعا، گریہ زاری اور عبادت و زیارت میں وقت گزارتا تھا۔

ایک دن میں بارگاہ شاہِ ولایت حضرت امیرالمومنینؑ میں بیٹھا تھا۔ وہی لڑکا میرے پہلو میں بیٹھا ہوا شدید گریہ کر رہا تھا۔ اچانک اس پر غش طاری ہوا میں نے گھبرا کر اس کا سر اپنی آغوش میں لے لیا اس کے آنسو پونچھے اور ہاتھ پاؤں پر مالش کی۔ خیر وہ تھوڑی ہی دیر میں ہوش میں آگیا۔ جب اُسے پتہ چلا کہ میں نے اس کے ساتھ ہمدردی کی ہے۔ اس نے میرا بہت شکریہ ادا کیا اور اپنی بے حالی پر مجھ سے معذرت کی۔ میں نے اس کی ہمت بندھائی۔ البتہ اس سے پوچھا برخوردار تم کافی بیقرار دکھائی دیتے ہو کیا بات ہے؟ کیوں اتنا روتے ہو؟! اور بعض اوقات میں نے دورانِ دُعا تمہیں اللہ سُبحانہٗ سے گلہ شکوہ کرتے بھی سنا ہے تم اللہ سُبحانہٗ سے کیا چاہتے ہو جو تمہیں نہیں مل رہا اور تم گلے شکووں پر اتر آئے ہو! کہنے لگا: ایک

دن میں حضرت بقیۃ اللہ الاعظمٰی امام زمانہ کی دُعائے فرج پڑھ رہا تھا کہ دل میں ان کے عشق و محبت کا عجیب جذبہ پیدا ہوا اور میں ان سے ملنے کے لئے بیتاب ہوگیا۔ بس اب یہی چاہتا ہوں کہ ان کی زیارت سے مشرف ہوں اور ہمیشہ اُن کے قدموں میں رہوں!

میں نے اس سے کہا کہ اگر تم یہ مسئلہ حل کرنا چاہتے ہو تو میں ایک طریقہ بتاؤں! وہ نہایت بے صبری سے بولا: فرمائیے: میں نے کہا: پہلے تم بے صبری اور عجلت کی کیفیت پر قابو پاؤ پھر میرے نسخے پر عمل کرو تو انشاء اللہ سبحانہٗ تمہیں اپنے مقصد میں کامیابی ہوگی! وہ ہمہ تن گوش ہوگیا، البتہ یہ بات میرے ذہن میں تھی کہ وہ بچہ ہے اور اس میں بزرگانہ صبر و تحمل پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور دوسری بات یہ کہ سمیت میرے یہ کسی کے بس کی بات نہیں کہ کسی کو حضرت حجۃ ابن الحسنؑ روحی و ارواح العالمین لہ الفدیٰ کی بارگاہ میں پہنچائے یا اُن کے ساتھ کر دے۔ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ اس کو اس بے صبری اور بیتابی سے نجات دلائی جائے اور اس کو ان روحانی اوصاف و کمالات کی طرف متوجہ کیا جائے جو حضرت ولی العصرؑ کی بارگاہ میں پہنچنے کے لئے ضروری ہیں۔ چنانچہ ابتدائی مطلب کے طور پر میں نے اسے باور کرایا کہ تم جانتے ہو کہ حضرت بقیۃ اللہ الاعظمٰیؑ تو زمانے کے فرمانروا ہیں۔ اللہ سبحانہٗ کی طرف سے کائنات کے حاکم ہیں۔ لہٰذا وہ ہر جگہ دستیاب ہوسکتے ہیں۔ صرف تم میں صلاحیت ہونی چاہیئے کہ جب کبھی وہ تمہارے آس پاس تشریف رکھتے ہوں، ان کی بارگاہ سے فیض یاب ہوسکو!

بہر حال اس دن میں نے اس کو جو نسخہ بتایا اس کو کچھ سکون ہوا۔ وہ یہ تھا کہ عجلت نہ کرے صبر و تحمل سے کام لے، کوئی کام بھی ہو عجلت اس کو روبہ صلاح کے بجائے رو بزوال و نابودی کرتی ہے قرآن مجید میں صبر کرنے والوں اور حصولِ مقصد کے لئے تحمل سے تکالیف برداشت کرنے والوں کی بڑی مدح کی گئی ہے اور انہی کو مومنینِ حقیقی کہا گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ نسخہ صرف اُسی نوجوان کے لئے ضروری نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو اللہ سبحانہٗ کی راہ کا راہی ہے اُسے اس پر عمل کرنا چاہیئے! جب تک تزکیۂ نفس اور اعلیٰ انسانی کمالات کے حصول کے لئے پیش آنیوالی مشکلات کے مقابلے میں صبر و تحمل سے کام نہیں لیا جاتا کبھی سیر الی اللہ مکمل نہیں ہوتی اور نہ ہی نفسِ انسانی کو مہذب بنایا جا سکتا ہے۔

چنانچہ میں نے اس جوان کو مشورہ دیا کہ برخوردار صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو کیونکہ اس طرح انسان کفر کر بیٹھتا ہے۔ حضرت ولی العصرؑ کی زیارت کا شوق اور ان کی صحبت ایک نعمتِ عظمیٰ ہے اور اللہ سبحانہ کی طرف سے بہترین توفیق ہے جو تجھے نصیب ہے۔ کہیں جلد بازی میں اس کو گنوا نہ بیٹھنا۔ پھر میں نے اُسے بتایا کہ سورہ مبارکہ العصر کی تلاوت زیادہ سے زیادہ کیا کرے۔ انشاءاللہ .. مکمل سکون حاصل ہوگا۔

ہٹ دھرمی اور ضد

انہوں نے فرمایا

شاہی طاغوت کی حکومت کا ایک خبیث رکن جو اکثر مسلمانوں پر نت نئے ظلم کیا کرتا تھا۔ ایک دن میرے پیچھے پڑ گیا۔ مجھے تھوڑی دیر بہت تکلیف دی پھر آرام سے اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس موقع پر میں نے اس سے کہا: کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی مظلوم کی حالت زار پر آپ کو رحم آیا ہو؟! یا کسی پر ظلم کرنا آپ کو برا محسوس ہوا ہو؟! اس نے کہا: جب میں اس محکمے میں ملازم ہوا تو شروع شروع میں کسی کسی پر رحم آجاتا تھا۔ مثلاً ایک دن میں نے ایک خاتون کو قید میں ڈالا جس کے دو بچے تھے۔ ایک لڑکی جو گیارہ بارہ سال کی تھی دوسری لڑکی ابھی شیر خوار تھی۔ ایک دن بارہ سالہ لڑکی اپنی شیر خوار بہن کو لے کر آئی اور ملاقات کی اجازت مانگی۔ میں نے اجازت دے دی۔ ملاقات اس طرح ہوتی تھی کہ ملاقاتی اور قیدی کے درمیان شیشے کا دروازہ رہے۔ جونہی شیر خوار بچی کی نظر ماں پر پڑی اس نے اپنے ہونٹ اس طرح کھول دیئے جس طرح مچھلی پانی میں کھول کر سانس لیتی ہے اور یوں ماں سے دودھ مانگنے لگی۔ ماں نے اپنے پستان نکال کر اپنی طرف سے شیشے کے ساتھ لگا دیا اور بچی نے باہر سے شیشے کے ساتھ منہ لگایا اور دودھ پینے کی کوشش کرنے لگی۔ مجھے یہ دیکھ کر رحم آگیا۔ اور میں نے اس کو ایک کمرے میں ملاقات کی اجازت دے دی تاکہ ماں بچی کو دودھ پلا سکے۔ ابھی اس کو دودھ پیتے تھوڑی دیر ہی گزری ہوگی کہ افسر بالا آدھمکا اور اس نے میری اس رعایت کا سختی سے نوٹس لیا۔ میں نے بچی کی بیقراری اور ماں کی ممتا کا حال بتایا تو

وہ سخت ناراض ہوا اور اس نے کہا اگر تمہاری رحمدلی کا یہی حال رہا تو تم قیدیوں کو رہا بھی کر دیا کرو گے! میں نے سوچا بات تو ٹھیک ہے چنانچہ اس کے بعد میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ کسی پر رحم نہ کھاؤں۔ اور اب میری سخت دلی کا یہ عالم ہے کہ اگر میرے سامنے سینکڑوں آدمیوں کے ٹکڑے کر دیئے جائیں تو میرا دل متاثر نہیں ہوتا

میں نے دوسرا سوال جڑ دیا کہ آپ کو اپنے دل کی یہ کیفیت اچھی لگتی ہے یا بُری؟

اس نے بڑے فخر سے کہا کہ جو کام میرے سپرد ہے اس کی مناسبت سے تو بہت اچھی ہے۔

میں نے فوراً کہا، اگر آپ کا یہ کام نہ ہوتا تو بھی یہ کیفیت اچھی تھی؟!

کچھ سوچ کر وہ کہنے لگا، ہاں، کیونکہ اگر انسان زیادہ رحم دل بن جائے تو لوگ اس کو کمزور سمجھنے لگتے ہیں۔ میں نے ایک اور چوکا لگایا، یہ کیفیت جانوروں میں زیادہ ہوتی ہے یا انسان میں!

وہ کھسیانا ہو کر بولا، جانوروں میں! بس میرا مقصد حل ہو گیا تھا۔ میں نے بغیر توقف کے کہا کہ کیا انسان کو جانوروں کی عادات وصفات اپنانی چاہیں؟! وہ جھنجھلا کے رہ گیا۔ صرف یہ کہا کہ یہ تو مجھے پتہ نہیں البتہ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ میری یہ صفت میرے کام کے لئے بہت ضروری ہے۔ اگر میں اس صفت کا حامل نہ ہوں تو مجھے یہ کام چھوڑ دینا چاہیئے!

میں نے فوراً کہا، تو چھوڑ دیجئے نا یہ کام! کہنے لگا پھر کھاؤں کہاں سے؟! میں نے یقین سے کہا کہ اللہ سبحانہٗ آپ کی روزی آپ تک بہرحال پہنچائے گا۔ وہ کہنے لگا اگر میں اللہ سبحانہٗ کو مانتا تو ایسا کرتا ہی کیوں! بہرحال بڑی ڈھٹائی سے اس نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ ظلم بری چیز ہے اور اسے ظالم نہیں بننا چاہیئے! اب یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ ہٹ دھرمی اور حقائق کا انکار ایک دبیز اور تاریک پردہ ہے جو اگر انسان کے دل پر پڑ جائے تو اس کی ہدایت کی امید ختم ہو جاتی ہے۔

جو شخص ظلم کی برائی کا انکار کرے، اللہ سبحانہٗ کے وجودِ مقدس کا انکار کرے۔ وہ کیسے جانوروں کی سطح سے اونچا ہو کر انسانی صفت میں شامل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے ان لوگوں کے قابلِ ہدایت ہونے کی صریحاً نفی فرمائی ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ آیت نمبر ۴ میں ارشاد ہوتا ہے، ان الذین

.... لایومنون ۔ (اے حبیب) یہ منکر لوگ اس حد تک گر چکے ہیں کہ آپ ان کو تبلیغ کریں یا نہ کریں یہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔

چنانچہ یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ کفر، ہٹ دھرمی اور حقائق سے غفلت اس قدر بری چیز ہے کہ اگر انسان اس کا شکار ہو جائے تو منزلِ کمال کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔ یہ کیفیت انسان کو جہلِ مرکب کی انتہائی گہرائیوں میں پھینک دیتی ہے۔ جہاں سے وہ کبھی نکل نہیں سکتا اور وہیں ہلاک ہو جاتا ہے۔

ایسے میں اگر چاہتے ہو کہ روحانی کمالات سے بہرہ ور ہو اور انسانیت کی حدود میں داخل ہو تو حقائق سے غفلت اور ہٹ دھرمی سے بچو۔ دن بھر جو لوگوں کی باتیں سنتے ہو ان پر عمل کرنے کے سلسلے میں قرآن مجید کی ہدایات پر عمل کرو۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

میرے ان بندوں کو مبارکباد کا مژدہ سنا دیں جو باتیں تو سب کی سنتے ہیں مگر عمل صرف ان باتوں پر کرتے ہیں جو بہترین ہوتی ہیں۔ یہی لوگ عقلمند اور راہِ کمال و ارتقاء کے راہی ہیں۔

(سورہ زمر آیت نمبر ۱۸)

چنانچہ قرآن کی ہدایات کے مطابق عقل مند وہ شخص ہوتا ہے جو کسی بات کو انا کا مسئلہ نہ بنائے ہٹ دھرمی سے کام نہ لے بلکہ اچھی بات کو خود اپنا لے!

پس نتیجہ یہ نکلا کہ ہٹ دھرم اور خود سر لوگوں کا پہلا علاج یہ ہوا کہ وہ ہر بات کا تجزیہ کیا کریں اگر عقلاً اور شرعاً قابلِ قبول ہو تو ضرور عمل کریں ورنہ اس کو مسترد کر دیں۔ مگر افسوس کہ اکثر اوقات ایسا نہیں کیا جاتا۔

ان کا دوسرا علاج یہ ہوا کہ اپنے ضمیر کی حوصلہ افزائی کریں۔ ہر ایک کی بات سنیں چاہے کہنے والا کتنا ہی معمولی آدمی کیوں نہ ہو تاکہ اس مہلک مرض سے نجات پائیں۔

ان کا تیسرا علاج ان کے متعلقین اور دن بھر ان سے ملنے جلنے والے کر سکتے ہیں اور یہ نسخہ مذکورہ بالا

دونسخوں سے زیادہ موثر بھی ہے وہ یہ کہ جس بات پر یہ لوگ ہٹ دھرمی یا ضد کا مظاہرہ کریں وہ اس پر اصرار نہ کریں۔ متنازعہ بات کو چھوڑ دیں۔ تکرار اور لے دے نہ کریں۔ بلکہ ان سے اس طرح سلوک کریں جیسے بیماروں سے ہمدردی کے طور پر کیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ ہٹ دھرمی ضد، غرور و تکبّر سے نجات پا سکیں گے اور یہ ان کی عادت پختہ نہیں ہوگی۔

آخری بات یہ ہے کہ ایسے مریضوں کے لئے قرآن مجید کی سورہ کافرون کی تلاوت بھی ایک مجرب علاج ہے۔ اس سورہ مبارکہ کی تلاوت سے نفس سے ہٹ دھرمی اور ضد جیسی بُری عادات دُور ہوتی ہیں اور نفس مزکیٰ ہو جاتا ہے۔

جھوٹ بولنا

انہوں نے فرمایا:

ہمارے محلہ میں ایک صاحب تھے جنہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا اور یہ فطری بات ہے کہ ایسا شخص دوسروں کو بھی سچا ہی سمجھتا تھا۔ چنانچہ ان سے جو کوئی بھی بات کرتا وہ اسے سچا ہی سمجھتے۔ ایک دفعہ یوں ہوا کہ ہم ان کے اور چند دیگر اہلِ محلہ کے ساتھ زیارتِ حضرت سید الشہداءؑ کی غرض سے عازم کربلا معلیٰ ہوئے۔ جب زیارات سے مشرف ہو کر واپس ہونے لگے۔ چونکہ سب جانتے تھے کہ وہ صاحب جن کا نام مشہدی علی تھا، بہت سادہ اور سچا آدمی ہے اور ہماری ہر بات کا یقین کر لیتا ہے۔ اس سے کہنے لگے، مشہدی علی! ہم سب نے حضرت سید الشہداءؑ سے ایک سرٹیفکیٹ لے لیا ہے کہ ہم دوزخ کی آگ سے مستثنیٰ ہیں تو کیا آپ نے بھی لے لیا؟! وہ جھنجھلا کے بولے نہیں تو اور یہ کیا بات ہوئی کہ حضرت امام الشہداءؑ نے مجھ سے امتیازی سلوک کیوں کیا؟ یہ کہا اور روتے بلکتے روضۂ اقدسِ مظلوم کربلاؑ کی طرف چل پڑے۔ ہمارے ایک ساتھی نے روکنا چاہا اور حقیقت بتانا چاہی کہ کبھی کوئی سرٹیفکیٹ نہیں ملا اور یہ کہ ہم نے تو ازراہِ مذاق جھوٹ بولا ہے۔ مگر میں نے روکا کہ یا تو پہلے یہ بات نہ کرتے اب جب کر لی ہے اور وہ بڑے خلوص اور بھروسے سے حضرت امام الشہداءؑ کی خدمت میں حاضری دینے گئے ہیں تو جانے دیں شاید وہ واقعی کوئی سرٹیفکیٹ

لے ہی آئیں ۔ یونہی ہوا تھوڑی ہی دیر میں وہ آئے اور بڑے خوش خوش جھومتے ہوئے آئے میں نے آگے بڑھ کر پوچھا مشہدی علی کیا کچھ لائے ؟! وہ بولے میں بھی لے آیا ہوں مگر حضرت امامؑ نے فرمایا ہے کہ یہ سرٹیفکیٹ اپنے ساتھیوں کو مت دکھانا وہ پریشان ہوں گے !!

مشہدی علی کی راستگوئی اس قدر مستقل تھی کہ اس سبب سے ان کو معاشرے میں ایک غیر معمولی حیثیت حاصل ہو چکی تھی ۔ اس محلہ میں ایک اور شخص بالکل ان کے برعکس تھا اور پرلے درجے کا جھوٹا تھا ۔ وہ ہمیشہ جھوٹ بکتا اور مشہدی علی کو پریشان رکھتا ۔ مگر اپنی رسواکن حرکتوں کی وجہ سے ناکام ہوتا کیونکہ کوئی شخص اس کی بات کو درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتا تھا ۔ جب کہ مشہدی علی نہایت قابل احترام صاحب ثروت ، خوش حال اور دنیا و آخرت کی نعمتوں کا حامل تھا ۔

میں نے مذکورہ بالا دو آدمیوں کے بارے میں بہت سوچ بچار کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اللہ سبحانہ خود سچا ہے اس لئے سچا مشہدی علی اس کے قریب ہے اور ہر وقت اس کی مدد سے فیض یاب ہوتا رہتا ہے ۔ اللہ سبحانہ نے اسے دنیا و آخرت کی نعمتوں سے نواز رکھا ہے اس کے مقابلے میں وہ جھوٹا آدمی اس صفت میں اللہ سبحانہ سے دور ہے ۔ چنانچہ ہر لحاظ سے اللہ سبحانہ اس سے فاصلے پر رہتا ہے اور اس کی کوئی مدد نہیں کرتا ۔ اگرچہ وہ کتنی ہوشیاری سے کیوں نہ کام لے !

انہوں نے فرمایا :

ایک دن ایک شخص میرے پاس آیا اور پوچھنے لگا ، کیا جھوٹ بولنا خود ایک برا فعل ہے یا یہ کہ چونکہ اس کے عواقب و نتائج برے ہیں اس لئے یہ فعل برا ہے ؟! میں نے جواب دیا ، جھوٹ بولنا بذات خود ایک برا فعل ہے ۔ البتہ بعض اوقات کسی مصلحت کے تحت جھوٹ بولنا جائز ہو جاتا ہے ۔ مثال کے طور پر جن مقامات پر تقیہ کرنا جائز ہے وہاں جھوٹ بھی جائز ہے ۔ وہ کہنے لگا میرا خیال یہ ہے کہ جھوٹ بولنا بذات خود کوئی برا کام نہیں چنانچہ اگر جھوٹ بولنے سے کوئی برائی جنم لے رہی ہو تو یہ برا ہے وگرنہ نہیں ۔ میں نے کہا اگر یہ بات ہو تو پھر اللہ سبحانہ اور انبیاء علیہم السلام کو جھوٹا کہا جا سکتا ہے کیونکہ بقول تمہارے کسی اچھے نتیجے کے لئے جھوٹ بولنا کوئی عیب نہیں ؟! اب وہ چونکا اور کہنے لگا نہیں نہیں ہم ان ہستیوں کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے ۔

البتہ بے تامل سچا کہہ سکتے ہیں. پس میں سمجھ گیا کہ اصولاً ذاتی طور پر جھوٹ ایک بُرا فعل ہے. البتہ کبھی مصلحتہً بولا جاسکتا ہے. یہاں پر میں نے گرہ لگائی کہ یہ بات بھی سمجھ لو کہ جہاں تک اللہ سبحانہ اور اس کے معصوم نمائندگان کا تعلق ہے وہ بطور تقیہ بھی جھوٹ نہیں بولتے کیونکہ اگر یہ ہستیاں بھی تقیہ کرنے بیٹھ جائیں' یا مصلحتوں کے لئے جھوٹ بولنے لگ جائیں تو پھر حق و باطل کی تمیز ہی اٹھ جائے! قرآن مجید کی سورہ النساء آیت نمبر ۵۹ میں ارشاد ہوتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ. کیونکہ ان کے احکامات حق و صداقت پر مبنی ہوتے ہیں. البتہ غیر معصوم حکام کے مسئلے میں یہ ہوسکتا ہے کہ بعض اوقات کسی مصلحت کی وجہ سے وہ خلافِ واقعہ بات کریں اور معاشرے میں اختلاف پیدا ہوجائے اس موقع پر اللہ سبحانہ اور حضرت رسولِ اکرم کی طرف رجوع کیا جائے اور حق ڈھونڈا جائے!

اب وہ مجھ سے پوچھنے لگا کہ اب بتایئے کہ وہ کون سے مصالح یا مواقع ہیں جہاں جھوٹ بولنا جائز ہے؟! میں نے اس کا جواب حضرت امام صادقؑ کی روایت کے ذریعہ دیا: امامؑ فرماتے ہیں:

كُلُّ كَذِبٍ مَسْئُولٌ عَنْهُ صَاحِبُهُ يَوْماً إِلَّا كَذِباً فِي ثَلَاثَةٍ: رَجُلٌ كَائِدٌ فِي حَرْبِهِ فَهُوَ مَوْضُوعٌ عَنْهُ أَوْ رَجُلٌ أَصْلَحَ بَيْنَ اثْنَيْنِ يَلْقَىٰ هٰذَا بِغَيْرِ مَا يَلْقَىٰ بِهِ هٰذَا يُرِيدُ بِذٰلِكَ الْإِصْلَاحَ مَا بَيْنَهُمَا. أَوْ رَجُلٌ وَعَدَ أَهْلَهُ شَيْئاً وَهُوَ لَا يُرِيدُ أَنْ يُتِمَّ لَهُمْ.

ہر جھوٹی سی بات پر مواخذہ ہوگا. سوائے تین مواقع کے
ا. جب کسی آدمی پر جنگ مسلط کر جائے اور جان گنوانے کا کوئی فائدہ نہ ہو اور اسی کو تقیہ کہتے ہیں.
اا. جب دو آدمیوں کے درمیان صلح کرائی جارہی ہو تو اصلاح کی خاطر غلط بات طرفین سے منسوب کی جائے.
(iii) جب کوئی آدمی اپنے گھر والوں کے دباؤ سے کوئی چیز لانے کا وعدہ کرے مگر کسی معقول وجہ سے نہ لاسکے؟!

(بحار الانوار جلد نمبر ۷۲ ص ۲۴۲)

اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ کرنا

انہوں نے فرمایا:

میں نے ایک طویل مدت ریاضت کی تاکہ نفسیاتی بیماریوں کا علاج کر سکوں اور اپنے نفس کی ان کثافتوں کو دھو ڈالوں جن کا میں نے آپ سے ذکر کیا تھا اور یوں اپنے نفس کو صاف ستھرا اور اُجلا کر لوں۔ یہ کام تو کسی حد تک ہو گیا مگر ابھی تک اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ اور ان کے احکامات کے سامنے خوشدلی سے سرِ تسلیم خم کرنے کی اعلیٰ صفات مجھ میں پیدا نہ ہو سکیں۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ ہو سکتی ہے کہ میں نے ابھی اس کے حصول کے لئے کوئی خاص محنت ہی نہیں کی تھی۔ چنانچہ میں نے پہلے "توکل" یعنی اللہ سبحانہٗ کی ذات بابرکات پر بھروسہ کرنے کی صفت کے حصول کے لئے کام شروع کیا۔ سب سے پہلے میں نے قرآن مجید کی ان آیاتِ شریفہ کا مطالعہ کیا جو توکل کے سلسلے میں نازل ہوئی ہیں۔ آخر میں ایک مسلمان تھا اور اللہ سبحانہٗ کے وعدے کو سچا جانتا تھا۔ چنانچہ محض ان آیاتِ شریفہ کے مطالعہ سے مجھ پر کافی اثر ہوا۔ ان آیاتِ شریفہ سے سب سے پہلی بات جو میری سمجھ میں آئی وہ یہ تھی کہ ہماری کفالت خود اللہ سبحانہٗ نے سنبھال رکھی ہے۔ اور متعدد آیات میں واشگاف الفاظ میں اس کا اظہار کرنے کے بعد ہمیں اپنی ذات پر بھروسہ کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ مثلاً (i) سورہ ہود آیت نمبر ۱۲۳ میں ارشاد ہوتا ہے ... فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ یعنی لوگو! اللہ سبحانہٗ کی عبادت کرو اور اس پر بھروسہ رکھو! (ii) سورہ فرقان آیت نمبر ۵۸ میں ارشاد ہوتا ہے، وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ یعنی اس زندہ جاوید پر بھروسہ رکھو جو موت و فنا سے مبرا ہے۔ (iii) سورہ شعراء آیت نمبر ۲۱۷ میں ارشاد ہوتا ہے: وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ۔ یعنی اس خدائے بزرگ و برتر پر بھروسہ کرو جو صاحبِ قدرت بھی ہے اور مہربان بھی ہے۔

واقعی ان آیاتِ شریفہ میں ایک عاجز بندے کے لئے موثق ترین بشارت ہے جو ارتقاءِ روحانی اور نفسیاتی کے لئے اسے چاہیئے! اگر آپ اس بشارت کو اچھی طرح سمجھنا چاہتے ہیں تو مندرجہ ذیل مثال کو

غور سے سنیں ! ایک رات خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ قید خانے میں پڑا ہوں، کچھ دن بعد مجھ پر فردِ جرم عائد کی جانے والی ہے۔ مجھے پورا احساس ہے کہ میں خود تن تنہا عدالت کے مسائل حل نہیں کر سکتا۔ اس لئے خلافِ معمول پریشان ہوں۔ ایسے میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس صاحب کی طرف سے ایک پیغام آتا ہے کہ "اگر تم چاہو تو میں خود تمہاری طرف سے وکیل بن کر تمہارا مقدمہ لڑ سکتا ہوں اور یقینِ کامل ہے کہ تم باعزت بری کر دیئے جاؤ گے۔" میں یہ پیغام سن کر اس قدر خوش ہوتا ہوں کہ میری آنکھ کھل جاتی ہے ! اب آپ خود غور کریں کہ اللہ سبحانہٗ جو ہر کام کرنے پر قدرتِ کاملہ رکھتا ہے، ہر چیز کا اختیار اس کے دستِ قدرت میں ہے اگر کسی محکوم مفلوک الحال کمزور اور بے بس انسان کو جو کچھ بھی کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، خود اپنی زبانِ صداقت بیان سے یقین دہانی کر دے اور دنیا کی تمام تر مصیبتوں، قبر کی پہلی شب کی ہولناکیوں اور قیامت کی اندوہناکیوں کے دوران حفاظت اور کامیابی کی ضمانت فراہم کر دے تو کتنی خوشی کی بات ہونی چاہیئے ! یہ حقیقت قرآن مجید میں مختلف انبیاء کرام ؑ کے ذریعے ہم پر واضح کی گئی ہے کہ تمام انبیاء کرام ؑ نے اللہ سبحانہٗ پر مکمل بھروسہ کیا ہے۔ جیسا کہ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۲۹ میں ہمارے پیارے نبی ؐ کے بارے میں ہے :

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

یعنی اگر (کفار و مشرکین آپ کی طرف نہیں آتے تو کہہ دیجئے کہ مجھے اس اللہ سبحانہٗ کا سہارا ہی کافی ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں صرف اور صرف اس پر بھروسہ کرتا ہوں جو عظیم عرش کا بھی رب ہے۔

حضرت نوح ؑ کا قول ہے :

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ

(اے حبیبؐ) حضرت نوح ؑ کا واقعہ ان کو سنا دیجئے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا : اگر تمہیں میرا مقام اور اللہ سبحانہٗ کے احکامات سمجھانا ناگوار ہے تو پھر اپنے تمام وسائل

ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ
اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ۝

اکٹھے کر کے میرے مقابلے میں آ جاؤ مجھے مہلت نہ دو، مگر یہ سن لو کہ میں تو صرف اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ کئے ہوا ہوں۔"

(سورہ یونس آیت نمبر ۷۱)

حضرت ہودؑ کا قول:

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا
مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا
إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

میں صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ کر رہا ہوں جس کے قبضۂ قدرت میں ہر جاندار کی جان ہے اور وہ برحق ہے۔

(سورہ ہود آیت نمبر ۵۶)

حضرت شعیبؑ کا قول:

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝

میری تمام تر توانائیاں اللہ سبحانہٗ ہی کی دین ہیں اور میں صرف اس پر بھروسہ کرتا ہوں۔

(سورہ ہود نمبر ۸۸)

حضرت یعقوبؑ کا وہ قول جس کے ذریعہ آپؑ اپنے بیٹوں کو سمجھاتے ہیں:

وَقَالَ يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ
وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ
وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ
إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ
عَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝

بچو! مصر میں تم ایک دروازے سے سب کے سب داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے جانا۔ البتہ اللہ سبحانہٗ کی رضا کے بغیر تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچا سکتا۔ وہی قادرِ مطلق ہے میں بھی صرف اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور ہر ایک کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

(سورہ یوسف آیت نمبر ۶۷)

حضرت موسیٰ کا قول ہے،

فَقَالُوا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ — ہم صرف اللہ سبحانہٗ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ اور اے اللہ ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ رکھنا!

(سورہ یونس نمبر ۸۵)

غرضیکہ ان تمام اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے بھی مندرجہ ذیل آیات کو اپنا مقصد بنالیا اور ان پر مکمل عمل کرنے کا پکا ارادہ کرلیا،

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا — ہمارا رب ہر چیز جانتا ہے اور ہم اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

(سورہ اعراف آیت نمبر ۸۹)

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ — اے اللہ ہم تم پر ہی بھروسہ کرتے ہیں تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور آخر میں ہم نے تیرے ہی پاس آنا ہیں۔

(سورہ ممتحنہ آیت نمبر ۴)

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ — (اے حبیبؐ) کہہ دیجئے کہ اللہ سبحانہٗ وہی ہے جو بڑا مہربان ہے ہم اس پر بھروسہ کرتے ہیں اور جلدی ہی ہمیں پتا چل جائے گا کہ کون گمراہ ہے۔

(سورہ ملک آیت نمبر ۲۹)

ان آیات کو میں نے پلے باندھ لیا اور ہر معاملہ میں اللہ سبحانہٗ کو اپنا پشت پناہ بنالیا۔ کیا حسنِ اتفاق ہے کہ اسی رات، نصف شب کے قریب اللہ سُبحانہٗ نے اپنی شانِ رحمانیت کا جلوہ دکھاتے ہوئے مجھ سے باقاعدہ کلام فرمایا اور مندرجہ ذیل آیات جو اللہ سبحانہٗ کی طرف سے جبرائیلِ امینؑ کے وسیلے

سے حضرت رسول اکرمؐ تک پہنچیں میرے پکے ارادے کا جواب بن کر مجھے سنائی گئیں:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ — جو بھی اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ سبحانہٗ صاحبِ قدرت اور صاحبِ حکمت ہے۔

(سورہ انفال آیت نمبر ۴۹)

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا.... — اللہ سبحانہٗ کے ہوتے ہوئے کسی غیر پر بھروسہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟!

(سورہ نساء آیت نمبر ۸۱)

مَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا — جو شخص اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اسے مایوس نہیں کرتا۔ اللہ سبحانہٗ اپنا پروگرام پورا کرکے رہتا ہے۔ البتہ اس نے ہر چیز ایک اندازے سے پیدا کی ہے۔

(سورہ طلاق نمبر ۳)

ان آیات کے پرتو میں اپنا جواب پاکر مجھے بہت حوصلہ ہوا اور میں نے ہر طرح کی پریشانی اور تفکر کو خیرباد کہہ دیا۔ اس کا ایک اضافی فائدہ یہ ہوا کہ عام طور پر تفکرات اور پریشانیوں سے جو اعصابی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں میں ان سے مکمل طور پر محفوظ رہا۔ میں آپ کو بھی یہی عرض کرونگا کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات کے مطابق اللہ سبحانہٗ پر ہی بھروسہ کریں۔

عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ. — اگر تم مسلمان ہو تو پھر صرف اللہ پر بھروسہ رکھو

(سورہ مائدہ آیت نمبر ۲۳)

فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُسْلِمِيْنَ. — اگر مومن ہو تو صرف اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ رکھو

(سورہ یونس آیت نمبر ۸۴)

وَمَا لَنَا اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ — ہم اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ کیوں نہ کریں جب کہ اس نے ہمیں ہدایت دی ہے بلکہ ہم تو اس کے

اِذْ يَتُمُوْنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔

مشن کی خاطر ہر طرح کی قربانی برداشت بھی کریں گے اور اگر بھروسہ ہی کرنا ہے تو پھر اللہ سُبحانہ پر کریں گے۔

(سورہ ابراہیمؑ آیت نمبر ۱۲)

سبحان اللہ خوشا بحالِ انسان! اس کو اور کیا چاہیئے۔ اللہ سُبحانہ جیسا طاقتور جو ہر چیز پر قادر ہو۔ اُسے پشت پناہ مل گیا۔ وہ روزی دے، مشکلات آسان کرے، دشمنوں کو دفع بھی کرے، ہدایت کرے اور دنیا و آخرت میں سر پرست بھی بن جائے۔ شفا دے، محتاجی اور مفلوک الحالی دُور کرے، ضروریات کی تمام چیزیں بھی بہم پہنچائے پس ایسی ہی ہستی پر بھروسہ کرنا چاہیئے اور ہر چیز صرف اسی سے ہی مانگنی چاہیئے!

انہوں نے فرمایا:

طالب علمی کے زمانے میں اللہ سُبحانہ پر بھروسہ کرنے کی ٹھانی اور والد صاحب کو خط لکھا جو ان دنوں کسی دوسرے شہر میں رہتے تھے، کہ آپ آئندہ مجھے کوئی رقم نہ بھیجئے گا اور نہ ہی میں مدرسے سے وظیفہ لوں گا۔ کیونکہ میں مکمل طور پر اللہ سُبحانہٗ پر توکل کا عملی مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ شاید ہر کسی کے لئے یہ اقدام صحیح نہ ہو مگر ان دنوں میری کیفیت کا یہی تقاضا تھا کہ توکل کی عملی صورت کا تجزیہ کرنے کے لئے ہر اس ذات سے قطع تعلق کرلوں جس سے مجھے کسی مفادِ دنیا کی تھوڑی سی بھی اُمید تھی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ دن جائے اور آج کا دن آئے تقریباً پینتیس سال ہونے کو آرہے ہیں ایک دن بھی مجھے کسی کے آگے دستِ احتیاج پھیلانے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور میرا ہر کام اللہ سُبحانہٗ کے فضل و کرم سے بہترین طریقے سے انجام پا رہا ہے!!

انہوں نے فرمایا:

مجھے شادی کئے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہو گا کہ معاشی بدحالی کا شکار ہو گیا۔ ابھی حوزہ علمیہ قم کی طرف سے وظیفہ بھی نہیں ملتا تھا۔ اور کوئی ذریعہ معاش بھی نہیں تھا۔ چنانچہ میں مقروض ہو گیا۔ مگر میرا سابقہ تجربہ یہی تھا کہ اللہ سُبحانہ میری ساری ضروریات کا کفیل ہے اس لئے مجھے اس قرض کی کوئی فکر نہیں تھی

حالانکہ میں نے اللہ سُبحانہٗ سے پکا وعدہ کر رکھا تھا کہ میں کسی سے قرض نہیں لوں گا، مگر میں اللہ سبحانہٗ سے غافل ہوگیا اور قرآن مجید میں سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۱۲۴ کے مطابق :

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا — جو کوئی بھی اللہ سبحانہٗ کے ذکر سے غفلت کرے گا اس کی روزی تنگ کر دی جائے گی۔

مجھے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ شاید یہ صورت مجھے نصیحت دلانے کے لئے ہو!

ایسے میں شبِ تیرہ رجب یعنی شبِ ولادت با سعادت امیر المومنین حضرت علیؑ آگئی میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ میں کچھ پریشان سا ہوگیا۔ کبھی خیال آئے کہ شاید اللہ سُبحانہٗ نے میری کفالت چھوڑ دی ہے مگر مجھے بتایا تک نہیں گیا۔ یوں یک طرفہ چُپ چاپ کفالت ترک کی جا سکتی ہے؟ کیا اس کی کفالت کی کوئی شرط تھی جسے میں نے پورا نہیں کیا تھا! خیر ابھی رات کا پہلا حصہ ہی تھا کہ میں حرم مطہرہ حضرت معصومہؑ میں حاضر ہوا۔ مقدس بی بی کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اگر اللہ سبحانہٗ کی کفالت مشروط تھی اور میں نے شرط پوری نہیں کی تو فی الحال معافی لے دیں اور نئے سرے سے مجھے شرط بتائیں تاکہ میں مقدور حد تک پوری کر کے دوبارہ کفالت کا معاہدہ کروں۔ اچانک میرے دل کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ جمالِ پُرفروغِ جناب سیدہ معصومہؑ سے مشرف ہوا۔ آپ فرما رہی تھیں! تم کس قدر بے صبرے ہو! کفالت کی کوئی سی شرط نہیں لگائی گئی۔ جاؤ! آج رات ہی رقم بھجوا دوں گی!

میں بڑے مطمئن دل سے گھر لوٹا، میرا ارادہ تھا کہ عملِ اُمِ داؤدؑ شروع کروں اور ایامِ بیض کے روزے رکھوں۔ تھوڑا سا کھانا پڑا تھا میں نے سحری کے لئے رکھ دیا اور سوگیا۔ میں اس گھر میں چند دن پہلے منتقل ہوا تھا کسی کو میرے اس نئے گھر کا پتہ نہیں تھا۔ صرف ایک طالب علم جانتا تھا جس نے سامان پہنچانے میں میری مدد کی تھی۔ خیر کوئی آدھی رات گزری ہوگی کہ میری آنکھ کھلی کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ دروازہ کھولا کیا دیکھتا ہوں کہ وہی طالب علم تہران کے ایک تاجر کو لئے دروازے پر کھڑا ہے۔ میں نے ان کو اندر بٹھایا مگر طالب علم چلا گیا اور صرف تاجر رہ گیا۔ تاجر بڑا پریشان تھا جب بھی اس کی آنکھیں میرے ساتھ چار ہوتیں، وہ بے اختیار رونے لگتا۔ اتنا رویا کہ بات بھی نہ کر سکا۔ میں نے جیسے تیسے اس

سے پوچھا کہ ابھی کھانا بھی کھایا ہے یا نہیں! کہنے لگا نہیں! میں فوراً اندر گیا جو کھانا میں نے سحری کے لیے رکھا تھا تاجر کے آگے رکھ دیا۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے میرے ہاں آنے کا سارا واقعہ یوں سنایا۔

میرا گھر تہران میں ہے میں نے آپ کو فلاں جگہ ایک تقریب میں دیکھا تھا اور ایک آدمی سے آپ کا نام پوچھ لیا تھا۔ رات میں معمول سے پہلے سو گیا تھا تاکہ صبح سحری کے لئے جلد اُٹھ سکوں اور روزہ رکھوں۔ سوئے ہوئے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت رسولِ اکرمؐ کی بارگاہ ہے آپ تشریف فرما ہیں۔ حضرت رسولِ اکرمؐ نے آپ کی طرف اشارہ کیا آپ کا نام لے کر ارشاد فرمایا کہ وہ رقم میرے اس بیٹے کو دے دیں۔ میں جاگ اُٹھا اور ارادہ کیا کہ جب کبھی قم جاؤں گا وہ رقم آپ کو دے دوں گا۔ اس کے بعد دوبارہ سو گیا مگر تھوڑی ہی دیر بعد وہی خواب دیکھا!! حیرت کی بات یہ ہے کہ اس دفعہ حضور پرنورؐ نے فرمایا "آج رات ہی قم جاؤ اور یہ رقم میرے بیٹے کو دے کر آؤ۔"

میں فوراً اٹھ بیٹھا جلدی جلدی کپڑے تبدیل کئے اپنی ذاتی گاڑی نکالی اور قم آگیا۔ مگر میں آپ کا گھر نہیں جانتا تھا اب رات کے بارہ بجے میں کس سے آپ کا پتہ پوچھتا؟ معاً مجھے خیال آیا کہ مدرسۂ حجتیہ چلتا ہوں شاید کوئی طالب علم مل جائے جس سے آپ کا پتہ چل سکے۔ بہرحال میں مدرسہ حجتیہ گیا یہی سید صاحب جو ابھی میرے ساتھ آئے تھے بیت الخلاء جانے کے لئے کمرے سے نکلے۔ میں نے ان سے آپ کا پتہ دریافت کیا۔ وہ بڑی حیرت سے بولے کہ "اس سارے مدرسے میں ان کا پتہ صرف مجھے ہی ہے" چنانچہ وہ میرے ساتھ آپ کے درِ دولت تک آئے۔ اس کے بعد برادرم تاجر نے وہ رقم نکالی اور میرے حوالے کی۔

میں نے اگلے دن سب سے پہلے قرض ادا کیا اور اس دن کی ضروریات خرید لیں۔ وہ پیسے تو ختم ہو گئے مگر میں نے قسم کھالی کہ آئندہ کبھی قرض نہیں لوں گا۔

اس کے بعد محترم استاد صاحب نے قسم کھا کر بتایا کہ وہ دن جائے اور آج کا دن آئے تقریباً تیس سال گزر گئے ہیں۔ میں اللہ سبحانہ کے بھروسے اور توکل پر زندگی گزار رہا ہوں کیا مجال کہ ایک آنے

کا بھی قرض لینے کی ضرورت پیش آئی ہو۔ لطف کی بات یہ ہے کہ روپیہ پیسہ کمانے کے لئے میں کبھی باہر بھی نہیں نکلا۔ البتہ میں نے ہمیشہ اللہ سبحانہٗ کی اطاعت اور اس کی مخلوق کی خدمت میں بڑی محنت کی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ برابر مجھے روزی بہم پہنچا رہا ہے اور میرے بھاری اخراجات کا ذمہ اٹھائے ہوئے ہے۔ یہ رقم مجھے کیسے پہنچتی ہے۔ اکثر و بیشتر ایسے ہی واقعات پیش آتے ہیں جس کی ایک جھلک مذکورہ بالا واقعہ میں آپ کو دکھا چکا ہوں۔ اب رہ گئی وہ بات کہ اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ اور توکل کا ملکہ انسان میں کیسے پیدا ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ اور اس کے سچے کلام پر اعتماد اور اعتقاد یہ ملکہ انسان میں پیدا کرتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ احزاب آیت نمبر ۳ میں ارشاد ہوتا ہے :

وَ تَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا — اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ کرو اور اس سے بڑھ کر کوئی کفیل نہیں ہے۔

انہوں نے فرمایا :

ایک صاحب جو کثیر العیال تھے کبھی کبھی میرے پاس آجاتے اور اپنی مفلوک الحالی کی بپتا سناتے میں جو بھی ان کی خدمت کر سکتا کر دیا کرتا تھا۔ وہ اکثر اپنی تنگ دستی کا رونا روتے اور کہا کرتے کہ اگر فقر و احتیاج نہ ہوتی تو میں غیر معمولی روحانی ترقی کر سکتا تھا۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہتے تھے کیونکہ وہ واقعی صاحبِ صلاحیت تھے۔ ایک دن میں نے تہیہ کر لیا کہ ان کی غربت کا پائیدار حل کرنا چاہیئے یعنی ان کے اندر ملکہ توکل پیدا کرنا چاہیئے! خیر جب وہ میرے پاس آئے تو میں نے ان کو مندرجہ ذیل آیات پڑھ کر سنائیں : (سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۵۹)

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ ○ — جب آپ کسی کام کا ارادہ کر لیں تو اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ رکھیں کیونکہ اللہ سبحانہٗ بھروسہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

نیز یہ بھی یاد رکھیں کہ اگر اللہ سبحانہٗ تمہاری پُشت پناہی فرمائے تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہی تمہیں مغلوب کرنا چاہے تو اس کے علاوہ کوئی طاقت تمہیں غالب نہیں کر سکتی۔ البتہ مومن

اللہ سبحانہ پر بھروسہ کامل رکھتے ہیں۔

سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۷۳، ۱۷۴

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ○ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ○

وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف عوام اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں ان سے ڈرو! ان کا ایمان مزید زیادہ ہو جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ سبحانہ کا سہارا کافی ہے کیونکہ وہ بہترین پشت پناہ ہے۔ پس اللہ سبحانہ کا فضل وکرم ان کے شاملِ حال ہو جاتا ہے اور ان کو کوئی گزند نہیں پہنچتی۔ ساتھ ہی ساتھ اللہ سبحانہ ان سے راضی بھی رہتا ہے۔ بیشک اللہ سبحانہ بڑی عظمتوں کا مالک ہے

سورہ انعام آیت نمبر ۱۴

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۗ

(اے حبیبؐ) کہہ دیجئے کیا غیر اللہ کو اپنا سرپرست بنا لوں؟ جب کہ اللہ سبحانہ زمین و آسمان کو بنانے والا ہے اور وہی سب کو روزی دیتا ہے خود کسی کی روزی کا محتاج نہیں!

جب میں نے انہیں یہ آیات پڑھ کر سنائیں تو کہنے لگے یہ تو سب برحق ہے اور قابلِ انکار نہیں ہے البتہ میں اپنے نفس کو کیسے قائل کروں کہ خلافِ توکل علی اللہ امور پر مجھے نہ اکسائے۔ میں نے کہا کہ اب میں آپ کو ایک وظیفہ بتاتا ہوں۔ جس کے تین حصے ہیں۔ ہر روز بعد نمازِ فجر آپ کو برابر بجالانا ہوگا۔ یہ وظیفہ جناب الحاج نوری نے کتاب "دارالسلام" میں تحریر کیا ہے۔ میں آپ کو اس کا خلاصہ سناتا ہوں۔

جناب استاد ملا صادق عراقی مرحوم کہتے ہیں کہ مفلوک الحالی نے ایک زمانہ مجھے پریشان کئے رکھا۔ میں جو کام بھی کرتا نقصان ہوتا اور غربت و افلاس نے میری کمر توڑ کے رکھ دی۔ آخر کار ایک رات خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بیابان جنگل ہے۔ اس کے عین درمیان میں ایک عالی شان شامیانہ لگا ہوا ہے۔ جس کے اوپر ایک خوبصورت گنبد بھی ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں اور وہاں کھڑے کسی آدمی سے پوچھتا ہوں کہ یہ خیمہ کس کا ہے؟! وہ شخص بتاتا ہے یہ خیمہ حضرت حجت، امام زمانہ حضرت قائم آل محمدؑ کا ہے۔ میں جلدی جلدی اندر جاتا ہوں قدم بوسی کا شرف حاصل کرتا ہوں اور اپنی بپتا سناتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ کوئی وظیفہ بتائیے تاکہ مجھے اس پریشانی سے نجات ملے! آپؑ وہیں بیٹھے بیٹھے اشارے سے ایک اور شامیانے کی طرف راہنمائی فرماتے ہیں کہ وہ خیمہ میرے بیٹوں میں کے ایک بیٹے کا ہے۔ وہاں چلے جاؤ تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ میں ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس خیمے میں چلا جاتا ہوں کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں میرے جانے پہچانے جناب السید محمد سلطان آبادی ایک جا نماز پر بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ میں سلام عرض کرتا ہوں وہ جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ اس کے بعد میں اپنی مصیبت ان کو بھی سناتا ہوں۔ وہ مجھے چند دعائیں تعلیم فرماتے ہیں کہ میں ہر روز نماز فجر کے بعد پڑھ لیا کروں تاکہ میرے رزق میں وسعت اور میرے اندر ملکہ توکل پیدا ہو!

اس کے بعد میری آنکھ کھل جاتی ہے اور میں حیران ہوتا ہوں کہ وہ تمام دعائیں مجھے حفظ ہو گئی ہیں۔ پھر بھی میں صبح صبح ہی جناب السید محمد سلطان آبادی کی دولت سرا پر چلا گیا حالانکہ ایک عرصہ سے ایک معمولی سے اختلاف کی وجہ سے ان سے کچھ دور ہو گیا تھا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا کسی نے دروازہ کھولا اور مجھے ان کی نشست گاہ کی نشاندہی کی۔ جونہی میں ان کے کمرے میں داخل ہوا ان کو بالکل اسی طرح جائے نماز پر بیٹھا اور وظیفہ پڑھتے ہوئے پایا جیسا کہ میں رات خواب میں دیکھ چکا تھا۔ میں نے سلام کرنے میں ابتدا کی۔ انہوں نے گرمجوشی کے ساتھ جواب فرمایا اور ساتھ میں ایک ہلکی سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر آگئی جو اس بات کی مظہر تھی کہ وہ میرے خواب سے مطلع ہیں۔ میں نے خواب کا ذکر کئے بغیر اپنی کتھا ان کو سنائی۔ میں اس وقت سخت حیران ہوا کہ جب انہوں نے مجھے وہی دعائیں بتلائیں جو عالم خواب میں مجھے بتا چکے تھے۔ میں نے اس وظیفے پر باقاعدہ عمل کیا۔ بحمداللہ میرے رزق میں توقع سے کہیں بڑھ کر

وسعت ہوئی اور میرا نفس ملکۂ توکل سے بھی بہرہ ور ہوگیا۔

وہ وظیفہ جو انہوں نے بتلایا مندرجہ ذیل ہے:

(i) نمازِ فجر کے بعد سینے پر ہاتھ رکھ کر ستر مرتبہ پڑھیے "یا فتّاح"

(ii) نمازِ فجر کے بعد یہ دعا پڑھیے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ۝

(یہ دُعا حضرت رسول اکرمؐ نے ایک مفلوک الحال اور تنگ دست صحابی کو علاج کے طور پر تعلیم فرمائی)

یہ دعا حضرت امام ضامن علی الرضا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے اور مشکلات و مسائلِ لاینحل سے نجات کا مجرب نسخہ ہے:

انہوں نے فرمایا:

(iii) نمازِ فجر کے بعد یہ دعا پڑھیے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا مَا شَآءَ النَّاسُ مَا شَآءَ اللّٰهُ وَاِنْ كَرِهَ النَّاسُ حَسْبِيَ الرَّبُّ مِنَ الْمَرْبُوْبِيْنَ حَسْبِيَ اللّٰهُ الْخَالِقُ مِنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ حَسْبِيَ الرَّازِقُ مِنَ الْمَرْزُوْقِيْنَ حَسْبِيَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ حَسْبِيْ مَنْ هُوَ حَسْبِيْ حَسْبِيْ مَنْ لَّمْ يَزَلْ حَسْبِيْ حَسْبِيْ مَنْ كَانَ مُذْ كُنْتُ لَمْ يَزَلْ حَسْبِيْ۔ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

(مفاتیح الجنان ص ۲۱)

میرے پاس ایک صاحب آیا کرتے تھے وہ مسئلہ توکل پر بڑی لے دے کرتے اور خود اس مبارک ملکہ سے تقریباً عاری تھے۔ میں نے انہیں مندرجہ ذیل چند آیات بتائیں جن کو بار بار پڑھنے سے ان کو بہت فائدہ ہوا۔ میں آپ کے لئے ان کو آگے نقل کر رہا ہوں تاکہ آپ بھی اس سے کسب فیض کر سکیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک روایت ہے:

قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: مَا اعْتَصَمَ بِیْ عَبْدٌ مِّنْ عِبَادِیْ دُوْنَ اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِیْ ثُمَّ تَكِیْدُهُ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ اِلَّا جَعَلْتُ لَهُ الْمَخْرَجَ مِنْ بَیْنِهِنَّ وَمَا اعْتَصَمَ عَبْدٌ مِّنْ عِبَادِیْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِیْ اِلَّا قَطَعْتُ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ مِنْ یَدَیْهِ وَاَسَخْتُ الْاَرْضَ مِنْ تَحْتِهِ وَلَمْ اُبَالِ بِاَیِّ وَادٍ هَلَكَ۔

اللہ سبحانہٗ نے فرمایا، میرے بندوں میں سے جو کوئی بھی خلوص دل سے مجھ پر بھروسہ کرے اور مخلوقات سے بے نیازی کا مظاہرہ کرے تو اگر پوری کائنات بھی اس کے خلاف صف آرا ہو جائے تو میں اس کو ان کے شر سے بچاؤں گا۔ اس کے برعکس جو کوئی بھی جان بوجھ کر مجھے چھوڑتے ہوئے میری مخلوق میں سے کسی پر بھروسہ کرے تو کائنات کی تمام چیزیں اس کے لئے وبال جان بنا دوں گا۔ اور ذرا برابر بھی پروا نہیں کروں گا کہ کس اتھاہ وادی میں جا گرا ہے۔"

(بحارالانوار جلد نمبر۱، صہ۱۲۶)

حضرت امام صادقؑ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا:

اِنَّ الْغِنٰى وَالْعِزَّةَ یَجُوْلَانِ فَاِذَا ظَفِرَا بِمَوْضِعِ التَّوَكُّلِ اَوْطَنَا۔

مالی خوشحالی اور جاہ و حشمت ادھر ادھر گھومتے رہتے ہیں جہاں توکل دیکھتے ہیں بسیرا کر لیتے ہیں۔

(بحارالانوار جلد نمبر ۶۸ صہ۱۲۶)

حضرت امام صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت رسول اکرمؐ کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

يَا ابْنَ آدَمَ أَطِعْنِي فِيمَا أَمَرْتُكَ وَلَا تُعَلِّمْنِي مَا يُصْلِحُكَ.

اے آدم زادے! میں نے جس کام کا حکم دیا ہے صرف اس کی اطاعت کرو اور اپنے مفاد کی خاطر میری راہنمائی نہ کرو!

(بحار الانوار جلد ۱، صہ ۱۳۰)

اسی صفحے پر انہی حضرت سے ایک اور روایت نقل کی گئی ہے،

ثِقْ بِاللّٰهِ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ غَنِيًّا.

اللہ سبحانہ پر بھروسہ کرو تاکہ مومن بنو اور جو کچھ اللہ سبحانہ نے عطا کیا ہے اس پر قناعت کرو تاکہ غنی بن سکو!

(بحار الانوار جلد نمبر ۱، صہ ۱۳۰)

بحار الانوار جلد نمبر ۱، صہ ۱۳۰ پر ایک طویل واقعہ درج ہے:

جناب حسین بن علوان کا کہنا ہے کہ ہم ایک علمی نشست میں مصروفِ درس تھے۔ باتوں باتوں میں ذاتی معاملات پر بات چھڑ گئی۔ اِن دنوں میری مالی حالت بڑی پتلی تھی اور اپنی علمی محافل میں شرکت کی وجہ سے میرے سارے پیسے خرچ ہو گئے تھے۔ ایک دوست نے مجھ سے سوال کیا کہ اب کس سے رقم مانگو گے؟ میں نے اپنے ایک دوست کا نام لیا۔ انہوں نے برجستہ کہا، کبھی نہیں وہ تمہاری حاجت کبھی نہیں پوری کریگا اور نہ ہی تمہاری امید برلائے گا۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا، یہ سب کچھ آپ کیسے کہہ رہے ہیں؟ اس پر انہوں نے حضرت امام صادقؑ کی ایک روایت سنائی، اللہ سبحانہ ارشاد فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت و جلال اور قدرت کی قسم کہ جو شخص مجھے چھوڑ کر میری مخلوق میں سے کسی سے امید باندھے گا میں اس کو مایوس رکھوں گا۔ ذلیل و خوار کروں گا۔ اپنی قربت سے محروم کروں گا۔ اور کبھی اپنے قریب نہ آنے دوں گا۔" کیا میرا یہ بندہ مجھے چھوڑ کر کسی اور سے امید وابستہ رکھتا ہے حالانکہ ہر چیز کا حل صرف میرے ہاتھ میں ہے۔ مجھے چھوڑ کر کسی اور پر نظر رکھتا ہے۔ غیر کے دروازے پر جاتا ہے حالانکہ ہر بند دروازے کی چابی میرے پاس ہے اور صرف میرا ہی وہ دروازہ ہے جو بند نہیں ہوتا۔ میں نے کبھی اس شخص کو ناامید نہیں لوٹایا جو مجھ سے آس باندھتا ہے۔ میں اپنے بندوں کی امیدیں برلاتا ہوں۔

کیا میرے بندے راضی نہیں ہیں کہ میں خود ان کی مرادیں بر لاؤں ؟! یہ کیوں راضی نہیں جبکہ میں نے اپنے فرشتوں سے کہہ رکھا ہے میرے اور میرے بندے کے درمیان کبھی کوئی رکاوٹ آنے نہ دیں؟! کیا انہیں میرے کہنے پر اعتماد نہیں ہے؟

کیا میرے بندے یہ نہیں جانتے کہ اگر میں ان کا امتحان لینے کے لئے ان پر کوئی سختی کروں تو میرے علاوہ کوئی ذات اس میں نرمی نہیں کر سکتی!!

میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں کہ میرے بندے مجھ سے روگرداں ہیں حالانکہ میں انہیں مانگنے سے پہلے عطا کرتا ہوں۔ وہ سب کچھ اسے دیتا ہوں جس کا خود اسے ابھی شعور بھی نہیں ہوتا۔ اگر امتحاناً میں کوئی چیز اس سے لے لوں تو میرے غیر سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اسے لوٹا دے گا؟! کیا میرا بندہ نہیں جانتا کہ ہمیشہ میں ہی اسے بے مانگے دیتا ہوں اگر ایک دفعہ مانگنے پر نہ دوں تو کیا دوسرے کے پاس چلا جائے گا؟!

کیا میرا بندہ مجھے کنجوس سمجھتا ہے؟!

کیا میں سراپا جود و کرم و عطا نہیں ہوں؟!

کیا رحمت کرنا اور بخشنا میرے ہاتھ میں نہیں ہے؟

کیا تمام امیدیں مجھ سے وابستہ نہیں ہیں؟!

میرے علاوہ کون ہے جو صاحب ثروت کی ثروت کو فقر و ننگ میں بدل سکتا ہے؟!

جو لوگ میرے غیر کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں وہ مجھ سے نہیں ڈرتے؟!

اگر ساری کائنات مجھ سے اپنی حاجات مانگے اور میں ہر ایک کو سیر و سیراب کروں تو بھی میرے خزانے میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوگی۔ وہ خزانہ کیسے کم ہو سکتا ہے جس کا محافظ میں ہوں!!

پس حقیقی بدنصیب وہ ہے جو میری بارگاہ سے مایوس ہو جائے اور مایوسی اور ناکامی اس گنہگار کے لئے ہے جو میری رحمت سے ناآشنا ہے!!

اسی کتاب کے صہ ۱۲۸ پر حضرت رسولِ مقبولؐ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے۔

مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَكُوْنَ اَتْقَى النَّاسِ فَلْيَتَوَكَّلْ — جو شخص سب سے زیادہ متقی بننا چاہتا ہے اللہ

عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يَكُوْنَ اَغْنَى النَّاسِ فَلْيَكُنْ بِمَا عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اَوْثَقَ مِنْهُ بِمَا فِي يَدِهٖ۔

سبحانہٗ پر بھروسہ رکھے اور جو شخص دوسروں سے بے نیاز ہونا چاہتا ہے اپنے وسائل کے بجائے اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ رکھے۔

اسی کتاب کے صہ ۱۳۲ پر جناب ابو حمزہ ثمالی رض نے حضرت امام سجاد ؑ سے روایت کی ہے:

حضرت امام سجاد ؑ نے فرمایا، ایک دن میں اپنے گھر سے نکلا اور ایک مقام تک آیا۔ وہاں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے ایک سفید پوش آدمی کھڑا ہے اور میری طرف دیکھ رہا ہے۔ اچانک مجھ سے کہنے لگا: یا ابا الحسن ؑ کیا بات ہے میں آپ کو کچھ پریشان دیکھ رہا ہوں؟! کیا آپ کسی دنیاوی مسئلے پر پریشان ہیں؟ آپ کو پتہ ہونا چاہیئے کہ ہر اچھے یا بُرے آدمی کی روزی اللہ سبحانہٗ کی طرف سے مہیا کی جاتی ہے۔ میں نے کہا بیشک ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کہہ رہے ہیں مگر میں کسی دنیاوی مسئلے پر پریشان نہیں ہوں۔ وہ کہنے لگا: پھر اور کیا بات ہے؟ کیا آپ کسی اُخروی مسئلے پر پریشان ہیں۔ بیشک آخرت برحق ہے جبکہ صرف اللہ سبحانہٗ کی حکومت ہوگی۔

میں نے کہا میں اس فتنے پر پریشان ہوں جو ابن زبیر مسلمانوں کے درمیان بپا کرنا چاہتا ہے! یہ سن کر وہ ہنسنے لگا کہ یا ابا الحسن ؑ آپ نے کبھی دیکھا کہ کوئی شخص اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ رکھے اور وہ اُسے مایوس کرے؟! میں نے کہا۔ کبھی نہیں! اس نے ایک اور جملہ جڑ دیا۔ کیا آپ نے کبھی دیکھا کہ کوئی شخص اللہ سبحانہٗ سے ڈرے اور وہ اسے نامراد رکھے؟ میں نے کہا کبھی نہیں!

اس نے گرہ لگائی، کیا آپ نے کبھی دیکھا کہ کسی نے اللہ سبحانہٗ سے کچھ مانگا ہو اور اس نے انکار کیا ہو؟! میں نے کہا کبھی نہیں۔ ابھی میں اس سے مزید بات چیت کرنا چاہتا تھا کہ وہ دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہوگیا۔

اسی طرح کا ایک مکالمہ حضرت امام محمد باقر ؑ اور حضرت خضر ؑ کے درمیان بھی نقل کیا گیا ہے۔

بحار الانوار جلد نمبر ۱، صہ ۱۴۳ پر حضرت امام موسیٰ کاظم ؑ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا:

مَنْ اَرَادَ اَنْ تَكُوْنَ اَقْوَى النَّاسِ — جو شخص سب سے زیادہ طاقتور بننا چاہتا ہے
فَلْيَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ۔ — اللہ سبحانہ پر بھروسہ رکھے۔

اسی کتاب کے ص ۱۰۱ پر حضرت رسولِ اکرمؐ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ اگر تم اللہ سبحانہ پر واقعی بھروسہ رکھو تو تمہیں اس طرح رزق بہم پہنچائے جس طرح پرندوں کو بہم پہنچاتا ہے۔

اسی صفحہ پر حضرت امام باقرؑ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے،

مَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ لَا يُغْلَبُ۔ — جو شخص اللہ سبحانہ پر توکل کرتا ہے کبھی مغلوب نہیں ہوگا۔

بہرحال میں نے اپنے دوست سے کہا کہ

کہاں تک سنو گے کہاں تک سناؤں ؟!

مختصر یہ کہ اللہ سبحانہ بڑا مہربان ہے۔ اسے یہ بات پسند ہے کہ لوگ اس پر بھروسہ رکھیں اور اس سے ہمیشہ اچھی بات کی اُمید رکھیں۔ اللہ سُبحانہٗ سے اچھی امید رکھنے کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ ایک روایت سے ہوسکتا ہے:

حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"روزِ قیامت جب سب لوگ بہشت اور جہنم میں بھیجے جاچکیں گے صرف ایک آدمی رہ جائیگا جو دنیا میں بہت ہی بُرے کردار کا مالک تھا، سراپا گناہ تھا۔ جب فرشتے اسے کھینچتے ہوئے جہنم کی طرف لے کر جارہے ہوں گے تو وہ ذرا رُکے گا۔ اللہ سُبحانہٗ سے مخاطب ہوکر فریاد کرے گا: بارالٰہا! مجھے تجھ سے یہ امید نہ تھی۔ اللہ سُبحانہٗ فرمائے گا تو پھر تم مجھ سے کیا امید رکھتے تھے؟! وہ بولے گا: میری توقع یہ تھی کہ آخرکار تو میرے گناہ بخش دے گا اور مجھے جنت میں بھیجے گا۔ اللہ سبحانہٗ فرشتوں سے فرمائے گا۔ یہ شخص غلط کہتا ہے۔ مجھے اپنی عزت و جلال اور مقامِ والا کی قسم اگر یہ دنیا میں پلک

جھپکنے کے برابر بھی مجھ سے یہ اُمید رکھتا تو میں کبھی اسے جہنم لے جانے کا حکم نہ دیتا بہرحال ہم اس کی جھوٹی توقع کو بھی سچا مان کر اسے جنّت میں بھیج دیتے ہیں۔"

بہرحال میری ان تمام باتوں سے میرے دوست میں نظریاتی تبدیلی واقع ہوئی اور اللہ سُبحانہٗ پر توکل اور حسنِ ظن اس کا زیادہ ہوا۔ اس نے مجھے بڑی دعائیں دیں اور چلا گیا۔ اللہ سُبحانہٗ اُسے استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

فرمانبرداری اور بندگی محض کی بلند پایہ منزل

انہوں نے فرمایا:

بندگی اور فرمانبرداری کی منزل توکل اور اللہ سُبحانہٗ پر بھروسے کی منزل سے ارفع و اعلیٰ ہے کیونکہ توکل کی منزل یہ ہے کہ اللہ سُبحانہٗ اس کی خواہش کے مطابق واقعات کا رُخ موڑ دے جبکہ تسلیم و رضا اور مکمل بندگی اور فرمانبرداری کی منزل یہ ہے کہ اپنی تمام تر خواہش اللہ سبحانہٗ کی مشیت کے تابع کر دی جائے۔

بقول شاعر:

یکی وصل و یکی ہجراں پسندد | من از درماں و درد و وصل و ہجراں
یکی درد و یکی درماں پسندد | پسندم آنچہ را جاناں پسندد!

یعنی کسی کو محبوب کا قرب عزیز ہے۔ کسی کو فراق، کسی کو درد کسی کو علاج مگر ہمیں تو ان سب کچھ سے صرف مرضیِ جاناں عزیز ہے!

یہی بات اللہ سُبحانہٗ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: (اے میرے خالص بندو) تمہاری اپنی تو کوئی مرضی ہی نہیں بلکہ تمہاری وہی مرضی ہے جو میری مرضی ہے۔۔۔۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ۔۔۔۔ (الدھر ع ۲)

انہوں نے فرمایا:

ایک دن میں نے اپنے استادِ محترم سے عرض کیا کہ میرا خیال ہے کہ میں منزلِ تسلیم یعنی کامل بندگی اور فرمانبرداری کی منزل تک پہنچ گیا ہوں۔

انہوں نے فرمایا نہیں بھئی ابھی نہیں! میں نے دلیل پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ مجھ سے جو کچھ ہو رہا ہے اگرچہ میری مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو میں اس میں کوئی دخل نہیں دیتا۔ پس میں اللہ سبحانہٗ کی رضا پر راضی ہوا گویا کہ "منزلِ تسلیم" تک پہنچ گیا۔ اُستادِ محترم نے فرمایا کہ خوامخواہ اس پر اصرار مت کریں کبھی ایسا نہ ہو کہ اللہ سبحانہٗ امتحان لے لے اور ناکامی کی صورت میں پریشانی ہو! میں نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عرض کیا۔ کوئی بات نہیں امتحان بھی ہو جانے دیجئے! ان باتوں سے دراصل میں یہ چاہتا تھا کہ استادِ محترم کو اپنی کیفیت اچھی طرح سمجھاؤں تاکہ وہ راہنمائی کرتے ہوئے میری صحیح کیفیت کو پیشِ نظر رکھیں۔

قارئینِ محترم! ایک رات ہمارا امتحان ہو ہی گیا۔ ہوا یوں کہ میں حضرت امام علی رضاؑ کے حرمِ مطہرؑ میں زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ میرے لئے یہ معمول کی بات تھی کہ جب بھی میں آپ کے دربار میں حاضر ہوتا گویا کہ اللہ سبحانہٗ، حضرت رسول اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ اور حقائقِ معنوی کے پاس ہوتا اور مجھ پر فرحت و انبساط کی کیفیت طاری ہو جاتی مگر اس رات اچانک میں نے محسوس کیا کہ میں اس سرور کی کیفیت سے محروم ہوں یعنی میں ان ذواتِ مقدسہ سے کوسوں دُور ہوں! قریب تھا کہ میرا دم نکل جائے۔ میں سمجھ گیا کہ میں بڑی غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ "منزلِ تسلیم" پا چکا ہوں۔ میں تو ایک پل کیلئے بھی اس کیفیت میں رہنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ میں زار و قطار روتا ہوا پریشانی کے عالم میں استادِ محترم کی دولت سرا کی طرف بھاگا۔ ان سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے فرمایا: اب بتاؤ کیفیتِ تسلیم کی تربیت لینا چاہتے ہو یا پہلی حالت پر جانا چاہتے ہو؟! میں نے فوراً کہا نہیں جناب نہیں میں ایک پل کے لئے بھی ان ذواتِ مقدسہ کی قربت سے دور نہیں ہونا چاہتا۔ آپ فوراً مجھے پہلی حالت میں لے آئیے!

انہوں نے فرمایا، چلو یونہی سہی۔ اٹھو، وضو کرو۔ دو رکعت نمازِ حضرت امام زمانہؑ پڑھو جس میں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کے دوران "ایاک نعبدو ایاک نستعین" کو سو بار دہرایا جاتا ہے۔ اس کے بعد بڑی توجہ سے "دعائے فرج" پڑھو تمہاری پہلی کیفیت عود کر آئے گی۔

میں نے وہیں استادِ محترم کی دولت سرا ہی میں نماز ادا کی۔ اللہ سبحانہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ نماز کے دوران ہی وہی فرحت و انبساط والی کیفیت عود کر آئی۔ مگر بعد کو میں نے استادِ محترم کے حضور اپنی غلط فہمی کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ اب مجھے طریقہ بتائیں کہ مجھ میں تسلیم و فرمانبرداری کا ملکہ پیدا ہو۔

انہوں نے فرمایا:

تم تو جانتے ہو کہ میں وہی بات کہوں گا جو حضرت رسولِ اکرمؐ اور ان کی پاک آلؑ فرماتے ہیں۔ چنانچہ میں تمہیں پہلے بھی کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں اب پھر کہتا ہوں کہ اس سلسلے میں حضرت امام زمانؑ کا وسیلہ اختیار کرو اگر تم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو شاید تم اس منزل پر فائز ہو سکو!

انہوں نے فرمایا:

احمد بن ابراہیمؒ کا کہنا ہے کہ میں ایک دن جناب ابو جعفر محمد بن عثمانؓ، نواب اربعہ میں کے دوسرے نائبِ خاص حضرت حجۃ الحسنؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو اپنے اس اضطراب اور اشتیاق سے آگاہ کیا جو حضرت ولی العصرؑ کی زیارت کے لئے میرے اندر پایا جاتا تھا اور دن بدن زیادہ ہی ہوا جاتا تھا۔

انہوں نے فرمایا، واقعی آپ کو ان کی زیارت کا شوق ہے ؟! میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ انہوں نے فرمایا: اللہ سبحانہ تمہاری خواہش پوری کرے اور جلد ہی حضرت کی زیارت سے آپ کو مشرف کرے البتہ میں آپ کو ایک نصیحت کرتا ہوں کہ اس بات پر اصرار نہ کریں کیونکہ غیبت کبریٰ وہ زمانہ ہے جس میں انسان کو حضرت حجتؑ کی زیارت کا شوق تو ضرور ہونا چاہیئے۔ البتہ آپؑ کی خدمت میں حاضر ہونا یا آپؑ سے بات چیت کرنا ان کے لئے مسائل پیدا کرنا ہے اور اللہ سبحانہ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ

انسان راضی برضا اللہ سبحانہ رہے اور اصرار نہ کرے۔ بہرحال اگر آپ چاہتے ہیں تو میں طریقہ آپ کو بتلا دیتا ہوں! میں نے عرض کیا فرمایئے! انہوں نے فرمایا: بارہ رکعت نماز پڑھئے۔ یہ نماز دو، دو رکعت کر کے پڑھئے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ توحید پڑھئے۔ نماز کے بعد حتی المقدور درود شریف کا ورد کیجئے اس کے بعد زیارت "آلِ یٰسین" پڑھیئے۔

میں نے چند روز تک اس وظیفے پر عمل کیا۔ اس دوران میں استاد محترم کی خدمت میں جاتا رہا تاکہ مسئلہ تسلیم و رضا کے بارے میں کچھ راہنمائی حاصل کروں۔ استادِ محترم ہر روز قرآن مجید کی ایک آیۃ یا ایک حدیث شریف مجھے پڑھ کر سناتے ان کا کہنا تھا کہ اللہ سبحانہ کا کلام اور ذکرِ اہلبیتؑ ایک خاص نورانیت کے حامل ہیں جس کی مدد سے انسان اپنی منزل کو پا لیتا ہے۔ اور ایسا ہے بھی۔ میں نے تھوڑی ہی مدت میں اس منزل کو پا لیا یعنی میں اللہ سبحانہ کی مشیت اور رضا پر راضی رہنے لگا اور میری ہر قسم کی پریشانی و اضطراب دور ہو گیا۔ استاد محترم نے جو آیۂ مجیدہ سنائی وہ سورہ حدید کی آیت نمبر ۲۳ ہے:

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝

جو کچھ تمہیں میسر نہ ہو اس پر کفِ افسوس نہ ملو اور جو مل جائے اس پر آپے سے باہر نہ ہو جاؤ کیونکہ اللہ سبحانہ کسی بے ایمان شیخی خورے کو پسند نہیں فرماتا۔

جو حدیث استاد محترم نے سنائی، وہ یہ ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ مَا خَلَقْتُ مِنْ خَلْقِيْ خَلْقًا أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ وَلِذٰلِكَ سَمَّيْتُهُ بِاسْمِيْ مُؤْمِنًا لَأَحْرِمُهُ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَهِيَ خَيْرَةٌ لَهُ مِنِّيْ

حضرت رسولِ اکرمؐ نے فرمایا: اللہ سبحانہ نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر فرمایا، مجھے اپنی مخلوق میں سے مومن سے زیادہ کوئی مخلوق پیاری نہیں اس لئے میں نے اس کا نام اپنے نام پر مومن رکھا ہے۔ کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ میں آزمائش کے لئے اس کو دنیا کی ہر چیز سے محروم رکھتا ہوں اور

وَاِنَّ لَهٗ مِلْكَهٗ، مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَهِيَ خِيَرَةٌ لَّهٗ فَلْيَرْضَ بِقَضَائِيْ وَلْيَصْبِرْ عَلٰى بَلَائِيْ وَلْيَشْكُرْ نَعْمَائِيْ اَكْتُبْهُ يَا مُحَمَّدُ مِنَ الصِّدِّيْقِيْنَ عِنْدِيْ۔

کبھی دنیا بھر کے خزانے اس کے قدموں میں ڈال دیتا ہوں. پس اسے چاہیے کہ میری مشیت پر راضی رہے آزمائش کے دوراں صبر سے کام لے اور خوش حالی میں شکر بجالائے. اگر میرا بندہ اس طرح میری فرمانبرداری اور بندگی کرے تو اے حبیبؐ میں اس کا نام صدیقین میں لکھ لیتا ہوں .

(بحارالانوار جلد نمبر ۱۷ صہ ۱۵۸)

انہوں نے فرمایا:

میرا ایک شاگرد تھا. اُسے والہانہ شوق تھا کہ مقام تسلیم پر فائز ہو اور مقام تسلیم کے خلاف جو کام بھی اس کی نظر میں آتا اسے ترک کر دیتا. ایک دن مجھ سے کہنے لگا: میں نے اللہ سبحانہ سے دعا کرنا، مانگنا اور سوال کرنا چھوڑ دیا ہے کیونکہ ہوتا تو وہی ہے جو وہ چاہے!! میں نے کہا تم غلطی کر رہے ہو کیونکہ جو شخص اللہ سبحانہ کی مشیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ جو بھی اس کا حکم ہو من وعن ویسا ہی عمل کرے اور جن باتوں سے اس نے روکا ہو ہر ایک کو چھوڑ دے. اگر آپ غور کریں تو اللہ سبحانہ نے جن امور کا تاکیداً حکم دیا ہے. ان میں کا ایک حکم اس کی بارگاہ میں گڑگڑانا اور دعا کرنا ہے قرآن مجید کی سورہ غافر آیت نمبر ۶۰ ہی کو لیں ارشاد ہوتا ہے:

قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ

مجھ سے مانگو تاکہ میں تمہیں عطا کروں!

یہ ان لوگوں سے کہا گیا ہے جو اس کی مشیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہوتے ہیں. پس جو شخص مقام تسلیم پر فائز ہو اسے تو دوسروں کی نسبت زیادہ دعا کرنی چاہیے. حتی کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی صرف اللہ سبحانہ ہی سے مانگیں.

اللہ سبحانہ سے راضی رہنا

انہوں نے فرمایا:

ایک دن میں ایک ضعیف العمر بزرگ عالم کی احوال پرسی کے لئے گیا۔ یہ بزرگ آخری عمر میں مفلوج ہو گئے تھے بالکل بے حس پڑے رہتے تھے حتیٰ کہ خوراک بھی دوسرے ان کے منہ میں ٹپکاتے تھے۔ میں حاضر ہوا، علیک سلیک کے بعد میں نے حال احوال پوچھا تو کمالِ اطمینان سے فرمانے لگے۔ مجھے اللہ سبحانہ سے اور کیا چاہیئے! میں نے جو کچھ مانگا اللہ سبحانہ نے مجھے دیا حتیٰ کہ اس آخری عمر میں بھی مجھ سے گویا کہ کہہ رہا ہے میرے بندے کھانے کے لئے تجھے حرکت کرنے کی بھی ضرورت نہیں، ہاتھ تک مت ہلاؤ میں نے لوگوں کو مقرر کر رکھا ہے کہ تیری خوراک تیرے منہ میں پہنچا دیں گے۔

انہوں نے یہ الفاظ بڑے جذباتی اور پُرکیف انداز میں کہے کہ سننے والے سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میں جب تک اس ولیِ خدا کے پاس بیٹھا رہا منزلِ راضی برضائے خدا کا احساس کرتا رہا۔ مجھ پر کھل کر واضح ہو رہا تھا کہ جو شخص اللہ سبحانہ سے محبت کرے وہ ہر حال میں اس سے راضی رہتا ہے۔ یہی وہ منزل ہے جس کا بیان اللہ سبحانہٗ نے سورہ مائدہ آیت نمبر ۱۱۹ اور سورہ مجادلہ آیت نمبر ۲۲ میں فرماتا ہے: رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ۔ یعنی اللہ سبحانہ ان سے اور وہ اس سے راضی و خوشنود رہتے ہیں۔

وہاں بیٹھے بیٹھے میں نے سوچا جس طرح مجھے ان چند لمحات میں رضا کا، اور اللہ سبحانہ کی مشیت پر خوش رہنے کا مفہوم سمجھ آیا ہے ہو سکتا ہے اگر میں یہاں سے چلا گیا اور معاشرے میں دوسرے لوگوں کے ساتھ گھل مل گیا تو یہ مفہوم کھو دوں چنانچہ میں نے ان بزرگ سے التماس کی کہ چند دن میری تیمارداری قبول کریں تو میں ان کی خدمت میں رہوں۔ انہوں نے بلا تامل اجازت فرمائی۔ یوں مجھے وہاں چند دن رہنے کا موقع مل گیا۔ ان چند دنوں میں وہاں میں نے جو ان ولیِ خدا سے سیکھا اور جو مشاہدہ کیا میں آپ کو بھی سناتا ہوں

وہ بزرگ بیماری کی اس سطح پر تھے کہ ڈاکٹروں نے انہیں صرف چند دن زندگی کی امید بندھا رکھی تھی چنانچہ وہ ہر لمحہ حضرت عزرائیلؑ کے منتظر تھے۔ اور وہ عزرائیلؑ کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے جیسا کہ ایک قیدی، قید خانے کے دروازے کو کھولنے والے کو سمجھتا ہے۔ جب کبھی ان پر درد اور تکلیف کا غلبہ ہوتا وہ بڑی خندہ پیشانی سے کہتے میرے محبوب نے مجھے بغل میں دبا رکھا ہے اور دبا رہا ہے۔ دیکھو بھئی یہ وصال اور وصل کتنا پُر لطف ہے! اس موقع پر مجھے بعض علماء کا وہ جملہ یاد آجاتا جو وہ حضرت سید الشہداء امام حسینؑ کے لئے کہا کرتے تھے کہ روزِ عاشور جُوں جُوں آپ پر مصیبتوں کا اضافہ ہوتا جاتا آپ کا چہرۂ منور مزید روشن اور خوشحال ہوتا جاتا حتٰی کہ آپؑ نے فرمایا: رِضًا بِقَضَائِكَ وَتَسْلِيمًا لِأَمْرِكَ یعنی بارالٰہا، تیری رضا پر میں بالکل خوش اور تیرے حکم پر سرِ تسلیم خم ہے!

وہ بزرگ اپنی بیماری کی ہر حالت کا ایک لطف لے رہے تھے اور میں ان کے چہرے کی علامات سے سورہ یونس کی آیت نمبر ۶۲۔

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ دیکھو! اللہ سبحانہٗ کے دوست کبھی خائف یا پریشان نہیں ہوتے!

کا صحیح مفہوم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا تھا۔

میں جتنے دن بھی ان کی تیمارداری میں مصروف رہا۔ ان کو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا دیکھا اور آخر وہ مرض ان کا جان لیوا ثابت ہوا۔ ان کو اتنی تکلیف ہو رہی تھی۔ اگر کوئی اور ان کی جگہ ہوتا تو خلافِ معمول پریشان اور مضطرب ہو جاتا مگر وہ تعجب خیز حد تک مطمئن اور پُرسکون تھے۔ علاوہ برایں وہ خوشی کا اظہار بھی کر رہے تھے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر مجھے سورہ فجر کی آیۃ نمبر ۳۶

يَٰٓأَيَّتُهَا ٱلنَّفْسُ ٱلْمُطْمَئِنَّةُ ٱرْجِعِىٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ اے میرے مطمئن اور مجھ سے خوش بندے میرے پاس آ جا کہ میں تجھ سے اور تو مجھ سے راضی ہے!

کی تفسیرِ مجسم نظر آرہی تھی۔ گویا جب انسان کا نفس حدِ کمال تک پہنچ جاتا ہے، اس میں اللہ سبحانہٗ

سے رابطہ پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس سے اُمید باندھتے ہوئے اس کی مشیت کے سامنے سراپا تسلیم ہو جاتا ہے۔ یہ وہ منزل ہے کہ خود اللہ سبحانہٗ اس سے مخاطب ہوتا ہے۔ اس سے بات چیت کرتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ اور اس کے بندے کے درمیان محبت جلوہ دکھاتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے خوش ہوتے ہیں۔ اس موقع پر مژدۂ جانفزا سنایا جاتا ہے اِرْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً "یعنی آجا اپنے پالنے والے کے پاس" وہ بے مثل و بے مثال ذات یعنی اللہ سبحانہٗ ایک بندے کو اپنی بارگاہ میں جگہ دیتا ہے اور اپنے حلقۂ حمایت میں اس کو داخل کر لیتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ بندہ کوئی بھی اور کسی طرح کا بھی ہو سکتا ہے۔

میں نے ان چند دنوں میں یہ سیکھا کہ جو شخص مقامِ رضا تک پہنچ جائے ہر حال میں خوش حال اور پُرلطف ہے۔ مزے ہی مزے ہیں۔

بلکہ بقول ایک عارف کے کہ اس منزل پر "یہ چاہیئے۔ وہ چاہیئے" کوئی مفہوم نہیں رکھتا بلکہ "ہر وہ کچھ چاہیئے جو اللہ سبحانہٗ چاہتا ہے" مفہوم رکھتا ہے۔ اس خوش نصیب شخص سے تمام پردے ہٹا لیئے جاتے ہیں اور وہ اسی دنیا میں اللہ سبحانہٗ کے اولیاء کے ساتھ بہشت میں ہوتا ہے چنانچہ سورۂ فجر کی آیہ نمبر ۲۸ فَادْخُلِی فِی عِبَادِی وَادْخُلِی جَنَّتِی "یعنی میرے بندوں کی صف میں اور میری بہشت میں آجا" کے مصداق وہ اس انجمن کا رکن بن جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے ان بزرگ عالم کو اسی دنیا میں بہشت کے مزے لوٹتے دیکھا ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ بہشت ہے کیا؟! بہشت میں اللہ سبحانہٗ کی خوشنودیاں ہیں، اس کے اولیاء کا ساتھ ہے۔ اللہ سبحانہٗ کی توجہ ہے، اللہ سبحانہٗ کا خطاب ہے، بات چیت ہے اور اپنے محبوب کا قرب ہے۔ منزلِ رضا پر فائز ہونے والا شخص دُنیا ہی میں یہ تمام مقامات پالیتا ہے۔

منزلِ توحید

انہوں نے فرمایا،

اگر انسان کی یہ خواہش ہو کہ تمام سفلی صفات کو اپنے آپ سے دُور کرے، نفس کی تربیت کرے، اللہ سبحانہٗ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرے، اپنے آپ کو انسانیت کا نمونہ بنائے، مختصر یہ کہ اعمال میں مخلص ہو جائے جو کہ اس دنیا میں سب سے زیادہ محنت طلب اور مشکل کام ہے تب کہیں جا کر وہ اللہ سبحانہٗ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ اور یہ آرزو تمام اولیاء اللہ کی رہی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جو اسے اللہ سبحانہٗ کے دوستوں، محبوبوں، مددگاروں اور قریبیوں میں شامل کرا دیتا ہے۔

اگر انسان صحیح معنوں میں موحّد ہو جائے یعنی اپنی خواہشوں اور آرزؤں کو صرف ایک خواہش کے تابع کرے گویا کہ "منزلِ توحید" پر پہنچ جائے یعنی اپنے تمام تر مادی اور معنوی رجحانات بلکہ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ اپنے مختلف خدا جو مختلف خواہشات کے لئے اپنے اندر بنا لئے جاتے ہیں، ان کو ختم کر دے تو وہ "توحید کی منزل" تک پہنچ سکتا ہے۔ یہی منزل کمالِ نفسِ انسان ہے اور اس منزل کے مقیم کو ایک "تربیت یافتہ انسان" کہتے ہیں۔

یہاں تک بیان کر کے اُستادِ محترم نے ایک لمبی آہ کھینچی اور کہنے لگے! لوگ کتنی بڑی غلط فہمی میں مبتلا رہیں۔ وہ ہر میدان میں ترقی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہر ایک میدان کے ہیرو بننے کا ولولہ ان میں دیکھا جاتا ہے۔ مگر انسان بننے، ایک تربیت یافتہ انسان ہونے۔ نفسیاتی تربیت کے کمال تک پہنچنے یا یوں کہہ لیجئے کہ جس مقصد کے لئے اللہ سبحانہٗ نے انسان کو پیدا کیا ہے اس کو پورا کرنے کا خیال کسی کو نہیں آتا!! کیا اللہ سبحانہٗ نے دنیاوی امور، مادی امور تجارت و حرفت یا مال و دولت اکٹھا کرنے کے بارے میں فرمایا ہے کہ ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ؟! اللہ سبحانہٗ نے تو بمطابق سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۴۸ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ یعنی اچھی صفات اپنانے، اچھے اعمال بجالانے اور وہ کردار جو حضرات معصومین علیہم الصلوات نے ادا کیا ہے۔ اس پر عمل پیرا ہونے میں سبقت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے

اور بمطابق سورہ فاطر آیہ نمبر ۳۲ انہی کو مِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ یعنی ائمہ اطہارؑ ہی اچھے کردار میں سب سے آگے ہیں"۔ کہا گیا ہے اللہ سبحانہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ ان کی پیروی میں ہم بھی ایسے کاموں میں سبقت لے جائیں۔

منزلِ وحدت

انہوں نے فرمایا:

جب ایک سالک الی اللہ، اپنے نفس سے تمام سفلی صفات کو نکال پھینکتا ہے اور اس کا نفس اللہ سبحانہ کی صفات، اسمار اور افعال کا آئینہ بن جاتا ہے تو وہ منزلِ یکجان دو قالب پر فائز ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ سبحانہ کے اخلاق کا مرقع بن جاتا ہے اور اُسے اپنے اور اپنے امام زمانہؑ کے درمیان کوئی دوئی نظر نہیں آتی بلکہ وہ زبانِ حال سے یہ کہتا ہوا سُنا جاتا ہے:

من تو شُدم تو من شُدی | تاکس نہ گوید بعد ازایں
من تن شُدم تو جاں شُدی | من دیگرم تو دیگری

حافظ

گویا کہ غلام اور آقا "یکجان دو قالب" ہو جاتے ہیں۔

جو کچھ آقا چاہتے ہیں یہ غلام بھی وہی چاہتا ہے، جو آقا حکم فرماتے ہیں یہ غلام وہی بات کرتا ہے۔ یہ وہ منزل ہے جس پر فائز اولیاء اللہ ایک نظر سے آسمان کو زمین پر لانے کی طاقت حاصل کر لیتے ہیں اور جو چاہتے ہیں کر سکتے ہیں۔ اس منزل پر بندہ اپنے مالک کے ارادے خواہشات اور مشیت سے سو فیصد متفق ہوتا ہے۔ اس لئے سرِ مُو کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی چنانچہ بندہ جتنا اللہ سُبحانہ کے نزدیک ہوتا ہے۔ اُتنا ہی عالمِ تکوینی میں جامد اور بے حرکت ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کی ہر ایک حرکت اب اس کے مالک کی حرکت ہوتی ہے۔ اس لئے سورۂ انفال آیت نمبر ۱۷ میں حضرت رسولِ اکرمؐ کے تیر چلانے کو اللہ سُبحانہ نے خود تیر چلانے کے مترادف قرار دیا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ اے حبیبؐ! جب آپؐ نے دشمن پر تیر بارانی کی آپؐ نے نہیں بلکہ ہم نے خود ان پر تیر چلائے تھے۔

اور جب جنگِ احزاب میں مشرکین و کفار کے تمام جتھوں کو حضرت رسولِ اکرمؐ نے شکست دی تو آپؐ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔ یعنی اے خدا تو نے تنہا ان تمام لشکروں کو منتشر کیا۔"

یہ وہ مقام ہے جو یک جان دو قالب کا مصداق ہے اور سیر الی اللہ کی انتہائی منزل یعنی لقاء اللہ سبحانہٗ اور سرچشمۂ زندگی و وجود سے مکمل رابطہ ہے۔

منزلِ فنا فی اللہ

انہوں نے فرمایا:

میں نے اکثر "فنا فی اللہ" کی اصطلاح استعمال کی ہے اور اس کا ذکر کیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے اگر انسان قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر اپنا عکس دیکھے، اسے اپنے آپ اور اپنے عکس کے درمیان کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا بلکہ اس کے جسم کی تمام خصوصیات عکس میں نظر آتی ہیں اس بات کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ عکس فنا فی شخص ہے یا ایک اور مثال یہ دی جا سکتی ہے کہ اگر ایک لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں رکھیں جب کافی دیر آگ میں پڑا رہے تو اس کا رنگ بھی دہکتے ہوئے انگارے کی طرح سُرخ ہو جائے گا۔ نہ صرف آگ کا رنگ اس لوہے میں آ جائے گا بلکہ آگ کی جملہ صفات بھی آ جائیں گے۔ چنانچہ اس لوہے کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ وہ "فنا فی آگ" ہے۔ یعنی بالکل آگ بن گیا ہے۔ اس میں اب لوہے کی صفات نہیں بلکہ آگ کی صفات پیدا ہو گئی ہیں۔ اسی طرح اگر ایک انسان اپنے نفس کی اعلیٰ تربیت کرے۔ اللہ سبحانہٗ کی صفات اپنے اندر پیدا کرے، گویا کہ اللہ سبحانہٗ کا عکس بن جائے تو اس خوش نصیب انسان کو "فنا فی اللہ" کہیں گے۔

انہوں نے فرمایا:

ایک حدیث کے مطابق :

اَبَی اللّٰہُ اَنْ یَّجْرِیَ الْاَشْیَآءَ اِلَّا بِالْاَسْبَابِ۔

اللہ سبحانہ نے موجودہ نظام کو اس اصول کے تحت قرار دیا ہے کہ ہر کام کسی نہ کسی ذریعے اور وسیلے سے ہو۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۲ ص ۹۰)

اس اصول کی بنیاد پر اللہ سبحانہ نے چہاردہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دنیا و آخرت میں اپنے اور اپنی مخلوق درمیان ذریعہ اور وسیلہ بنایا ہے۔ چنانچہ مخلوق کو چاہیے کہ وہ اس وسیلے کے بغیر کسی کام کی تکمیل کی توقع نہ کریں چاہے اس کا تعلق علم و معرفت ہی سے کیوں نہ ہو۔ یہ چہاردہ معصومینؑ دراصل اللہ سبحانہ کی صفات علیا کے چودہ عکس ہیں۔ جو شخص بھی روحانی کمالات کے مدارج طے کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے نفس کو ان چودہ انوار کا آئینہ قرار دے اور اپنے اندر ان کا عکس پیدا کرے۔ جس طرح ایک شخص اپنے ہاتھ میں آئینہ لے کر سورج کا عکس اس میں لے آتا ہے اور دوسرا آدمی اس آئینے سے سورج کے عکس کو اپنے ہاتھ والے آئینے میں لے آتا ہے تو فرق نہیں پڑتا۔ دونوں آئینوں میں سورج ہی جلوہ گر ہوتا ہے اس طرح یہ چہاردہ ذوات مقدسہ اپنے اندر اللہ سبحانہ کی صفاتِ علیا کا عکس لئے ہوئے ہیں۔ اگر ہم ان کا عکس اپنے نفس کے آئینے میں بنا لیتے ہیں تو عیناً یہ وہی عکس ہے جو خود اللہ سبحانہ کی صفاتِ علیا کا ہے اور یہ کہنا صحیح ہے کہ جو شخص اپنے زمانے کے امامؑ کے جمال کا عکس اپنے نفس کے اندر پیدا کرلے وہ اللہ سبحانہ کے اخلاق وصفات سے متصف ہوگا۔

منزلِ مقصود تک رسائی

انہوں نے فرمایا :

جب میں نے سیر و سلوک کی منازل طے کیں یعنی دنیا کی محبت اور جملہ سفلی صفات کو اپنے نفس سے دُور

کیا۔ توکل تسلیم، رضا، یکسوئی، وحدت، حتیٰ کہ فنافی اللہ کی منزل بھی طے کرچکا اور اس قابل ہوگیا کہ اللہ سبحانہٗ کی خاطر ہر اقدام کرسکوں۔ دھوکہ، بددیانتی، دکھاوا جھوٹ میرے لئے کوئی مفہوم نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح کنجوسی اور حسد سے بھی مکمل چھٹکارا پاچکا تھا۔ میں بالکل نوزائیدہ بچے کی طرح مخلص ہوگیا تھا۔ جب جاہ، فخر و مباہات اور خود نمائی کہیں پیچھے رہ گئیں تھیں۔ میں اپنے آپ کو اللہ کے بندوں کا خادم تصور کرتا تھا۔ حق بات کہتا حق بات سُنتا تھا۔ مختصر یہ کہ ایک تربیت یافتہ انسان بن چکا تھا۔ مگر اب بھی آسمانِ معنویت کی طرف پرواز کا حوصلہ نہیں پا رہا تھا۔ کسی غیبی طاقت کی مدد کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ کوئی استاد، مرشد امام یا رہبر ہو جو میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بالائے آسمان لے جائے مگر میں کسی کو نہ پاکر بڑا پریشان رہنے لگا تھا۔ میں راتوں کو جاگتا۔ صبح تک اشک بہاتا اور ائمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام سے استمداد کیا کرتا تھا۔

ایک رات کا واقعہ ہے کہ میں اپنے تاریک کمرے میں بیٹھا اپنے جمودِ سلوک اور بدنصیبی پر اشک بہا رہا تھا کہ اچانک مجھے نہیں معلوم کیا ہوا؟ شاید میں سوگیا، مراقبے میں چلا گیا، عالمِ بالا میں پہنچ گیا! میرا راہوارِ تصور دوڑنے لگا۔ بہرحال میں نے یکدم محسوس کیا کہ میرا کمرہ چکا چوند ہوگیا ہے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ دنیاوی روشنیوں یعنی بلب، ٹیوب لائٹیں یا گیس وغیرہ کی طرح کوئی روشنی تھی بلکہ دھوپ بھی نہیں تھی البتہ ان روشنیوں سے کہیں بڑھ کر تھی لطیف اور آرام دہ اتنی کہ معیار و مقدار کی فراوانی کے باوجود میری آنکھیں خیرہ نہیں ہوئی تھیں بلکہ گویا کہ میری آنکھوں کو توانائی مل گئی ہو اور بعض کئی ایسی خصوصیات جو بہتر ہے میں بیان بھی نہ کروں۔ کیونکہ نوکِ قلم سے ان کا بیان ناممکن حد تک مشکل ہے اور تمہارے لئے بھی بغیر دیکھے سمجھنا محال ہے!! کیا دیکھتا ہوں کہ اس نور کے عین درمیان کوئی شخصیت کھڑی ہے مگر ماحول کی وجہ سے ان کی پہچان مشکل ہو رہی ہے۔ مگر ان کی صاف زیارت کر رہا ہوں گویا کہ زبانِ دل سے میں نے عرض کیا آپ کون ہیں؟! انہوں نے فرمایا: میں رسولِ دوجہاں حضرت رسولِ اکرمؐ کی بیٹی فاطمہؑ ہوں! میں نے والہانہ عرض کیا، گویا کہ میری ماں! میں آپ کی اولاد ہوں کیا آپ کو پسند ہے کہ میں منزلِ مقصود تک پہنچوں اور یونہی پھروں گریہ کناں رہوں؟! آپ نے فرمایا: ہماری اولاد اور ہمارے شیعوں میں سے جو بھی دنیا کی محبت اپنے دل سے نکال باہر کرے نہیں چاہیے اس کو اتنا شعور ہو کہ

کہاں سے آیا ہے، کہاں ہے اور کہاں جانا ہے؟ وہ منزلِ کمالِ تزکیۂ نفس پر ضرور پہنچے گا! یہ صحیح ہے کہ آپ نے اپنے دل سے دنیا کی محبت نکال پھینکی ہے اور سفلی صفات پر بھی کافی قابو پالیا ہے مگر دوسری شرط جو ہماری معرفت ہے اس کو پوری طرح آپ نے انجام نہیں دیا۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (ص) مَنْ مَاتَ وَلَا یَعْرِفُ اِمَامَہٗ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً۔

حضرت رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ جو مرتے دم تک اپنے امام کی معرفت حاصل نہ کرے وہ جہالت کی موت مرتا ہے۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۳۲ ص ۷۸)

میں نے فوراً عرض کیا اس کے لئے بھی تو آپ کے لطف و کرم کی ضرورت ہے۔ میں اتنا تو جانتا ہوں کہ حضراتِ معصومینؑ ہمارے رہبر و راہنما ہیں اس سے زیادہ جب تک آپ کی طرف سے راہنمائی نہ ہو میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا! آپ نے کمالِ شفقت سے ارشاد فرمایا! یہ بات ہے تو میں اپنے بیٹے بقیۃ اللہ العظمیٰ مہدیؑ کو تمہارے بارے میں ہدایات دے دوں گی یہ کہ کر آپ گویا کہ تشریف لے گئیں اور وہ تمام نوری ماحول بھی رخصت ہوا۔ میں اسی طرح اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا رہ گیا۔ مگر خوش بہت تھا کہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں نے رو پیٹ کر بہرحال جناب سیدۂ کونین سلام اللہ علیہا وابیہا وبعلہا وبنیہا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی ہے!! مگر آہ! کئی مہینے اسی طرح گزر گئے اور آپؑ کے حکم کا کوئی نتیجہ میرے مشاہدے میں نہ آیا۔ آہ! انتظارِ وصلِ محبوب کس قدر تلخ ہوتا ہے! آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں اس مصرعے کا قائل ہوں کہ

ہزار وعدۂ خوباں یکی وفا نکند!! (محبوب نے سو وعدے کئے مگر ایک بھی وفا نہیں کیا) میں اس مصرعے پر یقین نہیں رکھتا میرا محبوب وہ ہے جو تمام وعدے پورے کرتا ہے۔ البتہ اس مسئلے میں رہبر کی یقیناً کوئی مصلحت تھی بلکہ وہ مصلحت میں جانتا بھی ہوں، وہ یہ کہ اس انتظار کی وجہ سے میرے دل میں محبوب کا شوق اور قدر بہت زیادہ ہوگئی۔ جب آخر کار مرحلۂ وصل آیا تو پھر میں نے ایک لمحہ بھر کے لئے بھی غفلت نہ کی اگر پہلے ہی دن وصل ہو جاتا تو شاید میں اپنے محبوب کی اتنی قدر نہ کر سکتا!

بہرحال اس حالتِ انتظار کی وجہ سے ایک زمانہ سرگرداں رہا مگر میں اپنے منہ سے کوئی شکوہ نہیں کرنا چاہتا تھا کہ مبادا بے ادبی ہو جائے اور راندہ درگاہ قرار پاؤں۔ میں نے صبر کیا البتہ کیسا صبر!! کس طرح میں نے وہ دن کاٹے! وہی تاریک کمرہ، تارے گنتے رات گزر جاتی، وہی گریہ وزاری، وہی دعا استغاثہ وغیرہ مگر کوئی نتیجہ نہ تھا۔

آخر ایک رات میں بہت رویا، رو رو کر بُرا حال ہوگیا۔ میں نے قدرے چڑچڑے پن سے سیدۂ عالمؑ کی بارگاہ میں بڑے کرب سے عرض کیا، یا زاہرا صلوۃ اللہ وسلامہ علیکِ آپ کیوں اتنی بے رحم ہوگئی ہیں! قسم بخدا اگر آپ کے نورِ نظر حضرت بقیۃ اللہ العظمیٰ کوہِ قاف کی بلند ترین چوٹی پر بھی ہوں اور مجھے ان تک پہنچنے کے لیے جان کی بازی بھی لگانی پڑے تو میں ابھی چل پڑوں! ان کی قدم بوسی کروں اور جس ہدایت کا آپؑ نے وعدہ فرمایا تھا وہ ان سے حاصل کروں، مگر میں آخر کیا کروں میں ان کی رہائش گاہ نہیں جانتا اور نہ ہی مجھ میں اب دم باقی ہے اور نہ ہی کوئی اور خواہش ہے۔ میری اس جسارت کے باوجود چونکہ وہ سیدۂ عالم ہیں اور مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ انہوں نے میری اس گستاخی کو کمالِ لطف وکرم سے درگزر فرمایا اور اسی رات' اسی وقت میرا ہاتھ شاہوں کے شاہؑ ہادیوں کے ہادی بقیۃ اللہ العظمیٰ حضرت مہدی امام العصر والزمانؑ کے دستِ مبارک میں دے دیا! پس میں نے حسبِ ظرف کسبِ فیض کیا۔ انشاء اللہ آگے چل کر بعض ہدایات آپ کو بھی سناؤں گا۔

انہوں نے فرمایا:

گرمیوں کی ایک رات کا ذکر ہے کہ میں جسمانی طور پر غیر معمولی تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا۔ مگر روحانی طور پر پوری طرح چاق و چوبند تھا۔ میں اپنے محبوب' اپنے پیارے مہربان اللہ سبحانہ سے راز و نیاز کر رہا تھا بات چیت کر رہا تھا۔ معاً مجھے احساس ہوا کہ بے خبری اور اللہ عزوجل کے بلند پایہ مقام کی بے معرفتی کی وجہ سے میں اسے جس لہجے میں پکار رہا تھا وہ گستاخی اور جسارت کی حدود میں آتا تھا اگرچہ ظاہراً میری آواز کوئی نہیں سن رہا تھا۔ مگر جتنا وہ مجھ سے نزدیک ہے، اور مطابق سورہ قاف آیت نمبر ۱۶ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ یعنی ہم انسان کی شہ رگ سے بھی اس کے قریب ہیں۔" وہ

میری شہ رگ سے بھی زیادہ میرے نزدیک ہے تو آہستہ سے آہستہ آواز بھی اس کے لئے بلند ہے اور بالکل اسی طرح ہے کہ میں آپ کے کان کے قریب اپنا منہ لاکر چیخ ماروں!

علاوہ ازیں خود اس نے اپنے پاک کلام میں سورہ اعراف آیت نمبر ۲۰۵ میں ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ۔

یعنی اپنے پالنے والے سے دل ہی دل میں گڑگڑا کر مناجات کرو اور دیکھو شور نہ مچاؤ۔

اور سورہ غافر آیت نمبر ۱۹ کے مطابق

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ۔

یعنی وہ تو لطیف سے لطیف بات بھی سن لیتا ہے اور دیکھ لیتا ہے حتیٰ کہ آنکھوں کی خیانت سینوں کے رازوں کو محسوس کرلیتا ہے۔

تو پھر میں کیوں خود اس کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق اس کی بارگاہ میں اپنی معروضات پیش نہ کروں اور چپکے چپکے اس سے راز و نیاز کرنے کی اپنے آپ کو عادت نہ ڈالوں کہ یہ طریقہ روحانی کمالات کے حصول کے لئے بلند آہنگی سے کہیں بہتر ہے! چنانچہ اس رات کے بعد اب تک میں اپنے مہربان پیارے اللہ سبحانہ سے اپنی تمام توجہ اور دل و جان سے چپکے چپکے مگر خضوع وخشوع سے راز و نیاز کرتا ہوں۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں رفتہ رفتہ اپنے مالک سے بہت زیادہ مانوس ہوگیا اور اس نے بھی مجھ پر اپنی مہربانیوں کی بارش زیادہ موسلا دھار کردی اپنی تمام تر بزرگی اور کبریائی کے باوصف مجھ حقیر کی طرف متوجہ رہتا ہے مجھ سے بات چیت کرتا ہے اور میری راہنمائی کرتا ہے! کیوں کہ قرآن مجید کی آیات کے مطابق اُس نے ان تمام باتوں کی ذمہ داری خود لے رکھی ہے! اس کے بعد استادِ محترم نے فرمایا:

اب آپ سوچتے ہوں گے کہ یہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور ہمارا مہربان پیارا اللہ سبحانہ ہم سے کس طرح بات کرسکتا ہے؟ تو سنیئے جناب! بات اس سے بھی کہیں آگے کی ہے! یعنی حقیقت یہ ہے کہ وہ برابر ہم سے بات کرتا رہتا ہے مگر ہم اس کی اس بات کی طرف متوجہ تک نہیں ہوتے!

ہم اس سے اتنے غیر مانوس ہیں کیوں تو ہم آوازیں پہچانتے ہیں مگر اس کی آواز پہچاننے سے مسلسل انکاری ہیں۔ جب انسان اس حقیقت کو سمجھ لے تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ اپنے اس محبوب حقیقی کے حق میں کس قدر ظالم ہے!

اب میں آپ کو سمجھاتا ہوں، آپ غور کریں اور اگر آپ واقعی اللہ سبحانہٗ کو چاہتے ہیں تو میری بات سننے کے بعد آپ شوقِ وصل سے سرشار ہو جائیں گے اور اس کے وصل کے بغیر اپنے آپ کو تشنہ و بکھرا ہوا پائیں گے۔ حتیٰ کہ آپ اس کی حکمت آمیز باتوں کو سننے لگیں گے بلکہ نوبت یہاں تک جا پہنچے گی کہ اس کا ارشاد سُنے بغیر آپ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھائیں گے۔

آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ ہمیشہ ہم سے دو افراد باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ایک ہمارا مشترک دشمن شیطان اور دوسرا ہمارا محبوب ہمارا خیر خواہ، ہمارا مہربان اللہ سبحانہٗ چونکہ ہم شیطان کی باتیں اکثر مانتے ہیں لہٰذا اس کی آواز ہم فوراً پہچان لیتے ہیں۔ آپ نے شکی مزاج افراد دیکھے ہوں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ ہمارے کان ظاہری آواز نہیں سنتے مگر واضح طور پر یقیناً چند لوگ ان کو اکساتے رہتے ہیں کہ فلاں کام کرو، فلاں بات یوں ہے، تم نے فلاں کام اس طرح کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح اللہ سُبحانہٗ بھی بغیر اس کے کہ کوئی ظاہری آواز پیدا کرے ہماری روح کو ہمیشہ ہدایات جاری کرتا رہتا ہے۔ ہمیں اچھا اور بُرا سمجھاتا رہتا ہے مگر ہم اس کی بات پر توجہ نہیں دیتے بلکہ سرے سے اس کی آواز پہچاننے سے ہی انکار کر دیتے ہیں۔ اور اس کی بات کو تشکیک اور وسوسہ سمجھ کر جھٹک دیتے ہیں! کیا ہمارا یہ رویہ اپنے مہربان اور ولی نعمت کے ساتھ ظالمانہ اور شرمناک نہیں ہے؟ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ جب ایک آدمی اپنے محبوب کے ساتھ آپ کے اس توہین آمیز سلوک سے مطلع ہو گا تو آپ سے ناراض نہیں ہو جائے گا!! اور آپ سے رابطہ منقطع نہیں کرے گا؟!

انھوں نے فرمایا:

چند سال ہوئے ہوں گے۔ ایک رات، تقریباً نصف شب گزر چکی تھی میں زیر آسمان نمازِ تہجد پڑھ رہا تھا۔ نمازِ وتر کے قنوت کے دوران اچانک مجھے احساس ہوا گویا کہ خود اللہ سُبحانہٗ مجھ سے مخاطب ہے!

میں نے دل کے کانوں سے سنا وہ فرما رہا ہے: میری بارگاہ میں اپنے دوستوں کے لئے دُعا مانگو! اپنے برے اعمال پر معافی مانگو! میری طرف پلٹ آؤ اور سچی توبہ کرو! میں نے اس آواز پر لبیک کہی تو اللہ سبحانہٗ کی رحمتوں کے دروازے مجھ پر وا ہوگئے اور اس نے مجھ حقیر کو اپنے مقربین میں شامل فرمالیا۔

صرف ایک نکتہ رہ گیا جس کی وضاحت میں ضروری سمجھتا ہوں کہ شاید آپ سمجھتے ہوں کہ اللہ سبحانہٗ بھی ایسے ہی باتیں کرتا ہے جیسے ہم ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے کیونکہ ہم بات کرنے کے لئے ہونٹوں، منہ، حلق ہوا کان اور قوتِ گویائی وسماعت کے محتاج ہیں مگر ہمارا مالکِ مہربان اللہ سبحانہٗ ان اسباب کا محتاج نہیں وہ براہِ راست دل پر واردات نازل فرماتا ہے۔ آپ کی صرف یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ کمالِ توجہ سے اس واردات کو وصول کریں تاکہ رفتہ رفتہ اس سے آشنا ہو جائیں۔ پس آپ کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ البتہ اگر مزید وضاحت کی ضرورت ہو تو ہماری کتاب "شبہائے مکہ" کے صہ ۳۹ سے رجوع کر سکتے ہیں۔

اپنی پہچان

انہوں نے فرمایا:

مدتوں میں نے اپنے نفس کی تربیت کے لئے ریاضت کی۔ اب وقت آیا کہ میں معلوم کروں کہ نتیجہ کیا رہا، آیا میں انسان بن گیا ہوں یا اب بھی حیوانی نقائص مجھ میں موجود ہیں؟!

میں ایک بندۂ خدا کے پاس گیا۔ انہوں نے میرے اس دعوے کی طرف تو کوئی دھیان نہ دیا کہ میں انسان بن گیا ہوں، البتہ جب میں نے اپنی طویل المدہ محنت و ریاضت کا ذکر کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ابھی آپ مکمل انسان کیسے بن گئے ابھی تو آپ کو یہ بھی پتہ نہیں چل سکا

کہ آپ خود کون ہیں ؟! دنیا سے پہلے آپ کہاں تھے ؟! اب کس حال میں ہیں ؟! اور اس کے بعد آپ کا ٹھکانا کونسا ہے ؟! میں نے عرض کیا جہاں تک میری معلومات ہیں میں دنیا سے پہلے اپنی والدہ کے رحم میں تھا۔ اب دنیا میں ہوں اور جب مروں گا تو ایک قبر میں مجھے دفنا دیں گے۔ انہوں نے فرمایا نہیں جناب یوں سنیئے کہ آپ یعنی آپ کی "روح" دنیا سے پہلے "عالمِ ذر" یا "عالمِ ارواح" میں تھی۔ اب "معرضِ امتحان" میں ہے اور دنیا کے بعد "عالمِ برزخ" اور "عرصۂ قیامت" میں ہوگی۔

میں نے عرض کیا: حضور! آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔ میں اپنے بدنِ خاکی کو "خود اپنا آپ" سمجھ رہا تھا۔ آپ فرمائیے کیا کروں؟! اگر آپ توجہ کریں تو میں اس کی توضیح کر دوں۔ انہوں نے شفقت سے میرے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا کہ فرمائیے میں ہمہ تن گوش ہوں جو بھی فرمائیں گے انشاء اللہ بڑی توجہ سے سنوں گا۔

انہوں نے فرمایا

سب سے پہلے اپنے آپ کو پہچانو، آپ کون ہیں، کیا ہیں! آپ کی زندگی کے مسائل کیا ہیں، ان کا حل کیا ہے! گویا انہوں نے یکدم مجھے یعنی میری روح کو میرے بدن سے الگ کر کے دکھایا۔ دونوں کو الگ الگ کھڑا کر دیا۔ میرا بدن جلد گوشت اور ہڈیوں پر مشتمل تھا جبکہ روح اس کی رگوں میں خون دوڑا رہی تھی۔

میں اپنے آپ کو بدن سے جدا دیکھ رہا تھا گویا کہ وہ کوئی سواری ہو اور میں اس سے اتر کر الگ کھڑا ہو گیا ہوں۔ میرا بدن بالکل بے شعور اور بے حس تھا۔ جس کی روح یعنی "میں" سب کچھ سمجھ رہا تھا، دیکھ رہا تھا۔ ہر ایک چیز کو بخوبی پہچان رہا تھا بلکہ عام لوگوں سے کہیں بہتر پہچان رہا تھا۔ اب میں آپ کو اپنا آپ یعنی اپنی روح کے بارے میں وضاحت سے بتاتا ہوں۔ میں یعنی میری روح اللہ سبحانہٗ کی مخلوقات میں کی ایک مخلوق ہے۔ اس کی ماہیت لطیف اور ہلکی ہے بلکہ ہر چیز سے سبک ہے۔ ایک خاص قسم کی نورانیت لئے ہوئے ہے گویا کہ ایک

آئینہ ہو جو اپنے گرد پھیلے ہوئے تمام "معنویات" کا عکس اپنے اندر محفوظ کرے اور اپنے حافظہ میں رکھے۔ یہ سراپا بینائی، سماعت اور احساس ہے بلکہ اس شعر کا مصداق ہے:

؎ من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود	میں تو فرشتہ تھا اور میرا ٹھکانا فردوس بریں تھا
آدمؑ آورد دریں دیر خراب آبادم	اس ویرانے میں تو مجھے آدمؑ نے لاکر آباد کردیا۔

البتہ مجھے یہ پتا نہیں تھا کہ میری یہ حالت "عالمِ خواب" تھی، میں مرچکا تھا یا مراد ہم تھا بہرحال کسی طرح میری رُوح میرے بدن سے جدا ہوگئی تھی۔ اس کے بعد وہ محترم بزرگ ایک فوری حرکت کے ذریعہ مجھے اس دنیا سے دُور لے گئے۔ اب میں اپنے بدن کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ میرے دنیاوی رشتے منقطع ہو چکے تھے اور سب کچھ مجھ سے الگ ہوگیا تھا۔ میری آنکھیں بند تھیں۔ میں ایک جگہ پہنچا جہاں مجھے مسرور کن خوشبو آئی۔ میری قوتِ حس نے کسی ایسی چیز کو مس کیا کہ اب تک اس کی لذت مجھے مسرور و محو کر کے رکھ دیتی ہے۔

انہوں نے فرمایا اپنی آنکھیں کھولیں، میں نے آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ عظمت و جلال کے حامل نور کا ایک بحرِ ذخار ہے جس میں اللہ سبحانہ کی ایک عالی مرتبہ مخلوق ہے جو اس کی تمام صفات کا عکس لئے ہوئے ہے اور "دعائے رجبیہ" کے اس جملے لَا فَرْقَ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا اِلَّا اَنَّهُمْ عِبَادُكَ وَخَلْقُكَ "یعنی اے خدا! تجھ میں اور ان میں کچھ فرق نہیں سوائے اس کے تو خالق ہے اور یہ تیرے بندے ہیں اور تیری ذاتِ اقدس ازخود اور ازلی و ابدی ہے جبکہ انکا وجود تیرا عطا کردہ ہے!" کی پوری مجسم تصویر میرے سامنے تھی یا اس قول کے مطابق "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي مَنَّ عَلَيْنَا بِحُكَّامٍ يَقُوْمُوْنَ مَقَامَهُ لَوْكَانَ حَاجِزاً فِي الْمَكَانِ" یعنی وہ اللہ ہی تعریف کا مستحق ہے جس نے ہم پر یہ احسان کیا کہ ہمیں ایسے رہبر عطا فرمائے کہ اگر وہ کسی ایک جگہ پر سما کر قابلِ دید ہوتا تو بالکل ایسا ہی

ہوتا ہے جیسے وہ ہمیں نظر آتے ہیں"۔ مجھے اللہ سبحانہٗ کا مکمل جلوہ نظر آرہا تھا۔ میں نے جلدی سے ان بزرگ سے سوال کیا، حضور والا یہ کیا ہے؟ یہ نور کس کا ہے؟! انہوں نے فرمایا:

یہ نور جو تم دیکھ رہے ہو اس روحِ مقدس و طاہر کا ایک حصہ ہے جس نے تمام انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کی ہدایت کی ہے۔ تمام فرشتوں کی راہنمائی فرمائی ہے۔ اللہ سبحانہٗ نے جو بھی خلق کیا ہے اس روح مقدس کے ذریعہ و وسیلہ سے کیا ہے۔ یہ نور اللہ سبحانہٗ کی رحمت کا مرکز ہے۔ اللہ سبحانہٗ کے فیوض و برکات کا سرچشمہ ہے۔ اللہ سبحانہٗ اور اس کی جملہ مخلوقات کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہے۔ اللہ سبحانہٗ کو چھوڑ کر پوری کائنات اس کے تحت ہے۔ یہی اللہ سبحانہٗ کا ارادہ ہے، اس کی مشیت ہے، اس کا ہاتھ، اس کی آنکھ زبان اور کان ہے۔ یہ نورِ مقدس انسانیت کا راہبر ہے۔ اللہ سبحانہٗ کا اسم اعظم یہی ہے۔ یہی عقل کل ہے اور یہی ہادیٔ سبل!

جو شخص اس کو پہچان لے گویا کہ اللہ سبحانہٗ کا عارف ہوگیا۔ جس نے اس سے محبت کی گویا اللہ سبحانہٗ سے محبت کی یہی "امام مبین" ہے اور بقول سورہ یٰس اسی کو اللہ سبحانہٗ نے ہر شے کا علم عطا فرمایا ہے۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ

ہم نے ہر چیز کا علم "امام مبین" کو عطا کیا ہے۔

(سورہ یٰس نمبر ۱۱)

اور حضرت امام باقرؑ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ أَوَّلَ مَا خَلَقَ مُحَمَّدًا وَعِتْرَتَهُ الْهُدَاةَ الْمُهْتَدِينَ فَكَانُوا أَشْبَاحَ نُورٍ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ۔

سب سے پہلے اللہ سبحانہٗ نے ہمارے جد بزرگوار حضرت محمد مصطفےٰؐ اور ان کی عترتؑ پاک کو پیدا فرمایا۔ ان کے بعد تمام مخلوقات پیدا کیں اور انہیں ان کا گواہ

قرار دیا۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۱۵ صہ ۲۵)

میں اس نور کی تعریف سن کر متوجہ ہوا میری آنکھیں چندھیا گئیں اور میں بے ہوش ہوگیا۔ پتا نہیں میں کتنی دیر بے ہوش رہا، اللہ جانے! بہر حال جب ہوش میں آیا تو دیکھا وہیں کھڑا ہوں جہاں سے پرواز کی تھی، وہ بزرگ غائب ہو چکے تھے۔ ایک عجیب طرح کی گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ صرف مجھے یہ آیہ مجیدہ تسلی دے رہی تھی:

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۴۵) اللہ سبحانہ ہی کشادگی اور تنگی (آزمائش کے لئے) طاری کرتا ہے۔

یقیناً اللہ سبحانہ کے ہر ایک کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔ علاوہ بر این جملہ "والیہ ترجعون یعنی بازگشت اسی کی طرف ہے" شاید ہے کہ گھٹن یا انبساط اللہ سبحانہٗ ہی کی طرف لے جانے کے لئے طاری کیا جاتا ہے۔ پس میں کیوں نہ صبر کروں اور انتظار کروں! مگر آہ! میں انبساط و سرور کے بعد کس طرح گھٹن اور تنہائی اور وصل کے بعد جدائی پر صبر کر سکتا تھا!!

چند دن تک میں ایک عجیب سی بے چارگی کے عالم میں رہا۔ اس کے بعد مجھے احساس ہوا گویا کہ راہ نجات مجھے مل گئی ہے۔ یعنی اگرچہ میں اب اس نور مقدس سے کوسوں دور تھا مگر وصل اور حضوری کی کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔ کیوں نہ میں اسی نور سے رابطہ کرنے کی کوشش کروں! میں نے کوشش کی۔ ان بزرگ کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔ ان کے سامنے گریہ وزاری کی انہوں نے مجھ سے بڑی ہمدردی اور شفقت کا اظہار کیا خود اپنے دستِ مبارک سے میرے آنسو پونچھے۔ میں نے اپنائیت اور خفگی کے ملے جلے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے شکوہ کیا کہ اتنے دن آپ نے میری خبر ہی نہیں لی!! انہوں نے فرمایا، بھئی میرا صرف اتنا ہی کام تھا جو میں نے کر دیا۔ اب تمہاری اپنی کوشش ہے کہ کس طرح اس نور مقدس سے کسب فیض کرتے ہو اور اپنی

روح و دل کو ان کے فیوض و برکات کا آئینہ بناتے ہو ؟! میں نے دوبارہ گلا کیا کہ وہ تو میری طرف دیکھتے بھی نہیں اور نہ ہی کوئی بات کرتے ہیں ؟! انہوں نے فرمایا، وہ نورِ مقدس پوری کائنات کا راہنما ہے۔ سب پر اس کا کرم ہے۔ اللہ سبحانہ نے اُسے ہمارے لئے مشعلِ راہ اور نجات دہندہ بنایا ہے۔ تم خود اس دُنیا میں آنے سے پہلے ہزاروں سال اس نورِ مقدس کے پروردہ رہے ہو اور اب جو کچھ جانتے مانتے ہو، اسی نورِ مقدس کا دیا ہے۔ تم خود اس چند روزہ دنیا کی رونقوں میں کھو گئے ہو اور اسے بھول گئے ہو ! میں نے بیقراری کا اظہار کرتے ہوئے کہا، حضور ! ذرا کھل کر بات کریں تاکہ میں جلدی اور بہتر طور پر اس نورِ مقدس سے استفادہ کرسکوں۔

انہوں نے فرمایا :

آپ بھول گئے کہ جب اللہ سبحانہ نے آپ کو پیدا کیا، آپ اس خاکی بدن میں نہیں تھے بلکہ صرف حالتِ رُوح میں تھے۔ تمام انسان اسی طرح "عالمِ روح" میں تھے۔ نہ بدن نہ جان، آپ کو یاد ہوگا اس دن جس سواری (یعنی اپنے بدن) کو چھوڑ کر میرے ساتھ نورِ مقدس کی خدمت میں حاضری کے لئے گئے تھے اس وقت یہ مرکب یا بدن نہیں تھا۔ بنیادی طور پر یہ بدن چند دنوں کے لئے آپ کو دیا گیا ہے۔ کچھ مدت کے بعد یہیں اسے چھوڑنا ہے۔ عالمِ برزخ میں بھی یہ بدن نہیں ہوگا۔ البتہ روزِ قیامت چند شرائط کے ساتھ یہ بدن تمہیں لوٹایا جائے گا۔ اب اچھی طرح سمجھ لو کہ اس بدن کے ساتھ اور خصوصاً اس بدن کی لذت میں رغبت کے ساتھ تم نورِ مقدس سے مکمل اور مفید رابطہ نہیں کر سکتے کیونکہ اس بدن کی رغبت انسان کو غافل کر دیتی ہے اور انسان حقائق و معنویات سے دور رہتا ہے۔ بہر حال اگر آپ نورِ مقدس کی خدمت میں دوبارہ جانا چاہتے ہیں تو اس بدن یا مرکب کو بھی پستی میں چھوڑنا ہوگا، اور اپنے آپ کو سفلی صفات سے پاک کرنا ہوگا۔ پھر کہیں جا کر اس نورِ مقدس کی بارگاہ میں رسائی ممکن ہوگی۔ میں نے مزید سمجھنے کے لئے عرض کیا، آپ نے فرمایا ، میں ہزارہا سال اس نورِ مقدس کا طالب علم رہا ہوں ؟!

انہوں نے فرمایا :

جب اللہ سبحانہٗ نے تمہاری رُوح بلکہ تمام انسانوں کی ارواح کو پیدا کیا تو رُوح کو صرف ایک ملکہ عطا کیا۔ وہ قوتِ درک و کسبِ فیض تھی مگر تھی بڑی قوی! یہ ملکہ مطالبِ عقلی اور حسّی بڑی جلدی درک کر لیتا تھا۔ اس وقت تمام لوگ ایک جیسے تھے، مگر جانتے کچھ نہیں تھے۔ بالکل آئینے میں عکس کی طرح کہ آئینہ انسانی جسم کا مکمل عکس تو اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے، مگر شعور نہیں رکھتا۔ البتہ آئینۂ روح عقلی امور کو اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے۔ ادھر اللہ سبحانہٗ نے چہاردہ معصومینؑ کے نورِ مقدس کو ان ارواح سے کہیں پہلے پیدا کر کے دنیا بھر کے علوم و معارف ان کو سکھا دیئے تھے۔ جن میں کا ایک نور اس دن آپ نے ملاحظہ کیا۔

نورِ محمد وآلِ محمدؐ نے پہلے مدتوں ملائکہ کی تعلیم و تربیت کی۔ پھر اللہ سبحانہٗ نے انسانی ارواح پیدا کیں تو انسانوں کے دروس شروع ہو گئے۔ جس میں تمام ارواح شرکت کرتی تھیں۔ ان کلاسوں میں معرفتِ اللہ سبحانہٗ اور معارفِ حقّہ بیان کیے جاتے تھے۔ پھر کئی ایک کلاسوں میں اخلاقیات اور تزکیۂ نفس کے بارے میں دروس ہوتے رہے۔ تمام انسانوں نے ہزارہا سال ان دروس میں شرکت کی اور معارف کو یاد کیا۔ میں نے جھٹ عرض کیا۔ جناب وہ دروس ہم بھول کیوں گئے؟ اور آج ہمیں ایک درس بھی یاد نہیں! انہوں نے فرمایا، نہیں۔ آپ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اب جو کچھ آپ کو یاد ہے وہ انہی دروس کا نتیجہ ہے۔

نورِ مقدس کی خلقت کی سرگذشت

انہوں نے فرمایا:

ایک دن جبکہ میں کچھ زیادہ ہی توجہ سے زیارتِ جامعہ پڑھ رہا تھا۔ اچانک یوں محسوس ہوا کہ معصومین علیہم الصلوٰۃ کے انوارِ مقدس کی زیارت سے مشرف ہو رہا ہوں اور وہ اپنی خلقت کی سرگذشت زبانِ حال اور مقال سے مجھے سنا رہے ہیں۔ انہوں نے جو تشریح فرمائی، ذیل میں عرض

کرتا ہوں ۔ ایک زمانہ وہ تھا جب اللہ سبحانہ کے علاوہ کوئی اور موجود ہی نہ تھا۔ اللہ سبحانہ نے ابھی کوئی مخلوق پیدا ہی نہیں کی تھی ۔ اس کے بعد ایک وقت آیا کہ اللہ سبحانہ نے اپنے کمال کا اظہار کرنا چاہا ، اس نے چاہا کہ اس کے کمالات کو کوئی دیکھنے والا ہو ، کوئی اسے پہچاننے والا ہو ، کوئی ہو جو اس سے مانگے اور وہ اسے عطا کرے گویا کہ یوں اپنے کمالات کا اظہار کرے ۔

یہ عیناً اس مشہور حدیثِ قدسی کے مطابق ہے جو بحارالانوار سمیت تمام احادیث کی کتابوں میں درج ہے اور اس کے الفاظ اس طرح سے ہیں :

كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيّاً اَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُكَ يَا مُحَمَّدُ ۔ میں گنجینۂ کمالات تھا مگر مجھے کوئی پہچاننے والا نہ تھا ۔ میں نے چاہا کہ میرے کمالات پہچانے جائیں ۔ چنانچہ اے محمد میں نے تمہیں پیدا کیا

اپنے دوست ، ہمدرد اور محب بنائے ان سے محبت کرے ان کو اپنا قائم مقام بنائے تاکہ اس کی تمام صفاتِ عالیہ کا آئینہ بن جائیں ۔ اس لئے اس نے سب سے پہلے ہم چہاردہ معصومین کے انوار کو پیدا کیا ۔ ہماری ارواح کو اتنی عظمت بخشی گویا کہ ہم اس کی تمام صفات کا سب کے سب قدآور آئینہ ہوں ! جو کمالات ایک مخلوق میں پیدا کئے جا سکتے ہیں ۔ اللہ سبحانہ نے ہم میں وہ پیدا کئے جو کچھ بھی غیر خدا کو پڑھایا جا سکتا ہے ۔ ہمیں اللہ سبحانہ نے پڑھا دیا ۔ تمام امور پر ہمیں بااختیار بنایا اور ہر عیب اور نقص کو مکمل طور پر ہم سے دُور کیا ۔ مختصر یہ ہے کہ مخلوق ہونے کے ناطے ہم سے بہتر کوئی نہ تھا ۔ ہم اس کے بندہ تھے اور اس کی عبادت کرتے تھے ۔ اتنے اختیارات کے باوجود ہم سرِمو اللہ سبحانہ کی مخالفت نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ ہماری پوری کوشش رہتی تھی کہ ترک اولیٰ بھی سرزد نہ ہو ۔

ہم اُسے چاہتے تھے اور وہ ہمیں چاہتا تھا ۔ جب کبھی اور جس حالت میں بھی وہ ہمیں کوئی حکم دیتا ہم سب سے پہلے اس کو بجالاتے ۔ مختلف جہات سے ہمارے مختلف نام رکھے گئے تھے کبھی ہمارا نام عقل پکارا جاتا مثلاً :

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَا عَلِيُّ اَوَّلُ مَا خَلَقَ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا ، یا علیؑ اللہ سبحانہ

اللہُ العَقلَ۔ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا۔

(جواہر السنیہ فی احادیث القدسیہ ص ۱۴۵)

اور یوں ہمیں تمام مخلوقات کے درمیان سب سے زیادہ صاحب عقل منوایا گیا۔

کبھی ہمارا نام قلم رکھا گیا اور یوں ہمیں ایسا وجود منوایا گیا جو لوگوں پر علوم و معرفت کا اظہار کرے

قالَ رَسُولُ اللہ ؐ حضرت رسول اکرم ؐ نے فرمایا، یا علی ؑ سب سے

یا علیُّ، اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ القَلَمَ۔ پہلے اللہ سبحانہ نے قلم کو پیدا کیا۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۵۷ ص ۳۶۶)

کبھی ہمیں وسیلۂ اظہار مشیت خدا منوایا گیا۔ یعنی یہ بتایا گیا کہ ہم تمام مخلوقات کے لئے اللہ سبحانہ کا واحد رابطہ ہیں بقول حضرت امام صادق ؑ:

قُلُوبُنَا اَوعِیَۃٌ لِمَشِیَّۃِ اللہِ۔ ہماری ارواح اللہ سبحانہ کی مشیت کا منبع و مجریٰ ہیں۔

کبھی ہمیں اسم اعظم اور اللہ سبحانہ کے اسمائے حسنیٰ کا نام دیا گیا۔ اور یوں ہمیں اپنی مکمل نشانی اور علامت منوایا گیا۔ قَالَ الصَّادِقُ نَحنُ وَاللہِ اَسمَاءُ الحُسنَی الَّذِی لَا یُقبَلُ مِن اَحَدٍ اِلَّا بِمَعرِفَتِنَا۔ قسم بخدا، اسمائے حسنیٰ ہمیں ہیں اور ہماری معرفت کے بغیر کسی سے ان کا پکارا جانا ناقابل قبول رہتا ہے۔

ہم ایک زمانہ اللہ سبحانہ کے ساتھ رہے جبکہ کوئی اور مخلوق ہمارے ساتھ نہ تھی۔ ہم اکیلے اللہ سبحانہ کی مدح و ثنا اور دعا و مناجات کرتے اور کوئی بھی ہماری مناجات میں مداخلت کرنے والا نہ تھا۔

قَالَ رَسُولُ اللہِ (ص) اِنَّ اللہَ خَلَقَنِی وَعَلِیاً وَ فَاطِمَۃَ وَالحَسَنَ وَالحُسَینَ عَلَیہِمُ السَّلَامُ۔ قَبلَ اَن یَخلُقَ

حضرت رسول اکرم ؐ نے فرمایا، اللہ سبحانہ نے دنیا پیدا کرنے سے سات ہزار سال پہلے مجھے، علی ؑ فاطمہ ؑ اور حسنین ؑ کو پیدا کیا۔ میں نے عرض کیا:

الدُّنْيَا بِسَبْعَةِ آلَافِ عَامٍ. قُلْتُ فَأَيْنَ كُنْتُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ (ص) قُدَّامَ الْعَرْشِ نُسَبِّحُ اللّٰهَ وَنَحْمَدُهُ وَنُقَدِّسُهُ وَنُمَجِّدُهُ، قُلْتُ عَلٰى اَيِّ مِثَالٍ؟ قَالَ (ص) اَشْبَاحُ نُوْرٍ.

یا رسول اللہ ! آپ کس مقام پر مقیم تھے. آپ نے فرمایا. عرشِ معلیٰ کے برابر میں۔ وہاں ہم اللہ سبحانہٗ کی تسبیح و تقدیس کرتے تھے. میں نے عرض کیا. آپ کس صورت میں تھے. فرمایا، ہم نوری صورت میں تھے۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۵ صہ ۴۳)

ہم اس طرح اللہ سبحانہٗ کے اخلاق کا مظہر بن گئے اور اللہ سبحانہٗ کی تمام جمالی اور جلالی صفات ہمارے وجود سے ہویدا ہونے لگیں ایسے میں اگر کوئی حقیقت سے لابلد ہو تو ہمارے اور اللہ سبحانہ میں کوئی فرق محسوس نہیں کر سکتا تھا جیسا کہ اگر آپ آئینے کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو کسی دیکھنے والے کے لئے آپ اور آپ کے عکس میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔

جس طرح اللہ سبحانہ تمام چیزوں کو دیکھ رہا ہے ہم بھی دیکھ رہے ہیں، ماسوائے اس علمِ غیب کے جو اللہ سبحانہ سے مخصوص ہے. جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے :

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

(سورہ توبہ آیت نمبر ۱۰۵)

اے لوگو ! جو کرنا ہے کرتے جاؤ! اللہ سبحانہٗ حضرت رسول اکرم ؐ اور مومنین تمہارے اعمال دیکھ رہے ہیں اور عنقریب تم غیب و شہود جاننے والے کی بارگاہ میں حاضر کئے جاؤ گے جو تمہیں تمہارے کئے سے متعلق سب کچھ بتا دے گا۔

مختصر یہ کہ جیسا کہ میں پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں کہ اللہ سبحانہ نے ہماری خلقت کے دوران ہر وہ چیز ہمارے وجود میں خلق کر دی جو کسی غیر خدا میں کی جا سکتی ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو پہچنوانا چاہتا تھا اور یہ مقصد اس طریقے کے علاوہ ممکن ہی نہ تھا۔

انہوں نے فرمایا،

ایک دن اللہ سبحانہٗ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے سر بسجدہ تھا اور ایک ایک نعمت یاد کر کے ہر ایک کے لئے ایک دفعہ "الحمد للہ رب العالمین" کہہ رہا تھا۔ جب مجھے نورِ مقدس محمد و آلِ محمدؐ سے ارتباط والی نعمت یاد آئی تو میں نے "الحمد للہ رب العالمین" اتنا زیادہ کہا کہ بے حال ہو گیا حتی کہ زمین پر گر گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ نورِ مقدس میرے سامنے ظاہر ہوا۔ میں پوری طرح اسے دل کی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے فوراً ایک سوال کر دیا: اس دن آپ نے فرمایا کہ آپ علمِ غیب نہیں جانتے جبکہ قرآن مجید اور بعض دعاؤں کے مطابق آپ جانتے ہیں مثلاً سورہ یٰسین آیت نمبر ۱۲ میں وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ اور دعائے ندبہ میں:

وَأَوْدَعْتَهُ عِلْمَ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ إِلَى انْقِضَاءِ خَلْقِكَ۔ — تو نے ان کو ماضی و مستقبل کا مکمل علم دے رکھا ہے۔

اور زیارتِ جامعہ میں یہ جملہ:

إِنْ ذُكِرَ الْخَيْرُ كُنْتُمْ أَوَّلَهُ وَأَصْلَهُ وَفَرْعَهُ وَمَعْدِنَهُ وَمَأْوَاهُ وَمُنْتَهَاهُ؛ — ہر بھلائی کی ابتدا، بنیاد، شاخ، منبع، ماویٰ اور انتہا آپ ہی کی ذات ہے۔

یہ تمام جملے تو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ علمِ غیب جانتے ہیں پھر آپ کیسے فرما رہے تھے کہ آپ علمِ غیب کے متعلق نہیں جانتے؟!

نورِ مقدس نے روایات کی زبان سے ارشاد فرمایا، یہ بات صحیح ہے کہ کوئی بات مجھ سے پوشیدہ نہیں البتہ میں ایک مثال دیتا ہوں آپ خود سمجھ جائیں گے کہ ان دو مفاہیم کو کس طرح یکجا کیا جا سکتا ہے (یعنی غیبت مطلق سے لاعلمی اور ہر بات کا جاننا)! کیا آپ کو پتہ ہے کہ کل صبح سورج افق سے نکلے گا؟! میں نے عرض کیا، جی ہاں مجھے پتہ ہے۔ انہوں نے فرمایا، کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ سبحانہٗ کل ارادہ کرے کہ سورج نہ نکلے؟! میں نے عرض کیا بالکل ممکن ہے! اگر میں اس حقیقت کو نہ مانوں

تو پھر میں بھی یہودی ہوگیا جو بقول قرآن مجید (سورہ مائدہ) کہتے ہیں "يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ" یعنی اللہ سُبحانہٗ مجبور ہے۔"

انہوں نے فرمایا، بالکل ٹھیک بلکہ سورہ رعد آیۃ نمبر ۳۹ میں اللہ سُبحانہٗ یہ بھی فرماتا ہے:
يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ أُمُّ الْكِتٰبِ. اللہ سُبحانہٗ جس چیز کو چاہے بدل دے یا باقی رکھے کیونکہ مقدر اٹل اسی کے ہاں ہے۔

میں نے عرض کیا۔ جی ہاں ایسا ہی ہے۔ انہوں نے فرمایا پس یہی امر واقعہ ہے کہ علمِ غیب صرف اور صرف ذاتِ باری تعالیٰ سے مخصوص ہے اور اگر ہم اس سے بھی مطلع ہوتے یا وہ قابلِ تغیر و تبدل نہ ہوتا تو پھر یہودیوں کا عقیدہ ٹھیک متصور ہوتا اور خداوندِ متعال بس ہاتھ باندھے ایک طرف خاموش تماشائی سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا۔ پس یہ علم ان امور سے متعلق ہے جو ابھی تک منصہٗ شہود میں نہیں آئے۔ رہ گئے وہ امور جو اب تک ظاہر ہو چکے ہیں، وہ سب ہمیں معلوم ہیں۔
علاوہ ازیں میں نے آپ سے کہا کہ جس طرح اللہ سُبحانہٗ سب امور پر ناظر ہے۔ اسی طرح ہم بھی ماسویٰ اللہ سُبحانہٗ سب پر ناظر ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ سُبحانہٗ کے علاوہ جو کچھ معرضِ وجود میں ہے۔ وہ ہمارے سامنے بنا ہے ہم ہی اس کے وجود کا واسطہ ہیں تو پھر اس سے لاتعلق یا بے خبر کیسے رہ سکتے ہیں؟ میں نے اپنے دل کی مزید تشفی کے لئے عرض کیا کہ ابھی میں نے آپ کی خدمت میں ایک آیۂ مجیدۂ قرآنی، ایک جملہ دعائے ندبہ اور زیارتِ جامعہ کا عرض کیا ہے۔ اگر آپ اس کی مزید تشریح فرمادیں تو میرے لئے اور آسانی ہو جائے گی۔ انہوں نے فرمایا، اللہ سُبحانہٗ جو مستقبل میں پیدا کرنا چاہتا ہے وہ تین صورتوں سے خالی نہیں۔

i. اس کا اللہ سُبحانہٗ نے وعدہ فرمایا ہے۔ یا

ii. اس کی دھمکی دی ہے۔ اور یا

iii. ان دو چیزوں سے الگ کوئی چیز ہے۔

جہاں تک وعدہ وفائی کا تعلق ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی کیونکہ سورہ حج آیۃ نمبر ۴۷

وَلَن يُّخلِفَ اللهُ وَعدَهُ — اللہ سبحانہٗ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔
کے مطابق ممکن ہی نہیں۔ دھمکی اور عذاب کا ڈراوا بدل سکتا ہے کیونکہ شاید اللہ سبحانہٗ کی رحمت جوش میں آجائے اس لئے اس کا پتہ نہیں ہوتا۔ تیسری بات میں نے آپ کو بتا دی ہے مثلاً کل سورج نہ نکلنا مختصر یہ کہ آپ سمجھ لیں کہ اگر کروڑوں سال بعد کسی سیارے میں ہوا ایک ذرے کو بھی اِدھر سے اُدھر کرے تو ہمیں معلوم اب سے ہی معلوم ہے کیونکہ یہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ البتہ اگر اللہ سبحانہٗ کا ارادہ بدل جائے اسی لئے سورۂ کہف آیہ ۲۱ کے مطابق
وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّي فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ — جب بھی مستقبل کے بارے میں کوئی بات کرو یہ کہو اگر اللہ سبحانہٗ چاہے گا۔

میں نے عرض کیا میرے ماں باپ میری جان اور جو کچھ بھی ہے وہ آپ پر قربان میں اس مفہوم کو خوب سمجھ گیا ہوں اور آپ کے علم غیب کا مطلب جان گیا ہوں۔

انہوں نے فرمایا:

ایک دن صبح کا وقت تھا۔ میں بہت خوشگوار موڈ میں تھا۔ ابھی ابھی میں زیارتِ جامعہ پڑھ کر بیٹھا تھا۔ میں پوری طرح سمجھ چکا تھا کہ مکمل انسان کون ہوتا ہے؟! اسی اثنا میں ایک بزرگ شخص جو میری نگاہ میں ایک ولیٔ خدا سے کم نہ تھے، تشریف لے آئے۔ باتوں باتوں میں فرشتوں کی خلقت پر بات چل نکلی۔ وہ کہنے لگے! اللہ سبحانہٗ نے تمام مخلوقات سے پہلے نورِ چہاردہ معصومین علیہم السلام کو پیدا کیا۔ یہ نورِ مقدس بارگاہِ اللہ سبحانہٗ میں مدتوں رہا۔ ایک لمحہ بھر بھی اس سے جدا نہ ہوا۔ دونوں میں شدید محبت پیدا ہو گئی۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب ترین دوست بن گئے۔ اس کے بعد اس نورِ مقدس کے ذریعہ اللہ سبحانہٗ نے فرشتوں کو پیدا کیا۔ میں نے بزرگ شخصیت کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے سمجھائیے کہ اللہ سبحانہٗ نے کس طرح اس نورِ مقدس کے ذریعہ فرشتے اور دیگر مخلوقات پیدا کیں؟ انہوں نے فرمایا، بڑی آسان بات ہے۔ ایک سیب لیں کیا یہ اللہ سبحانہٗ نے پیدا نہیں کیا؟! میں نے کہا کیوں نہیں سیب کو اللہ سبحانہٗ نے ہی پیدا کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا مگر ظاہراً تو یہ سیب درخت میں اُگا ہے، گویا کہ درخت نے پیدا کیا ہے۔ بالکل اسی طرح چہاردہ معصومین علیہم السلام اللہ سبحانہٗ

کی مشیت اور اس کے ہاتھ ہیں۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے تمام مخلوق انہی کے ذریعہ پیدا کی ہے! میں نے عرض کیا۔ میں سمجھ گیا! ۔ انہوں نے مزید فرمایا۔ جب نورِ مقدس چہاردہ معصومین علیہم السلام نے اللہ سبحانہٗ کی اجازت سے فرشتوں کو پیدا کیا تو فرشتے انہی کو اپنا خدا سمجھنے لگے کیونکہ ابھی وہ محدود معلومات کے مالک تھے۔ انہوں نے سوائے نورِ مقدس کے کسی اور چیز کو دیکھا نہیں تھا اور وہ ان کے خالق بھی تھے! جیسا کہ بحار الانوار جلد نمبر ۵۳ صـ ۱۷۸ پر امام زمانہؑ سے روایت ہے۔ "نَحْنُ صَنَائِعُ رَبِّنَا وَالْخَلْقُ بَعْدَنَا صَنَائِعُنَا" یعنی اللہ سبحانہٗ نے ہمیں پیدا کیا اور بعد کی مخلوق کو ہم نے پیدا کیا۔"

اس صورت میں یہ لازم ہوا کہ فرشتوں کی تربیت کے لئے اور ان کو خالقِ حقیقی کی معرفت کرانے کے لئے ایک مدرسہ بنایا جائے تربیت کا کام بھی نورِ چہاردہ معصومینؑ کرے۔ چنانچہ یہ مدرسہ کھل گیا۔ شروع شروع کی کلاسوں میں فرشتوں کو اللہ سبحانہٗ کی معرفت کرائی گئی۔ اس کی عبادت اور بندگی کا سلیقہ سکھایا گیا۔ نورِ مقدس جو فرشتوں کا راہبر اور استاد مقرر کیا گیا تھا اس نے ان کو اچھائی برائی کی تمیز دی اور اللہ سبحانہٗ کی نافرمانی سے باز رہنے کی تاکید کی۔ چونکہ انہی فرشتوں کو بعد میں پیدا کی جانے والی کائنات میں اللہ سبحانہٗ کی طرف سے نیابت کرنا تھی اس لئے ان کو مندرجہ ذیل امور کی بطورِ خصوصی تعلیم و تربیت دی گئی:

i. سورہ ذاریات آیہ نمبر ۴ کے مطابق "فَالْمُقَسِّمَاتِ أَمْرًا" یعنی اللہ سبحانہٗ کے احکامات مخلوق تک پہنچانے کا کام۔

ii. سورہ ق آیت نمبر ۱۸ کے مطابق "مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ" یعنی "اللہ سبحانہٗ کی مخلوق کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ محفوظ کرنے کا کام"

iii. سورہ صافات آیہ نمبر ۶، ۷۔ "إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ○ وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ ○" یعنی ستاروں اور سیاروں کے نظام کو معمول کے مطابق رکھنے اور ان کو دشمن شیاطین سے محفوظ رکھنے کا کام"

iv. سورہ نازعات آیت نمبر ۵ کے مطابق "فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا" یعنی کس طرح مختلف امور کی

تربیت دینے اور ان کے بارے میں سوچ بچار کرنے کا کام۔"

غرضیکہ مختلف امور اور جہات حتیٰ کہ اللہ سبحانہٗ کے خاص بندوں کے پیروکاروں کے بارے میں فرشتوں کی خاص فعالیت بھی ان کو تعلیم دی گئی۔ کیا مادیات کیا معنویات سب کے سب علوم و تجربات ان کو سکھائے اور بتائے گئے۔ ان کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی بقول حضرت امام صادقؑ مخلوقات میں فرشتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے مگر صلاحیتیں کچھ زیادہ نہیں تھیں۔ ایک مدت طویل تعلیم و تربیت کے بعد ان ہی میں کے چند فرشتے جو دوسروں کی نسبت زیادہ شوق سے تعلیم حاصل کرتے رہے ان کو اللہ سبحانہٗ کا قرب حاصل ہوگیا اور ان مقرب فرشتوں میں چار فرشتوں کا انتخاب کیا گیا جو مدرسہ نورِ مقدس چہاردہ معصومینؑ کے ہونہار طالب علم ثابت ہوئے ان کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حضرت جبرائیلؑ

۲۔ حضرت اسرافیلؑ

۳۔ حضرت میکائیلؑ

۴۔ حضرت عزرائیلؑ

ان چاروں کے ذمے اہم امور انجام دینا ہے۔ اللہ سبحانہٗ نے ان پر خاص نظرِ کرم فرمایا اور کائنات کے ایک حصے پر ان کو حاکم گردانا۔ مثلاً زمین پر حضرت عزرائیلؑ کو حاکم بنایا جبکہ اکثر ملائکہ کو کائنات اور کائنات میں موجود مخلوق سے متعلق امور انجام دینے کے لئے پیدا کیا گیا۔

"جنات" کی خلقت

انہوں نے فرمایا:

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں عراق میں زیاراتِ مقدسات پر حاضری دے رہا تھا

ایک دن حرمِ مقدسِ حضرت سید الشہداءؑ میں حسبِ معمول حاضری دے رہا تھا ابھی ابھی زیارتِ عاشورہ پڑھ کر فارغ ہوا تھا۔ میں نے آپؑ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ جنات کی خلقت کے بارے میں میری معلومات میں اضافہ فرمائیں۔ آپؑ نے لطف و کرم کی بارشیں کرتے ہوئے بزبانِ روایات فرمایا؛ اللہ سبحانہٗ نے جب جنات کو خلق کیا۔ ہم انہیں اس مدرسہ میں لے گئے جہاں ہم نے فرشتوں کو تربیت کیا تھا اور جو ہم نے حقائق کی معرفت کیلئے کھول رکھا تھا۔ جیسا کہ فرشتوں کے ذیل میں بتایا جا چکا ہے کہ وہ خلقت کے بعد بالکل کورے تھے۔ اسی طرح جنات بھی چِٹے ان پڑھ تھے۔ البتہ ان میں بعض خصوصیات فرشتوں سے کہیں بہتر تھیں: مثلاً

۱۔ سورہ الذاریات آیہ نمبر ۵۶ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" یعنی "میں نے جن اور انسانوں کو صرف اور صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے"۔ کے مطابق جنات کو مکمل طور پر باختیار بنایا گیا تھا کہ چاہے وہ اطاعت کریں یا نافرمانی چنانچہ ان کی ہدایت کی زیادہ ضرورت پیش آئی۔

۲۔ اللہ سبحانہٗ نے فرشتوں کی طرح جنات کو مخلوق کی خدمت کے لئے پیدا نہیں کیا تھا بلکہ انسانوں کی طرح ان سے یہ توقع تھی کہ وہ اپنی فلاح و بہبود اور دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کریں اس لئے ان کی تربیت کی ضرورت تھی۔

۳۔ فرشتوں کے برعکس جنات چونکہ آگ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس لئے ان کی طبیعت میں شرارت اور شعلہ وری بہت زیادہ ہے۔

چنانچہ جنات کے لئے ملائکہ سے بڑھ کر درس و تدریس کی ضرورت تھی بعض امور تو مشترک تھے البتہ جنات کو چونکہ ترقی و کمال حاصل کرنا تھا اس لئے ان پر زیادہ توجہ کی ضرورت تھی۔ جنات کو فرشتوں کی طرح صرف اپنا کام کرنا ہی تو نہیں سیکھنا تھا بلکہ ان کو اپنی کلاس میں اپنے آپ کو مکمل طور پر اپنے اساتید کا آئینہ بننا تھا یعنی اخلاقِ الٰہی سے اپنے آپ کو آراستہ کرنا تھا۔ مزید براں چونکہ جنات اور انسانوں کا کام دنیا میں مشترک تھا۔ یعنی دونوں ہی روحانی تکامل کے لئے بھیجے

گئے تھے۔ اس لئے اللہ سُبحانہٗ نے حکم دیا کہ اِنسان اور جنات کی کلاسیں مخلوط ہوں اور دونوں اکٹھے نورِ مقدسِ چہاردہ معصومین علیہم الصلوٰۃ سے درس حاصل کریں۔ اس سے زیادہ جنات کے بارے میں آپ کو نہیں بتایا جا سکتا۔ بلکہ ایک انسان ہونے کے ناطے آپ کو اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ آپ کو یہ بتایا جائے کہ انسان کی خلقت کیسے ہوئی اور اس نے اُس عالم میں درس کیسے لیا!
البتہ صرف اتنا جان لیں کہ اگرچہ جنات تمہارے ہم جماعت ہیں مگر ان کا تمہارے ساتھ کوئی تعلق واسطہ نہیں۔ وہ انسان کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔ اگر انسان جنات کو تنگ نہ کرے تو اللہ سُبحانہٗ جنات کو انسان کی تکلیف سے باز رکھتا ہے۔ البتہ ان میں کے ایک جن کا تعارف میں تم سے ضرور کراؤں گا۔ جس کا نام "عزازیل" ہے (ابلیس کا وہ نام جو اللہ سُبحانہٗ نے اس کو ملائکہ کی صف میں شامل کرنے کے بعد رکھا تھا) یہ وہی ہے جس نے انسان کے بدنِ خاکی کی پہلی خلقت کے وقت قسم کھائی تھی کہ وہ انسان کو حتی الوسع زِچ کرے گا۔ اس کو نہ سبق یاد کرنے دے گا اور نہ ہی عمل کرنے دے گا۔ یہ بات اللہ سُبحانہٗ نے سورہ ص آیہ نمبر ۸۲ میں ارشاد فرمائی ہے۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ۔ تیرے جاہ و جلال کی قسم میں تمام انسانوں کو گمراہ کروں گا۔

تمہیں چاہئے کہ اس کو خوب پہچان لو اور اگر چاہتے ہو کہ ہمیشہ میرے ساتھ رہو تو اس سے دُور رہا کرو۔ اس کی دوستی اور سرپرستی قبول نہ کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر میں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں گا۔ اور کبھی تم سے بات تک نہیں کروں گا۔ اس کے بعد نورِ مقدس نے ابلیس شیطان کا تعارف مجھ سے یوں کرایا:

عالم ارواح میں شیطان تھوڑی مدت کے لئے شریک درس رہا۔ اس دوران بھی چون وچراں اور قیل و قال سے اساتیدِ محترم کے درس میں مداخلت کرتا رہا۔ اپنی خداداد قوتی کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے اکثر نافرمانی کرتا رہا۔ علاوہ ازیں کج فہم بھی تھا۔ اور اعلیٰ سطح کے مسائل سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس کے نظریات بالکل خود ساختہ تھے۔ اور ان میں کا کوئی نظریہ بھی اس اعلیٰ سطح کے مدرسہ میں پڑھایا یا بتایا نہیں گیا تھا۔

الغرض عزازیل یعنی ابلیس جہالت اور بیوقوفی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اسی لئے اس کو مدرسے سے نکال باہر کیا گیا۔ وہ اس قدر متکبر اور خود پسند تھا کہ خود نورِ مقدسِ معصومین ؑ سے اُلجھا رہتا تھا۔ اللہ سُبحانہٗ نے ان کو جتنے علوم و معارف عطا کر رکھے تھے۔ یہ ان کا مقابلہ اپنی جہالت و حماقت سے کرنا چاہتا تھا۔ اللہ سُبحانہٗ نے بھی مدرسے کے طلبار کے امتحان کی غرض سے اس کو کچھ اضافی صلاحیتیں عطا فرمائیں تاکہ بظاہر یہ اساتید کا مقابلہ کرتا ہوا نظر آئے مگر یہ ان کا مقابلہ نہ کرسکا۔ کیونکہ ان کی پشت پر خود اللہ سُبحانہٗ تھا، جبکہ اس کی پشت پر کوئی نہ تھا۔ نورِ مقدسِ معصومین ؑ پاکیزگی وطہارت سے متصف تھا۔ جبکہ یہ سراپا رجس وگندگی تھا۔ اس لئے ایک زمانہ یہ حیران و پریشان در بدر رہا اور اس کے کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا کرے۔ کہیں بھی اس کا داؤ نہ چل سکا۔ آخرکار فرشتوں کی پاک طینتی اور سادگی سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے ان کی صفوں میں جا گھسا اور بظاہر انہی کی طرح مشغولِ عبادت ہوگیا۔ ہمارے فرشتوں کو اس کی خبثِ باطن کی مطلق خبر نہ تھی۔ چنانچہ ایک زمانہ یہ انہی کے درمیان رہا۔ بظاہر انہی میں کا ایک نظر آنے لگا حتیٰ کہ ارواحِ بشر اور جنات بھی اسے ایک "فرشتہ صفت" سمجھنے لگے۔ جب اللہ سُبحانہٗ نے حضرت آدم ؑ کے خاکی بدن کی خلقت کی اور تمام فرشتوں کو اُسے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو اس وقت یہ جاہل اپنی خباثتِ باطنی اور شیطنیتِ درونی کو نہ چھپا سکا اور عیاں ہوگیا۔ اس کا تکبر، جہالت اور بے وقوفی مانع ہوئی اور فرشتوں کی طرح یہ اللہ سُبحانہٗ کی اطاعت نہ کرسکا۔ سورہ اعراف آیۃ نمبر ۱۲ کے بقول اس نے کہا :

خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ ○ — میرا بدن تو نے آگ سے جب کہ آدم ؑ کا مٹی سے بنایا۔

میں اعلیٰ ہوتے ہوئے ادنیٰ کے سامنے کیوں جھکوں ؟! جبکہ یہ بات اس کی جہالت کی بیّن دلیل تھی۔ کیونکہ اسے بدنِ خاکی کے سامنے جھکنے کو تھوڑی ہی کہا جا رہا تھا، بلکہ اسے تو اس صلاحیت و قابلیت کے سامنے جھکنے کا حکم دیا جا رہا تھا جو سورہ بقرہ آیۃ نمبر ۳۱ کے بقول وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا یعنی ہم نے اولین و آخرین کے تمام علوم آدم کو سکھا دیئے۔

حضرت آدمؑ کو علم کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔ وہ جاہل اس مدرسے سے استفادہ نہ کرنے کی وجہ سے نالائق رہا اور حقیقت نہ سمجھ سکا وہ یہی سمجھتا رہا کہ چونکہ اس کا بدن آگ سے بنا ہے لہٰذا وہ حضرت آدمؑ سے برتر ہے۔ مزید براں یہ بدنصیب خود اللہؐ کی صفاتِ عالیہ جو مہرِ درخشاں سے زیادہ روشن ہیں، کا منکر ہوگیا اور اللہ سُبحانہٗ پر جبر و اکراہ کا الزام لگانے لگا۔ البتہ رہ گئی یہ بات کہ اب تک یہ خبیث فرشتوں کی صفوں میں گھسا رہا اور اللہ سُبحانہٗ نے اسے وہاں سے چلتا کیوں نہ کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ بظاہر ایک عابد و زاہد اور مطیع خدا نظر آتا تھا۔ وہ کسی سے کچھ نہ کہتا تھا۔ لہٰذا اللہ سُبحانہٗ نے بھی اس کی باطنی خباثت سے کوئی سروکار نہ رکھا اور صرف عذابِ آخرت کو اس کے لئے کافی سمجھا۔ اب جب کہ اس کی چھپی ہوئی خباثت و نافرمانی آشکار ہوگئی اور اس نے کھلم کھلا بغاوت کا اعلان کر دیا بلکہ اللہ سُبحانہٗ کا مقابلہ کرنے کی گستاخانہ حماقت کی تو اُسے راندہِ درگاہ قرار دیا گیا۔ اس کو وہاں سے نکل جانے حکم دیا گیا۔ سب کو بتا دیا گیا کہ یہ دشمن ہے اور کوئی اس سے سروکار نہ رکھے تاکہ اب دوبارہ فرشتوں کی طرح کسی اور کو جل نہ دے سکے۔ اس لئے اللہ سُبحانہٗ نے بڑی حقارت اور نفرت سے فرمایا: "فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ۔ یعنی چل نکل یہاں سے دُور ہو تو ذلیل اور راندۂ درگاہ ہے۔" (سورہ الحجر نمبر ۳۴۔)

اس کے بعد اس کی جہالت اور کج فہمی کی اِنتہا کا اظہار ہوتا ہے کہ بجائے اس کے کہ اللہ سبحانہٗ کی ناراضگی پر نادم و شرمندہ ہو، اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے تائب ہو اور جنت میں ہمیشہ کی زندگی پانے کی کوشش کرے۔ اس نے دنیا میں رہ کر گمراہ کرنے والی زندگی کا انتخاب کیا اور بقول سورۃ الحجر نمبر ۳۶ کہا: "رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ۔ یعنی پروردگارا! مجھے روزِ قیامت تک کی زندگی دے۔"

اللہ سُبحانہٗ نے بھی اس بات پر کہ اس نے برسوں عبادت کی ہے گرچہ وہ کسی قدر و قیمت کے قابل نہیں تھی، مزید براں لوگوں کا امتحان ہو جائے، صراطِ مستقیم کے مقابلے میں جہالت و گمراہی کا راستہ بھی رہے تاکہ جنات اور انسان اپنے اختیار سے جس راستے کو چاہیں منتخب کر سکیں اور

روز قیامت جزا، ولطف وکرم پروردگارِ عالم کے مستحق ہوں اس کو ایک خاص وقت تک زندہ رہنے کی مہلت عنایت فرمادی۔ جب اللہ سبحانہٗ نے کمال مہربانی سے اسے زندگی عطا کر دی تو اس نے بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی سے کہا:

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِیْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِيْمٌ ○ اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○

جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔ میں بھی آدمؑ کی اولاد کو دنیا میں مشغول رکھوں گا اور ان کو گمراہ کر دوں گا اور تو دیکھے گا کہ سوائے معدودے چند افراد کے اکثر لوگ میرے پیرو بن جائیں گے۔ اللہ سبحانہٗ نے فرمایا کہ صرف وہی لوگ تیرے پیچھے آئیں گے جو تیری سرپرستی قبول کر لیں گے۔ رہ گئے میرے بندے تو تجھے کبھی گھاس بھی نہیں ڈالیں گے۔

(سورۃ الحجر آیت نمبر ۳۹-۴۳)

اس طرح اس نے بے غیرتی کی انتہا کر دی اور خم ٹھونک کر اللہ سبحانہٗ کے مقابلے میں نکل آیا۔ پس آپ کو بھی چاہیئے کہ محتاط رہیں اور کبھی شیطان ابلیس کی سرپرستی قبول نہ کریں اس صورت میں وہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا! اس کے بعد انہوں نے انسان کی خلقت یوں بیان فرمائی! اللہ سبحانہٗ نے قیامت تک آنے والی ارواحِ انسانی کو پیدا کیا۔ البتہ ان کا تعلق کسی بدن یا جسم سے نہیں تھا۔ یہ ارواح ایک طرح کی قوت تھیں جو شعور، ادراک و فہم رکھتی تھیں۔ علوم و مفاہیم کو سمجھتی تھیں جو کچھ ان کو پڑھایا بتایا جاتا، یاد کر لیتی تھیں۔ ان کی مثال آئینے سے دی جا سکتی ہے جس طرح آئینہ کسی وجود کو اپنے اندر من وعن سمو لیتا ہے۔ ان ارواح میں علوم، مطالب اور معقولات کا عکس بن جاتا تھا اور جس طرح ایک کیمرے کی فلم کسی منظر کو محفوظ

کرلیتی ہے یہ ارواح اس طرح علوم و معارف کو محفوظ کرلیتی تھیں۔ ہر ایک آدمی کی روح الگ مخلوق تھی البتہ من حیث الانسان سب برابر تھیں۔ آج دو آدمیوں میں ہمیں فرق محسوس ہوتا ہے۔ ایک نہایت نیک چلن آدمی ہے جبکہ دوسرا سراپا ابلیس مگر ابتدا میں ان کی ارواح ایک جیسی پیدا کی گئیں تھیں۔

خَلَقَ اللّٰهُ الْأَرْوَاحَ قَبْلَ الْأَبْدَانِ بِأَلْفَيْ عَامٍ

بدن کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل ارواح پیدا کی گئی تھیں۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۲۶ صـ ۳۲۰)

اللہ سبحانہٗ نے حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک پیدا ہونے والے آخری آدمی کی کی تمام ارواح پیدا کر دی تھیں۔ یہ تمام ارواح مدرسۂ انوارِ مقدسں معصومینؑ میں داخل کرا دی گئی تھیں جہاں فرشتے ان کے نوکر چاکر تھے۔ اس مدرسے میں مختلف کلاسیں تھیں جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، سب سے اہم کلاس اللہ سبحانہٗ کی معرفت اور مطالبِ توحید کی کلاس تھی۔ دوسری کلاس میں اخلاقیاتِ انسانی صفات کا تعارف، زندگی کے رموز و اسرار یعنی مجموعاً قرآن مجید کے جملہ مطالب کی تعلیم۔ یہ نورِ مقدس چہاردہ معصومین علیہم السلام کی مہارتِ تدریس تھی کہ دو ہزار سال کی مدت میں تمام ارواح کو فارغ التحصیل کر دیا۔

(بحوالہ بحار الانوار جلد نمبر ۱ صـ ۱۰۰)

عقل کی پیدائش

انہوں نے فرمایا:

جب بات یہاں تک پہنچی تو میں نے عرض کیا۔ عقل کیا ہے؟! اور یہ کہاں ہے؟!۔ انہوں نے فرمایا تمام روحانی افراد میں کی سب سے پہلی چیز جو اللہ سبحانہٗ نے پیدا کی وہ عقل ہے!

اللہ سبحانہٗ نے اسے قوتِ گویائی سے نوازا۔ اس کے بعد اس سے فرمایا: بحوالہ بحار الانوار جلد نمبر ۱ صہ ۱۰۰
میری طرف توجہ کرو، اپنے وجود کے آئینے کا رُخ میری طرف رکھو اور میری صفات کا عکس اپنے اندر
پیدا کرنے کی کوشش کرو (یعنی سیر الی اللہ کرو) تاکہ میری صفاتِ کمالیہ کا مظہر بن سکو! عقل نے ایسا
ہی کیا۔ پس اللہ سُبحانہٗ کی صفاتِ کمالیہ اس میں ظاہر ہوگئیں۔ اس کے بعد اللہ سُبحانہٗ نے عقل کو
حکم دیا کہ میری طرف پشت کرلو اور مخلوقات کی طرف اپنا چہرہ کرلو تاکہ جو لوگ اپنے دل کے آئینے
میں تمہاری صفاتِ کمالیہ کا عکس لینا چاہیں لے لیں۔ عقل نے ایسا ہی کیا۔ کیونکہ وہ اللہ سُبحانہٗ کے سامنے
سراپا تسلیم تھی۔ عقل کی اسی صفت کی وجہ سے اللہ سُبحانہٗ نے اُسے فرمایا، میں نے تمہیں نہایت
باعظمت پیدا کیا ہے، اپنی تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔ میں تمہیں تمام مخلوقات سے زیادہ عزیز
رکھتا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ تجھ سے زیادہ بہتر، خوبصورت، بلند مرتبہ، محبوب اور مطیع کوئی چیز
پیدا نہیں کی۔ تیرے ہی ذریعہ میری توحید و یگانگت کا پرچار ہوگا، میری عبادت کی جائے گی، لوگ مجھے
پکاریں گے۔ میری رحمت اور فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوں گے۔ میری اطاعت کرکے جزا و ثواب
کے مستحق بنیں گے جو تیری مخالفت کرے گا وہ میرے عتاب و عذاب کا مستوجب بنے گا، تیرے
ہی ذریعہ میں نے مخلوق کی ابتداء کی اور تیرے ہی ذریعہ قیامت بپا کی جائے گی۔ جب عقل نے اللہ
سُبحانہٗ کی طرف سے اپنے اوپر نوازشات کی بارش دیکھی تو شکر کرتے ہوئے فوراً سجدے میں گر گئی
اور ایک ہزار سال تک حالتِ سجدہ میں رہی۔ جب ہزار سال بیت گئے اور وہ سجدے سے نہ اُٹھی تو
اللہ سُبحانہٗ نے فرمایا: اے عقل! اب اُٹھ سجدے سے سر اُٹھا۔ اب تو مجھ سے جو کچھ مانگے گی
میں عطا کروں گا۔ جس کی سفارش کرے گی میں قبول کروں گا۔ عقل نے سجدے سے سر اٹھایا اور
عرض کیا۔ پروردگارا! مجھے اس کا شفیع بنانا جس میں میری صفاتِ کمالیہ کا عکس ہو۔ اللہ سبحانہٗ
نے وعدہ کرلیا اور فرشتوں کو گواہ بنالیا کہ میں عقل کو صرف ان کا شفیع بناؤں گا جن میں اس کی صفاتِ
کمالیہ ہوں گی۔

انہوں نے فرمایا:

جب میں نے عقل کے بارے میں یہ باتیں سُنیں ۔ میں سوچ میں ڈوب گیا کہ یہ عقل کیا ہے ؟! جس میں یہ خصوصیات ہیں کہ سب سے پہلی بالاترین اللہ سُبحانہٗ کی محبوب ترین اور جمیع صفاتِ کمالیہ الٰہی کی مظہر مخلوق ہے ۔ میں نے بہت سوچا آخر یاد آیا کہ انوارِ مقدسہ معصومین علیہم السلام نے فرمایا تھا کہ مذکورہ بالا تمام صفات صرف ہمیں میں پائی جاتی ہیں ! یہ بات انہوں نے اپنا تعارف فرماتے ہوئے فرمائی تھی کہ اللہ سُبحانہٗ کبھی کبھی ہمیں عقل کے نام سے پکارتا ہے اور اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے والے عقل مند ترین افراد کے طور پر ہمارا تعارف کراتا ہے ۔ میں نے اپنے خیال کی تصدیق کے لئے پوچھ ہی لیا ! کیا عقل نامی وجود جس کی آپ نے مذکورہ بالا خصوصیات بیان کی ہیں معصومین علیہم السلام کی روح کے علاوہ کوئی اور چیز ہے ؟!

انہوں نے فرمایا ، تم نے یہ نتیجہ کیسے نکال لیا ؟!

میں نے عرض کیا ، کیونکہ حضرات معصومین علیہم السلام نے خود فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اللہ سُبحانہٗ نے جو چیز پیدا کی وہ رُوحِ معصومین علیہم السلام تھی جبکہ آپ فرما رہے ہیں کہ عقل تھی تو کیا اللہ سُبحانہٗ نے دو چیزیں ایسی پیدا کیں جو سب سے پہلے تھیں ؟! علاوہ برایں اب تک مجھے تو یہی علم تھا کہ تمام مخلوقات میں سے محبوب ترین ، بلند ترین اور عالی ترین مخلوق انوارِ معصومین علیہم السلام ہے ۔ اب پتہ چلا کہ عقل ہے جس میں یہ تمام صفات پائی جاتی ہیں ۔

انہوں نے فرمایا ، میں ابھی اس حقیقت کی وضاحت نہیں کرنا چاہتا تھا مگر تم نے پوچھا ہے تو سن کہ حقیقت یہ ہے کہ انوارِ معصومین علیہم السلام کا دوسرا نام ہی عقل ہے ۔ میں نے عرض کیا ان کا نام عقل کیوں رکھا ! انہوں نے فرمایا ، اس لئے کہ ان کے وجود میں جہل (نا جاننا) نام کی کوئی چیز وجود نہیں رکھتی اور تمام مخلوقات میں سے صرف وہی غور و فکر کی صلاحیت رکھتے ہیں !

میں نے عرض کیا یہ بتائیے کہ انسان میں جو عقل ہے وہ کیا چیز ہے ؟! فرمایا میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ اللہ سُبحانہٗ نے انسان کی روح کو کمال کی ادراک پیدا کیا ہے مثلاً جب تمہیں انوارِ مقدسہ کے مدرسہ میں داخل کیا گیا تھا وہاں ایک کلاس بعنوان (حقائق اشیاء کی پہچان) بھی تھی ۔

اس کلاس میں دنیا بھر کی اچھائی اور برائی کی تشخیص کی تعلیم دی جاتی ہے۔ چنانچہ تمہیں بھی تعلیم دی گئی پس جس استعداد اور صلاحیت سے تم نے ان حقائق کی تعلیم حاصل کی اس صفت کو "عقلِ انسانی" کہتے ہیں گویا کہ جب اللہ سبحانہٗ نے عقل کو حکم دیا کہ مخلوقات کی طرف اپنا رُخ کرلے، مخلوقات کو بھی حکم دیا کہ عقل کی صفاتِ کمالیہ کا عکس اپنے اندر جذب کریں۔ انہیں کے ذیل میں تمہیں بھی حکم دیا گیا تھا تاکہ تم بھی صفاتِ کمالیہ حاصل کرلو۔

پس یہ قانون بن گیا کہ جو شخص اپنی روح کو نورِ مقدس معصومین علیہم السلام کی صفات کا آئینہ بنائے گا اور ان کے مدرسے میں پڑھائے گئے سبق کو یاد کرے گا۔ وہ "صاحبِ عقل" ہوجائے گا۔ یعنی اس میں عقل کا ملکہ پیدا ہوجائے گا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کی عقل کا مطلب یہ ہے کہ اشیاء کی شناخت کی کلاس میں پڑھائے گئے سبق کو یاد کرنا اور اس کلاس کے مطابق اچھائی اور برائی کی تشخیص کرنا جو شخص جتنا ان امور میں کامل ہوگا وہ اتنا ہی "صاحبِ عقل" ہوگا یعنی اس کی عقل زیادہ ہوگی۔ انہوں نے فرمایا، میں نے جھٹ سوال کیا، کیا کوئی شخص دنیا میں ایسا بھی آیا ہے جس نے اس کلاس میں شرکت نہ کی ہو؟! انہوں نے فرمایا، نہیں، ایسا نہیں ہے۔ تمام کے تمام انسان جتنے دنیا میں آئے ہیں۔ "عالمِ ارواح" میں اس مدرسے میں داخل رہے ہیں۔ اور تمام کلاسوں میں شرکت کرتے رہے ہیں اور حقایق اشیاءً کی شناخت اور برائی و اچھائی کی تعلیم حاصل کرچکے ہیں۔ البتہ بعض افراد اس مدرسے سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد "جب "عالمِ ذر" میں آئے پھر "عالمِ دنیا" میں آئے تو اس سبق سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے اپنی روح کے آئینے کو جہالت و گمراہی کی طرف کرکے اس کا آئینہ دار بن گئے" علومِ عقلیہ" کو بھلا بیٹھے اس لئے اللہ سبحانہٗ اپنی مقدس کتاب میں ان کو بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لئے "افلا تعقلون۔ یعنی کیا ہوگیا تم اپنی عقل سے کام کیوں نہیں لیتے"۔ (وہ سبق جو تمہیں عالمِ ارواح میں پڑھایا تھا کیوں یاد نہیں کرتے) یا "افلم تکونوا تعقلون یعنی کیا تمہیں عالمِ ارواح میں علومِ عقلیہ پڑھائے نہیں گئے کیوں بھول گئے ہو؟!"

انہوں نے فرمایا میں نے سوال جڑ دیا: ابھی آپ نے فرمایا کہ بعض لوگ اپنے روحانی آئینے کو جہالت وگمراہی کے سامنے کر کے اس کا عکس اپنے اندر بنا لیتے ہیں تو کیا جہالت بھی کوئی وجود رکھتی ہے کہ اس کا عکس بن سکے؟

فرمایا، کیوں نہیں! کیا میں نے تمہیں اس سراپائے جہالت یعنی شیطانِ ابلیس کا واقعہ نہیں سنایا وہی تو وجودِ جہالت وگمراہی ہے۔

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا:

قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ الصَّادِقُؑ: اِعْرِفُوا الْعَقْلَ وَجُنْدَہٗ، خَلَقَ اللّٰہُ الْجَھْلَ مِنَ الْبَحْرِ الْاُجَاجِ الظُّلْمَانِیِّ فَقَالَ لَہٗ اَدْبِرْ فَاَدْبَرَ ثُمَّ قَالَ لَہٗ اَقْبِلْ فَلَمْ یُقْبِلْ، فَقَالَ لَہٗ اَسْتَکْبَرْتَ! فَلَعَنَہٗ۔

دیکھو عقل اور اس کے مصادیق کو پہچانو! اللہ سبحانہٗ نے جہالت کو کھاری اور بھاری پانی سے پیدا کیا پھر اس سے فرمایا میری طرف پشت کرو، اس نے پشت کر لی مگر جب حکم دیا میری طرف منہ کرو تو اس نے انکار کر دیا اللہ سبحانہ نے فرمایا اچھا تو نے تکبر کیا؟ اور اس پر لعنت کی

(معانی الاخبار)

اس حدیث شریف کے مطابق جہالت نے اللہ سبحانہ کی طرف رُخ نہ کیا بلکہ پشت ہی رکھی اور منہ لوگوں کی طرف کیا تاکہ لوگوں کے آئینۂ ارواح میں اس کی برگشتہ از خدا منحوس شکل آ جائے اور صفاتِ خبیثہ ان میں پیدا ہوں پس جن لوگوں نے اپنی ارواح میں اس کی صفات کا عکس بنا لیا، وہ جاہل ہو گئے مثلاً ابوجہل اور یزید اور جنہوں نے اپنی ارواح کا آئینہ عقلِ کل اور صفاتِ حمیدہ کے مظاہر کی طرف کر کے ان کے روشن عکس اپنے اندر بنا لئے وہ "عقل مند" ہو گئے۔ اللہ سبحانہ کے مطیع ہوئے اور اعمالِ حسنہ کر کے جنت کما رہے ہیں! "معانی الاخبار" کے "باب عقل" میں ہے کہ حضرت امام صادقؑ سے پوچھا گیا؟ ما العقل؟! یعنی عقل کیا ہے آپ نے فرمایا:

اَلْعَقْلُ مَا عُبِدَ بِهِ الرَّحْمٰنُ وَ اكْتُسِبَ بِهِ الْجِنَانُ۔ یعنی عقل ایک ملکہ ہے جس کے ذریعہ اللہ سبحانہٗ کی عبادت کی جاتی ہے اور جنت خریدی جاتی ہے۔

انہوں نے فرمایا: میں نے ایک اور سوال جڑ دیا۔ تو کیا دیوانے اور پاگل، جاہل شمار ہوں گے؟! فرمایا، پاگل دراصل ایک مریض ہے جس کو یہ مرض لاحق ہے کہ وہ عقل کو استعمال میں لانے سے قاصر ہے۔ مثلاً ایک شخص کی زبان میں کوئی خرابی واقع ہو جائے اور وہ اس کو استعمال نہ کر سکے چنانچہ وہ بول نہیں سکتا، البتہ کہنے کیلئے اس کے دل میں بہت کچھ ہو اسی طرح پاگل ہو سکتا ہے عاقل ہو مگر عقل کو استعمال نہ کر سکتا ہو!

"عالمِ ارواح" میں انسان کا نصابِ تعلیم

انہوں نے فرمایا:

ایک دن اپنے ایک استاد جو اپنے علم و فن کے اعتبار سے یگانۂ روزگار تھے اور علومِ آلِ محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے علامۂ دہر تھے، کی کلاس میں حاضر ہوا۔ انہوں نے تعلیم "عالمِ ارواح" کے بارے میں بات چیت شروع کر دی اور یوں وضاحت فرمائی: "عالمِ ارواح" میں خداشناسی کی کلاس میں یہ بحث نہیں تھی کہ خدا ہے یا نہیں؟ کیونکہ سب ارواح باقاعدہ گویا کہ اللہ سبحانہٗ کے جلوے کا مشاہدہ کر رہی تھیں بلکہ وہاں یہ بحث تھی کہ اللہ سبحانہٗ کی صفات کون کونسی ہیں، اللہ سبحانہٗ ہر چیز کا خالق ہے۔ تمام مخلوقات اللہ سبحانہٗ کی محتاجِ محض ہیں اور اللہ سبحانہٗ کا ذکر اور تصور ہماری روح میں اس طرح رچا بسا ہوا ہے کہ اللہ شناسی انسان کی فطرت میں داخل ہے! اس کلاس میں توحید پہ زیادہ زور دیا گیا تھا۔ تمام ارواح یعنی شاگرد اس حد تک موحّد ہو گئے تھے کہ شرک ان کے لئے بالکل بے معنی تھا۔ ان کا ہر وقت کا ورد کلمۂ توحید

یعنی "لا اِلٰہ اِلّا اللہ" تھا۔ اس کلاس میں دوسرا اہم مطلب اللہ سُبحانہٗ کا غنیٔ مطلق ہونا تھا۔

قرآنِ مجید کے مطابق:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔

اے لوگو! تم سب کے سب اللہ سُبحانہٗ کے محتاج ہو اور وہ غنیٔ مطلق اور قابلِ تعریف ہے۔

(خاطرہ نمبر ۱۵)

اللہ سُبحانہٗ کا کسی غیر سے کسی قسم کا کوئی مطلب نہ رکھنا اس قدر اہم تھا کہ تمام ارواح ہمیشہ اس مطلب پر غور و خوض کرتی رہتی تھیں۔ تیسرا مطلب اللہ سُبحانہٗ کی ربوبیت کا تھا کہ تمام کائنات کا وہی ایک پالنے والا اور تربیت کرنے والا ہے۔ غرضیکہ ہر ایک شے میں اس کا نفوذِ کامل ہے۔ چوتھا مطلب اس کلاس میں یہ پڑھایا گیا کہ طاقت اور قدرت میں اللہ سُبحانہٗ سے کوئی بڑا نہیں اور اس کی طاقت لامتناہی ہے۔ تمام ارواح اس مطلب پر اس طرح سے ایمان لے آئی تھیں کہ بے ساختہ ان کا وظیفہ " لاحول ولا قوۃ الا باللہ " رہتا تھا۔ پانچویں بات جو اس کلاس میں بتائی گئی وہ یہ تھی کہ اللہ سُبحانہٗ سب پر محیط ہے۔ چنانچہ تمام ارواح اللہ سُبحانہٗ کو اپنے نزدیک ترین سمجھتی تھیں۔

مختصر یہ کہ اللہ سُبحانہٗ کی تمام صفاتِ کمالیہ کا ایک ایک کر کے درس دیا گیا تھا اور اس وقت تک وہاں سے کوئی روح فارغ التحصیل قرار نہیں دی گئی تھی جب تک اسے یہ سبق اچھی طرح یاد نہیں ہو گئے تھے۔ علاوہ بریں اس کلاس میں حضرتِ رسولِ اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ کی حکمرانی و معرفت کی کسی کو ضرورت پیش نہیں آئی تھی کیونکہ نورِ مقدس چہاردہ معصومین علیہم السلام تو خود معلم تھا اور سب ارواح انہیں دیکھ رہی تھیں۔ نورِ مقدس ان سے باتیں کرتا تھا۔ یہی نورِ امام تھا۔ البتہ یہ ضروری تھا کہ ارواح نورِ مقدس کی صفات و خصوصیات کو جانیں تاکہ اس سے اُلفت و رغبت پیدا ہو اور اس کی اطاعت کریں۔ چہاردہ معصومین علیہم السلام کی حکمرانی کے بارے میں مندرجہ ذیل چند نکات بڑی تاکید سے پڑھائے گئے تھے:

۱۔ یہ کہ حضرت رسول اکرمؐ اور امام معصومؑ تمام اشیاء کے عالم ہیں۔
۲۔ وہ اللہ سبحانہ کے مطیع محض ہیں اور ہر لحاظ سے معصوم ہیں۔
۳۔ تمام ارواح عصمت اور پاکیزگی کو پسند کریں اور جہاں یہ دو چیزیں ہوں اس سے زیادہ رغبت رکھیں۔

پس چونکہ رسول اکرمؐ اور ائمہ پاکیزگی، علم اور تقویٰ میں سب سے آگے تھے لہذا فطری طور پر تمام ارواح نے ان کی حکمرانی کو قبول کیا بلکہ عشق کی حد تک ان سے محبت پیدا کرلی۔

۴۔ رسول اکرمؐ اور ائمہ خدا کی تمام صفات کا مکمل آئینہ ہیں، وہ عقل کل ہیں، انہیں ہر ایک چیز کا علم ہے پس ان کی اتباع و اطاعت کی جائے۔
۵۔ جاہل کو عالم کی پیروی کرنی چاہیئے یہی فطرت انسانی ہے۔
۶۔ انسان ان کلاسوں میں تعلیم پانے کے بعد اللہ سبحانہٗ رسول اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ کی اطاعت کا پابند ہے۔

ایک دوسری کلاس میں ارواح کو برائیوں کی تعلیم دی گئی مثلاً ظلم جھوٹ، خیانت، حسد، بداخلاقی دوسروں کے حقوق مارنا وغیرہ وغیرہ اور یہ کہ ارواح ہمیشہ ان برائیوں سے اپنے آپ کو دُور رکھیں۔

تیسری کلاس میں عدالت، محبت، ترحم، سچائی، خوش اخلاقی وغیرہ جیسی اچھی صفات کی تعلیم دی گئی۔

اس کے علاوہ دوسری کلاسوں میں جملہ معقول علوم یعنی عقائد سے لے کر اخلاقیات تک ہر قسم کا علم انسانی رُوح کو پڑھا دیا گیا اور جب اسے فارغ التحصیل کیا گیا اس موقع پر اس سے وعدہ لیا گیا کہ ان علوم کو یاد رکھے گا اور ان پر عمل پیرا بھی ہوگا چنانچہ ہر روح نے یہ معاہدہ کرلیا باقاعدہ تحریری معاہدہ ہوا دونوں طرف دستخط کر دیئے گئے اور یہ طے پایا کہ ہر انسان اپنی دائمی زندگی انہی علوم کے مطابق گزارے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سعادتمندی کے ساتھ حقیقی زندگی بسر کرے گا۔

یہ بھی بتاتا چلوں کہ ہر روح سے یہ معاہدہ اس وقت کیا گیا جب اسے ذرے کی مانند ایک چھلنے سے جسم میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ چونکہ روحِ انسان با اختیار تھی اور قیامت تک ایک طویل زندگی گزارنا

جاتی تھی وہ بھی ہر طرح کی تکلیف و پریشانی کے بغیر پس اللہ سبحانہٗ نے اس کے لئے ایک امتحان مقدر کیا یعنی کچھ مدت وہ معرضِ امتحان میں رہے تاکہ اُسے خود پتا چل جائے کہ کن صفات کی حامل ہے اور اسے کتنا انعام ملنا چاہیئے! اس امتحان کے لئے کرۂ زمین مقرر کیا گیا اس کا بدنِ خاکی اسی زمین کی مٹی سے ایک خاص ترکیب سے بنایا گیا اور ایک مقررہ عمر اس کو دی گئی تاکہ وہ اس زمین پر رہے اور امتحان دے۔

بدنِ خاکی کو بھی چند صلاحیتیں عطا کی گئیں یعنی اس میں نمو، ترقی اور زندگی ودیعت کی گئی جسے ہم جان کہتے ہیں؛ مزید برآں چونکہ روح کو اس بدن کے ساتھ رہنے کے لئے چند ذرائع کی ضرورت تھی تاکہ وہ امتحان کے پروگرام کو کامیابی سے انجام دے۔ اللہ سبحانہٗ نے اسے آنکھ، کان، ناک اور چکھنے، سونگھنے، چھونے، دیکھنے اور سُننے کی قوتوں سے نوازا اور افزائشِ نسل کے لئے "شہوتِ جنسی" بھی عطا فرمائی۔

عالمِ ذر

انہوں نے فرمایا:

اس موقع پر میں نے ان بزرگ عالم سے چند سوال کئے جو مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا سوال: یہ فرمایئے کہ "عالمِ ارواح" اور "عالمِ ذر" ایک ہی عالم ہے یا مختلف؟!

انہوں نے فرمایا: قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا

(اے حبیبؐ) آپ کو وہ وقت تو یاد ہوگا جب تمہارے رب نے بنی آدمؑ کی پشتوں سے ان کی قیامت تک کی اولاد کو اکٹھا کیا تھا اور خود ان کو ان کا گواہ بنایا تھا کہ کیا میں

اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غَافِلِیْنَ۔

ان کا رب نہیں ہوں ؟! سب نے اقرار کیا تھا پھر ہم نے ان کو تنبیہ کی تھی کہ اس بات کو یاد رکھنا ایسا نہ ہو کل روزِ قیامت مکر جاؤ کہ ہمیں تو اس بات کا کچھ علم ہی نہیں!

(سورہ اعراف آیت نمبر ۱۷۲)

اس کے مطابق حضرتِ آدمؑ کے بدنِ خاکی کی خلقت سے دو ہزار سال قبل ارواح انسانی پیدا کی گئی تھیں۔ جب حضرت آدمؑ کا خاکی بدن بنایا گیا تو ان کے دونوں شانوں یا ریڑھ کی ہڈی اور ایک شانے کے درمیان سے انہی ارواح کی تعداد کے برابر ذرات باہر نکلے۔ یہ ذرات انسانی جسم کا مکمل چھوٹا سا ماڈل تھے۔ جب حضرت آدمؑ نے ان کو دیکھا ان کی تمام بدنی خصوصیات سمجھ گئے کیونکہ یہ ذرات دراصل ہر انسان کے قد کاٹھ اور شکل و شباہت کا مکمل ماڈل تھے البتہ بہت چھوٹی پیمائش پر۔ ارواح میں سے ایک ایک کو ان ذرات کے ساتھ منسلک کر دیا گیا تاکہ انسانی صورت میں آجائیں۔ اور اس عالم میں رہ سکیں۔ اس طرح ان ارواح کو بدن کے وسیلے سے اپنی دنیاوی زندگی کی جگہ اور کیفیت کا پتہ چلے اور "عالمِ ارواح" میں جو کچھ پڑھا سیکھا ہے مکمل ہوش وحواس سے "عالمِ ذر" میں اللہ سُبحانہٗ سے عہد و پیمان کر سکیں۔ قرآنِ مجید کے مطابق اس عالم میں ان سے عہد لیا گیا کہ شیطان کی عبادت نہ کریں۔ دنیا میں زہد و تقویٰ اختیار کریں۔ اور دنیاوی لذات سے دھوکہ نہ کھائیں۔

اَلَمْ اَعْھَدْ اِلَیْکُمْ یَا بَنِیْ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطَانَ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝

یعنی اے آدم زادو! کیا میں نے تم سے معاہدہ نہیں کیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہے۔

(یٰس آیت نمبر ۶۱-۶۰)

بلکہ میری عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے۔

پس "عالمِ ارواح" ارواح کے لئے تعلیم حاصل کرنے کا زمانہ اور عالم تھا اور "عالمِ ذر" اُس تعلیم کے مطابق عمل کرنے کا عہد و پیمان کرنے کا عالم تھا۔

دوسرا سوال : کیا "عالمِ ارواح" اور "عالمِ ذر" میں ارواح گناہ کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں یا فرشتوں کی طرح گناہ و نافرمانی سے محفوظ تھیں؟!

انہوں نے فرمایا، جب اللہ سُبحانہٗ نے انسانی رُوح کو پیدا کیا، اس کو صرف درک کرنے کی زبردست قوت سے نوازا گیا تھا۔ مگر جب مدرسے میں آئی، ملکۂ عقل حاصل کیا، اس کو اختیار دے دیا گیا کہ صفاتِ کمالیہ کی طرف ترقی کرے اور مراحل طے کر کے اپنی قدر و منزلت بڑھائے۔ یہ فطری بات ہے کہ جب کسی کو با اختیار بنایا جاتا ہے تو مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اکثر ارواح نے سبق کی طرف توجہ ہی نہ دی، مدرسہ میں دی جانے والی تعلیم و راہنمائی پر کان نہ دھرے "عالمِ ذر" میں اللہ سُبحانہٗ کی نافرمانی کے مرتکب ہو گئے پس عالمِ دنیا اور اس کے بعد کے عوالمِ جو "عالمِ ذر" کے دارالجزا ہیں میں ان کو تکلیف اٹھانا پڑی، ان کو زیادہ محنت کرنا پڑی، مادی و دنیاوی وسائل کی کمیابی، بدنصیبی حقائق سے دُوری یا روحانیت کی عدم دستیابی کی طرح کی محرومیوں سے دوچار ہوئے "عالمِ دنیا" میں ان کو اپنے "عالمِ ذر" کے گناہوں کی تلافی کرنا پڑی یعنی "عالمِ ذر" میں کئے گئے گناہوں کی سزا برداشت کی اور اپنے آپ کو بہتر بنایا۔ یا خدانخواستہ شقاوت، نافرمانی پر ڈھٹائی سے رہتے ہوئے مزید گنہگار ہوئے۔ مطلب یہ کہ اگر نافرمانی کو جاری رکھا تو زیادہ ذلیل و رسوا ہو گئے۔ اور اگر گناہوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے ٹھیک ہو گئے تو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ بلند مقام حاصل کیا۔

میں نے عرض کیا ابھی مطلب واضح نہیں ہوا۔ ذرا تشریح فرمائیے۔

انہوں نے کہا۔ تم نے غور نہیں کیا۔ بعض لوگ، مسلمان، متقی اور متدین ماحول میں پیدا ہوتے ہیں۔

جب کہ بعض لوگ دینِ مقدسِ اسلام سے دُور فاسق و فاجر۔ بلکہ غیر مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی پیدائشی کافر ہوتے ہیں جبکہ دوسرے پیدائشی مسلمان! اسی طرح اکثر لوگ خلقت کے اعتبار سے کامل یعنی اعضاء جوارح مکمل اور صحت مند ہوتے ہیں، عبادت کے وسائل لئے ماں کے پیٹ سے آتے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے، متدین ماحول اور نیک ماں باپ سے پیدا ہونے والا بچہ حق و حقیقت کے بہت نزدیک ہوگا۔ اسے دینِ حق' اسلام پر عمل کرنے کے لئے کوئی خاص محنت نہیں کرنا پڑے گی۔ جبکہ دوسرے حالات میں پیدا ہونے والا بچہ دینِ حق سے کتنا دُور پیدا ہوا ہے اور اسے زاہد و متقی ہونے کے لئے کتنی محنت درکار ہے!! اب آپ سوچیں ان دونوں میں سے ایک کو فطری اور پیدائشی آسائش و ہدایت میسر ہے جب کہ دوسرے کو نہیں' یہ کیوں؟! ابھی میں تمہیں پیدائشی خوش نصیبی اور بد نصیبی کی مثال دیتا ہوں! میں نے اوپر آپ کو بتایا کہ اللہ سبحانہٗ نے تمام ارواح کو ہر لحاظ سے ایک جیسا اور مساوی پیدا کیا۔ جب ان کو مدرسے میں بھیجا گیا اور بااختیار بنایا گیا کہ تعلیم و تربیت میں اختیار سے اپنی حیثیت کو واضح کریں۔ وہاں بعض نے خوب تعلیم حاصل کی اور صفاتِ حمیدہ کا عکس محفوظ کر لیا اور بعض نے سستی کی۔ سبق پر توجہ نہ دی یا تو پیچھے رہے راندۂ درگاہ ہو گئے یا آج کی زبان میں تھرڈ کلاس پاس ہو گئے۔ یہ فرق اللہ سبحانہٗ نے دُنیا میں پیدائش کے وقت واضح کر دیا۔ یعنی جنہوں نے "عالمِ ذر" میں اطاعت کی، قابلیت پیدا کی ان کی قابلیت کا اس طرح اظہار کیا کہ نیک اور متقی ماحول' ماں باپ کے ہاں پیدا کر دیا۔ جب کہ ناکام افراد کو فاسق یا کافروں کے ہاں پیدا کر دیا۔ اسی طرح دیگر استعدادات اور سہولتوں پر خود غور کریں۔ یہ وجہ ہے کہ تمام انسان پیدائشی مساوی نہیں ہیں!

تیسرا سوال ، کیا "عالمِ ارواح" یا "عالمِ ذر" میں دنیا بھر کے علوم پڑھائے گئے ہیں اور تمام کے بارے میں ہم سے وعدہ لیا گیا ہے؟! انہوں نے فرمایا، دنیا میں جتنے علوم تمہیں پڑھائے جاتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ علوم جن کا تعلق عقلی دلائل سے ہے اور عقل کے ذریعہ ہی ان کا حصول ممکن ہے ان

کے اثبات کے لئے دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ یہ وہ علوم ہیں جو ہم نے "عالمِ ارواح" میں پڑھے ہیں۔

۲۔ دوسرے علوم انسان ساختہ ہیں یعنی دنیا میں رہنے والوں نے اپنی آسانی کے لئے بعض آئین یا قوانین بنالئے ہیں ان پر عمل پیرا ابھی ہیں مثلاً ریاضی، طب، تمام مادی علوم، یہ وہاں نہیں تھے۔

چوتھا سوال : انسان نے جو کچھ "عالمِ ارواح" میں سیکھا اور حیوانات جو کچھ اپنی جبلی استعداد کی وجہ سے جانتے ہیں کیا ان دونوں معلومات میں کچھ فرق ہے؟!

انہوں نے فرمایا : حیوانات میں جو شعور پایا جاتا ہے اس کو "شعورِ جبلی" کہتے ہیں اور یہ عقل و تعقل کے بغیر ہے کسی سوچ بچار اور غور و فکر کے بغیر ہے یعنی ایک چرندہ گھاس دیکھتے ہی اُسے چرنے کے لئے دوڑتا ہے اور کبھی نہیں سوچتا کہ یہ گھاس اس کے لئے مفید ہے یا مُضر بلکہ فطری طور پر اس کو کھاتا ہے اسی طرح دیگر حیوانی عادات و حرکات۔

دراصل حیوانات کا مختلف اوقات میں مختلف حرکات کرنا اپنی فطرت کی وجہ سے ہے جو اللہ سُبحانہٗ نے خلقت کے وقت ان میں ودیعت کی ہے۔ وہ کبھی اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ اس کے برعکس انسان کی معلومات جو عقلی اور شعوری امور سے متعلق ہیں وہ آگاہی اور علم کی وجہ سے ہیں۔ مثلاً آپ اپنے علم کی وجہ سے ظلم کو بُرا کہتے ہیں اور عدل کو اچھا یہ نتیجہ آپ اپنی معلومات کے بعد سوچ بچار کے بعد نکالتے ہیں۔ البتہ انسان میں کچھ حیوانی خواہشات بھی ہیں جن کو غرائز کہتے ہیں یہ اسی طرح فطری ہیں جیسے حیوانات کی مکمل زندگی انسان از خود بغیر سوچے سمجھے ان کی تکمیل چاہتا ہے۔ جیسے بھوک کا لگنا، پیاس، گرمی سردی یا جنسی میلان وغیرہ۔

پانچواں سوال : ہمیں کیسے پتہ چلے کہ "عقلی علوم" جو ہم عقلی دلائل سے سمجھ لیتے ہیں، ہمیں پہلے پڑھائے گئے تھے اور اب ہم بھول چکے ہیں؟

انہوں نے فرمایا، " یاد کرنے اور یاد آنے میں فرق ہے! جب ہم کوئی چیز سنتے یا یاد کرتے ہیں تو اس سے پہلے اس سے متعلق ہمارے ذہن میں کچھ نہیں ہوتا مثلاً ہم ایک مکان کو پہلی بار دیکھتے ہیں تو کبھی اس کی خصوصیات کے بارے میں تصدیق یا تردید نہیں کرتے بلکہ نئی چیز سمجھ کر

اسے دیکھتے جاتے ہیں مگر جب اسے دوسری مرتبہ دیکھتے ہیں تو جو خصوصیات ہمارے ذہن سے نکل گئی تھیں جونہی پہلی نظر اس پر پڑتی ہے، ہمیں یاد آجاتی ہیں اور جو کچھ دیکھا تھا اس کی فوراً تصدیق کرتے ہیں یا اس میں کوئی تبدیلی پیدا ہوگئی ہو تو ہم تردید کر دیتے ہیں۔

"عالمِ ارواح" میں پڑھائے جانے والے علوم کا بھی یہی عالم ہے۔ جب ہم سے کسی آفاقی حقیقت پر استدلال کیا جاتا ہے تو ایسا ہی ہے کہ ہمارا ہاتھ پکڑ کر اس مکان کے سامنے لے جایا جائے جو ہم کئی سال پہلے دیکھ چکے تھے اور یاد نہیں آرہا تھا تو رہبر نے ہمیں وہ مکان دکھا کر یاد دلا دیا۔ تب ہم نے فوراً کہا ہاں ہاں یہ ہم پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔ اس طرح علومِ عقلیہ جب دلیل کے ساتھ ہمیں سنائے جاتے ہیں۔ گو ہمیں فوراً یاد آجاتا ہے اور ہم کہتے ہیں ٹھیک بالکل ٹھیک۔ عقلی طور پر یہ بات ایسے ہی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ سُبحانہٗ نے اپنے پیغمبر آخر الزماںؐ کا نام "مُذَکِّر" رکھا ہے اِنَّمَا اَنْتَ مُذَکِّرٌ (الغاشیہ نمبر ۲۱) اور قرآن مجید کا نام "ذکر" اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ ۝ (الحجر نمبر ۹)

انہوں نے فرمایا، ایک رات میں بہت تھکا ہوا تھا۔ بستر پر لیٹا مگر نیند کوسوں دُور تھی کروٹیں لیتے دیر ہوگئی مگر نیند نہ آئی۔ مجھے اپنے ایک بزرگ کی بات یاد آگئی کہ کبھی نیند کو نہ ڈھونڈو بلکہ نیند کو تمہیں ڈھونڈنا چاہیئے چنانچہ اٹھا اور اللہ سُبحانہٗ کے ذکر و دعا و مناجات میں مشغول ہوگیا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آج ہی رات مجھے رموز و اسرار ملنے والے ہیں؛

چند نمازیں پڑھیں (چند نفل ادا کئے) ایک نفل کے آخری سجدہ میں "سبحان اللہ" کافی دفعہ کہا اچانک نہ جانے کیا ہوا۔ میں نے اپنے آپ کو ایک جنگل میں پایا۔ کیا دیکھتا ہوں اللہ سُبحانہٗ نے گویا حضرت آدمؑ کا جسدِ مبارک ابھی ابھی بنایا ہے اور وہ ایک مجسمے کی طرح کھڑا کر رکھا ہے۔ ارواح کا ایک جمِ غفیر اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام کے مدرسے میں موجود ہے۔ ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ان سے زمین و آسمان کی درمیانی فضا بھری پڑی ہے یعنی قیامت تک کی ارواح کو جمع کر رکھا ہے۔ وہ تمام ارواح فارغ التحصیل ہو چکی ہیں اور سند لینے کے لئے جمع ہوئی ہیں۔ ایک ہنگامہ ہے اور فرشتے قطار اندر قطار حکمِ خدا کے منتظر کھڑے ہیں۔ اچانک اللہ سبحانہٗ

نے فرشتوں کو مخاطب کر کے حضرت آدمؑ کے مجسمے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "میں اس خاکی بدن میں اپنا خلیفہ، صفاتِ کمالیہ کا عکس اور جانشین پیدا کرنا چاہتا ہوں!" انہوں نے عرض کیا:

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔

واہ سبحان اللہ ایسے کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنائے گا جو فتنہ فساد اور خونریزی کیا کرتا ہے؟! جب کہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔

(سورۃ البقرہ آیت نمبر ۳۰)

فرشتے ایسا کہنے میں میرے خیال میں حق بجانب تھے کیونکہ انہوں نے حضرت آدمؑ سے پہلے روئے زمین پر کئی ایسی مخلوقات دیکھی تھیں جنہوں نے جانتے مانتے ہوئے دنگا فساد اور خونریزی مچائی تھی اور یوں اپنے آپ کو برباد کر لیا تھا۔ اللہ سُبحانہ نے فرمایا:

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔

دیکھو! تم غلط سمجھ رہے ہو) جو میرے علم میں ہے تم اس سے بے خبر ہو۔

(سورہ بقرہ آیت نمبر ۳۰)

اس کے بعد اللہ سبحانہ نے اس مٹی کے مجسمے کو گوشت پوست اور ہڈیوں والے بدن میں بدل ڈالا۔ اس میں جان ڈالی، اور مکتب و مدرسۂ اہلِ بیتؑ میں تمام علوم حاصل کرنے والی حضرت آدمؑ کی روح کو اس میں جاگزیں کر دیا۔ حضرت آدمؑ کی رُوح تمام علوم اور اسمار کی تعلیم یافتہ تھی۔ اللہ سبحانہ نے فرشتوں کی معرفت کے لئے حضرت آدمؑ کے بدن اور رُوح کو ایک جگہ مستقر فرمایا اور ملائکہ سے فرمایا: اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو جو علم آدمؑ کے پاس ہے تم اس کے بارے میں بتاؤ! وہ بولے، ہم تو وہی کچھ جانتے ہیں جو تو نے ہمیں بتا رکھا ہے۔ اس کے بعد اللہ سُبحانہ نے حضرت آدمؑ سے فرمایا: ان فرشتوں کو خاص شخصیتوں کے اسمار مبارک بتاؤ اور اپنے علوم سے ان کو فیضیاب کرو۔

حضرت آدمؑ نے ان شخصیتوں کے اسمار مبارک فرشتوں کو بتا دیئے تو اللہ سُبحانہ نے

فرشتوں سے فرمایا: دیکھا! میں نہ کہتا تھا کہ میں زمین و آسمانوں اور تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہوں۔ اس کے بعد اللہ سبحانہٗ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کریں۔ اس دلکش منظر کو میں بلکہ تمام بنی آدمؑ دیکھ رہے ہیں بالکل جس طرح ہم نمازِ جماعت میں اکٹھے سجدے میں گر جاتے ہیں۔ تمام فرشتے یکدم سربسجدہ ہو گئے۔ ہاں ان کے درمیان ایک شخص اکڑا ہوا کھڑا ہے، تیوری چڑھی ہوئی ہے صاف دکھائی دے رہا ہے کہ اس نے اس حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ ہم سب بنی آدمؑ نے اس کو دیکھا بلکہ ایک دوسرے کو دکھایا۔ وہ اکیلا ایسا ہے جس نے نہ صرف اللہ سبحانہٗ کی نافرمانی کی ہے بلکہ بدتمیزی بھی کی ہے۔ مگر ہم اس کو پہچانتے نہیں ہیں نہ اس کے نام سے واقف ہیں۔ البتہ جب اللہ سبحانہٗ نے " ابلیس " کہہ کر اسے پکارا تو پتا چلا کہ یہ خبیث ابلیس ہے۔ اللہ سبحانہٗ نے اس سے پوچھا تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ وہ بڑی بدتمیزی سے بولا بلکہ چیخا کہ میں گلی سڑی مٹی سے پیدا ہونے والے آدم کو کیونکر سجدہ کر سکتا ہوں جب کہ میں اس سے افضل ہوں کیونکہ تو نے خود مجھے آگ سے پیدا کیا ہوا ہے۔ اس جواب پر اللہ سبحانہٗ کا غضب عروج پر پہنچ جاتا ہے اور اسے راندۂ درگاہ قرار دے دیا جاتا ہے مگر وہ ڈھٹائی سے کہتا ہے اچھا تو مجھے دھتکارتا ہے تو میں بھی آدمؑ کی اولاد کو گمراہ کر کے رہوں گا اور تیری اطاعت نہیں کرنے دوں گا۔ اللہ سبحانہٗ فرماتا ہے " میرے بندے تو تیرے جال میں نہیں پھنسیں گے۔ البتہ جو بھی تیرا ساتھ دے گا جہنم میں جائے گا۔ اس طرح اللہ سبحانہٗ اور ابلیس خبیث کے درمیان تلخ جملات کا تبادلہ ہوتا ہے۔ ہم سب بنی آدمؑ اس جنگل میں کھڑے سب کچھ دیکھ اور سن رہے ہیں۔ ڈر کے مارے ہمارا رنگ اڑ چکا ہے اور ہم اس کو خوب پہچان گئے ہیں کہ یہی اللہ سبحانہٗ اور انسان کا دشمن ہے۔ وہ کالا ہو چکا ہے، بالکل ڈیزل کے انجن سے نکلنے والے سیاہ دھوئیں کی طرح! اس کے بعد اللہ سبحانہٗ حضرت آدمؑ کی پشت سے ذروں کی صورت میں کچھ اجسام نکال کر ہمیں عطا کر دیتا ہے اور حضرت آدمؑ سے فرماتا ہے:
قَالَ اللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ ، یَا آدَمُ اے آدمؑ دیکھو تو کیا ہے؟! حضرت

اُنْظُرْ مَاذَا تَرىٰ ؟ فَنَظَرَ اٰدَمُ اِلىٰ ذُرِّيَّتِهٖ وَهُمْ ذَرٌّ مَـمْلُؤٌ السَّمَاۤءِ۔

آدمؑ نے دیکھا کہ ان کی اولاد سے آسمان بھرا پڑا ہے۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۵ صہ ۲۲۶)

فَقَالَ اٰدَمُؑ : يَارَبِّ مَا اَكْثَرَ ذُرِّيَّتِيْ وَلِاَمْرٍ مَّا خَلَقْتَهُمْ وَمَا تُرِيْدُ مِنْهُمْ بِاَخْذِ الْمِيْثَاقِ عَلَيْهِمْ؟

حضرت آدمؑ نے عرض کیا پروردگارا میری اولاد کتنی زیادہ ہے۔ تو نے ان کو کس لئے پیدا کیا ہے اور ان سے کیا کیا عہد و پیماں لینا چاہتا ہے؟

(بحار الانوار جلد نمبر ۵ صہ ۲۲۶)

اس کے بعد اللہ سبحانہٗ ہمیں خطاب کرتے ہوئے مندرجہ ذیل نکات پر عہد لیتا ہے ہم اس معاہدے پر فوراً دستخط کر دیتے ہیں اور ہمیں سندیں مل جاتی ہیں۔

۱۔ کیا میں تمہارا پالنے والا نہیں ہوں ؟! ہم سب بیک زبان کہتے ہیں کیوں نہیں تو ہمارا پالنے والا ہے۔ ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ سبق ہم نے عالم ارواح میں خوب یاد کر لیا تھا اس لئے ہم ترت جواب دیتے ہیں۔

۲۔ سب میرے ساتھ وعدہ کرو کہ میرے پیغمبروںؑ کی پیروی اور ان کی تصدیق کروگے خصوصی طور پر میرے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفٰے (ص) کی نبوت و رسالت کی!

قَالَ اَبُوْجَعْفَرٍ الْبَاقِرُ (ع) اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَمَّا اَخْرَجَ ذُرِّيَّةَ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ ظَهْرِهٖ لِيَاْخُذَ عَلَيْهِمُ الْمِيْثَاقَ لَهٗ بِالرُّبُوْبِيَّةِ وَبِالنُّبُوَّةِ لِكُلِّ

جب اللہ سبحانہٗ نے حضرت آدمؑ کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا تاکہ ان سے اپنی خدائی اور اپنے پیغمبروںؑ کی نبوت کا اقرار لے تو سب سے پہلے جس نبی کی نبوت کا اقرار کیا گیا وہ میرے جد حضرت محمد مصطفٰیؐ تھے۔

نَبِيٍّ كَانَ اَوَّلُ مَنْ اَخَذَ عَلَيْهِمُ
الْمِيثَاقَ بِالنُّبُوَّةِ نُبُوَّةَ مُحَمَّدِ
بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ

(بحار الانوار جلد نمبر ۵ ص ۲۲۶)

۲۔ تم سب حضرت علیؑ اور ان کی معصوم اولاد علیہم السلام کی ولایت و حکومت کا اقرار کرو!

قَالَ الصَّادِقُؑ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص) وَهِيَ الْمِيثَاقُ الَّذِيْ اَخَذَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِ وَلَايَةَ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْطَالِبٍ (ع)

میری نبوت کے معاہدے کے ساتھ ہی میرے بھائی علیؑ کی امامت و خلافت کا عہد بھی لے لیا گیا تھا۔

(حوالہ سابق)۔

ہم سب نے بیک زبان اُس کا بھی عہد کر لیا۔

اس موقع پر میں ذرا وضاحت کروں۔ شاید بعض حضرات اعتراض کریں کہ حضرت امیرؑ اور ان کے گیارہ معصوم بیٹوں کی ولایت و حکومت کا اقرار کس طرح فطرتِ انسانی میں شامل ہے؟ جواباً عرض ہے: کیا دُنیا میں کوئی ایسا بھی صاحبِ عقل ہوگا جو علم اور صاحبِ علم کو پسند نہ کرتا ہو؟! یقیناً جواب نفی میں ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی ایسا صاحبِ سلیم العقل نہیں ہے جو علم کو جہالت سے اور عالم کو جاہل سے بہتر سمجھتا ہو!

پس یہ فطرتِ انسانیہ ہے کہ علم اور عالم کو پسند کیا جائے۔ اسی طرح پاکیزگی اور پاکدامنی سے محبت و رغبت بھی فطرتِ انسانی ہے۔ اس بنیاد پر جو شخص سب سے زیادہ عالم یا پاکدامن ہوگا تمام انسانوں کا محبوب بھی تو ہوگا۔ چاہے کوئی ذاتی طور پر اسے پسند کرے یا نہ کرے! البتہ جو فطرتِ انسانی سے عاری ہو وہ اسے پسند نہیں کرے گا۔ پس اگر حضرت امیرؑ اور ان کے گیارہ معصوم بیٹے دُنیا بھر میں پاکدامن اور عالم ہیں تو فطرۃً انسان ان سے محبت

کرے گا۔ اگرچہ کوئی شخص ان کو جانتا بھی نہ ہو!

۴۔ تم سب جب دنیا میں جاؤ، دیکھو وہاں کی رنگینیوں میں محو نہ ہو جانا اور مجھ سے زیادہ اس سے رغبت نہ رکھنا۔ ہم سب نے اثبات میں جواب دیا اور اس نصیحت پر عمل کرنے کا وعدہ کر لیا۔

۵۔ دیکھو جب دنیا میں جاؤ، ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا، حقوق غصب نہ کرنا، ہوسِ اقتدار غداری۔ ایک دوسرے پر بالادستی سے پرہیز کرنا۔ ہم سب نے وعدہ کر لیا کہ ایسا ہی کریں گے۔

۶۔ دیکھو، شیطان ابلیس تمہارا شدید ترین دشمن ہے، وہ قسمیں کھا چکا ہے کہ تمہیں بہکائے گا، تم اس کے جال میں نہ پھنسنا بلکہ اسے دشمن سمجھتے ہوئے اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا۔ تب تم کامیاب رہو گے!

۷۔ جیسا کہ تم "عالم ارواح" میں پڑھ چکے ہو۔ صرف اور صرف میری ہی عبادت کرنا! میرے برابر کسی کو اہمیت نہ دینا۔

۸۔ دیکھو عقل کی پیروی کرنا اور اسے بے مصرف نہ چھوڑ دینا۔

قَالَ اَبُو الْحَسَنِ مُوسیٰ ؑ: اِنَّ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حُجَّتَیْنِ، حُجَّةً ظَاهِرَةً وَّحُجَّةً بَاطِنَةً، فَاَمَّا الظَّاهِرَةُ فَالرَّسُوْلُ وَالْاَنْبِیَاءُ وَالْاَئِمَّةُ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ وَاَمَّا الْبَاطِنَةُ فَالْعُقُوْلُ۔

حضرت امام موسیٰ کاظم ؑ نے فرمایا: اللہ سبحانہٗ کی طرف سے لوگوں پر دو طریقوں سے حجت تمام کی گئی ہے۔ ظاہری اور باطنی۔ ظاہری حجت سے مراد انبیاء ؑ، مرسلین ؑ اور ائمہ معصومین ؑ ہیں اور باطنی حجت سے مراد عقل و شعور ہے۔

اللہ سبحانہٗ نے وعدہ لیا کہ ہم طاغوتی طاقتوں کی اطاعت و پیروی نہ کریں اسی طرح

بد کردار لوگوں کو بھی راہبر و راہنما نہ بنائیں۔ ہم نے وعدہ کر لیا۔

یہ وہ معاہدہ ہے جو "عالمِ ذر" میں اللہ سبحانہٗ نے ہم سے کیا۔ یہ اس رات کا مشاہدہ تھا چونکہ اس مشاہدے سے میں نے خوب خوب لطف لیا۔ میری خواہش تھی کہ دوبارہ ویسا ہی مشاہدہ نصیب ہو اور میں دوبارہ اپنی اصلیت و حقیقت کو دیکھ سکوں مگر مہینے گزر گئے، کچھ نہ ہوا۔ البتہ ایک رات جو میرے علم کے مطابق ماہ مبارک رمضان کی آخری رات تھی مگر بعد میں پتہ چلا کہ شب عید الفطر تھی، میں آدھی رات کی دعاؤں اور مناجات میں مصروف تھا اور سحری کھانے کی سوچ رہا تھا۔ اذان میں ابھی دو گھنٹے تھے۔ مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اس رات مجھے احساس ہو گیا کہ یہ رات شب عید ہے اور مجھے ماہِ مبارک کے اختتام پر عیدی ملنے والی ہے۔ وہ لطف و کرم جو مجھ گنہگار پر اس رات کیا گیا سب کا سب تو میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔ البتہ یہ نکتہ ذہن نشین کر لو کہ جو شخص بھی خلوص کے ساتھ ماہِ مبارک کے روزے رکھے۔ عید کی رات میں اس کو بڑی اچھی عیدی ملتی ہے! اس رات عیدی کے بعد میرا دل و دماغ دوبارہ روشن ہو گیا۔ مشاہدہ کی کیفیت بن گئی اور پھر وہی جنگل وہی "واقعہ عالمِ ذر" جہاں سے اس رات سلسلہ منقطع ہوا تھا دوبارہ شروع ہو گیا" کیا دیکھتا ہوں کہ شیطان ابلیس یا سراپائے جہالت و گمراہی جس نے پہلے مشاہدے کے دوران اللہ سبحانہٗ سے گستاخی کی تھی، گمراہی کی سرگرمیاں شروع کر چکا ہے۔ سب سے پہلے حضرت آدمؑ کے پاس آیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اگر حضرت آدمؑ کو ورغلا سکا تو پھر ان کی اولاد کو ورغلانے کی راہ ہموار ہو جائیگی۔ حضرت آدمؑ اس باغ میں بڑی پُر آسائش زندگی بسر کر رہے تھے جو اللہ سبحانہٗ نے ان کے لئے بنایا تھا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ ان کی کتنی کثیر اولاد ہے۔ جس سے زمین و آسمان بھرے پڑے ہیں۔ انہیں یہ بھی پتا چلا تھا کہ ان کی اولاد بااختیار ہے اور اپنی مرضی سے کچھ بھی کر سکتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ ان کی اولاد نے شیطان ابلیس کی تمام گستاخانہ حرکت دیکھ لی ہے اور انہیں شہ مل گئی ہے کہ اللہ سبحانہٗ کے سامنے بولا جا سکتے

اور اس کی نافرمانی کی جا سکتی ہے۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور تکبر کرنا چونکہ جزوِ غرائزِ انسانی ہے اس لیے اکثر بنی آدم نے دل میں شیطان کی پیروی کی ٹھان لی حتیٰ کہ جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا اکثر نے عہدنامے پر بے دلی سے دستخط کیے تھے۔ شیطان چاہتا تھا جتنی جلدی ہو سکے باغ میں جائے اور حضرت آدمؑ کو ورغلائے اور ان کی اولاد کو بھی نافرمانی کا موقع ملے۔ شیطان کو پورا علم تھا کہ اس کے فریب سے صرف وہی لوگ محفوظ رہیں گے جو اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ کریں گے۔ بہرحال وہ کسی طرح سے باغ میں جا گھسنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور حضرت آدمؑ کی سادہ لوحی اور معصومیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں دھوکا دینے میں کامیاب رہا۔

اس کے بعد وہی ہوا جو آپ اکثر سنتے رہتے ہیں کہ اس باغ میں ایک ممنوعہ درخت تھا جس کا پھل کھانے سے اللہ سبحانہٗ نے منع فرمایا تھا مگر یہ شیطان حضرت آدمؑ و حواؑ کو وہ پھل کھلانے میں کامیاب ہوا اور یوں وہ اس باغ سے نکلنے پر مجبور ہوئے۔ اس کے بعد اللہ سبحانہٗ نے اولادِ آدمؑ کو متعدد بار تنبیہ کی کہ شیطان کے بہکاوے میں مت آنا۔ جس طرح تمہارے باپ ماں حضرت آدمؑ و حواؑ اس کے بہکاوے میں آ کر باغ سے نکالے گئے ہیں۔ مگر بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ "عالمِ ذر" ہی میں اکثر شیطان کے بہکاوے میں آ گئے۔ اور اس کی صفاتِ خبیثہ کو اختیار کر بیٹھے اور "عالمِ ارواح" کی تعلیم یکسر بھول گئے۔ اللہ سبحانہٗ سے کیا ہوا پیمان بھی توڑ لیا اور ابلیس کے وجود کی کالک اپنی روح پر مل بیٹھے۔ "عالمِ ذر" میں ایک دوسرے سے اختلافات شروع کر دیئے۔ "عالمِ ذر" میں ایک گروہ جو اپنے اساتید یعنی حضرت رسولِ اکرمؐ، جناب امیرؑ اور دیگر ائمہ معصومینؑ کا پیرو رہا اور "مومن" کہلایا جب کہ ایک گروہ شیطان کا پیرو بن گیا جس نے لوگوں کو مختلف مذاہب و مسالک کی طرف دھکیل دیا حتیٰ کہ ان کو کسی باطل مذہب و مسلک پر بھی متحد نہ رہنے دیا۔ میں اس مشاہدے کے بعد بڑا پریشان ہوا کہ مبادا شیطان مجھے بھی ورغلا لے! مگر اللہ سبحانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر کہ میں اولیاء اللہ یعنی حضرت رسولِ اکرمؐ اور ان کی پاک آلؑ کا پیرو رہا اور میں نے اللہ سبحانہٗ سے کیے جانے والے پیمان کا پاس رکھا۔ چنانچہ اللہ سبحانہٗ نے میرے بدن کی مٹی اور ماہیت اس پاک اور

اعلیٰ طینت سے قرار دی جو اس نے خود محمد و آلِ محمد علیہم الصلوٰۃ کے لئے استعمال فرمائی تھی۔ یعنی میری شرح ان صلبوں اور بدنوں میں رکھی جو پاک و پاکیزہ متدیّن پیروانِ محمد و آلِ محمدؐ تھے۔ اس طرح میں ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا۔ مزید برآں یہ بدن ان گھرانوں میں پیدا ہوا جو دُنیا کے بہتر وسائل سے بہرہ ور تھے۔ اللہ سُبحانہٗ کی مجھ پر یہ عنایات صرف اس لیے تھیں کہ میں "عالمِ ذر" میں اللہ سُبحانہٗ کا مطیع و تابع فرمان تھا۔

اس کے برعکس بہت سے لوگ ایسے تھے جن کی ارواح "عالمِ ذر" میں گناہ کرنے، اللہ سُبحانہ کی نافرمانی کرنے، "عالمِ ارواح" کے سبق بھلانے اور اللہ سُبحانہٗ کے ساتھ کئے جانے والے معاہدے کی پابندی نہ کرنے کے سبب ایسے گھرانوں میں پیدا ہوئے، ایسے بدن اور جسم لے کر آئے جو مادی اور دنیاوی آسائشوں سے عاری تھے، مثلاً کچھ لوگ زمانۂ جاہلیت میں پیدا ہوئے جبکہ ہدایت و رشد کے مواقع تقریباً ناپید تھے اور انہیں ہدایت پانے کے لئے غیر معمولی محنت و مشقت کی ضرورت تھی۔ میں تمہیں اچھی بات بتاتا ہوں ایک مشاہدہ کہ تمہیں حضرت حجۃ صلاۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا اللہ سُبحانہٗ نے میری روح کو آپ کے ظہور کے وقت دنیا میں کیوں نہیں بھیجا؟! آپؑ نے فرمایا، تم نے "عالمِ ذر" میں کچھ ایسے گناہ کئے تھے جس کی سزا یہ قرار پائی، کہ تمہیں "غیبتِ کبریٰ" کے زمانے میں دنیا میں بھیجا جائے تاکہ ان گناہوں کے کفارہ کے طور پر زیادہ مشقت کرو اور سعادتِ ابدی حاصل کرو! اس طرح گناہگار لوگ ان ممالک میں پیدا ہو جاتے ہیں جو اسلامی نہیں اور انہیں مسلمان ہونے کے لئے غیر معمولی محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یا دنیا میں اس طرح آتے ہیں کہ ولدالزنا ہوں تاکہ ان کی فطرت میں خباثت ہو اور حلال زادوں کی نسبت زیادہ محنت کرکے خباثتِ باطنی سے نجات حاصل کریں۔ مزید برآں دنیا میں ناقص الخلقہ آئیں، کوئی جسمانی نقص ان میں ایسا ہو کہ ہدایت حاصل کرنے کے لئے عام لوگوں سے زیادہ کام کرنا پڑے۔ البتہ یہ محرومیاں یونہی نہیں ہوتیں بلکہ ہر شخص کے "عالمِ ذر" میں اعمال کے مناسبت سے ہوتی ہیں۔ کیونکہ حضور اکرمؐ کی حدیث شریف ہے: النَّاسُ مُجْزِیُّونَ بِاَعْمَالِهِمْ ۔ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جاتی ہے۔

حقیقتِ زندگیٔ دُنیا

انہوں نے فرمایا :

یہ عاشورۂ محرم کا واقعہ ہے کہ میں نے مجلسِ حضرت مظلوم کربلاؑ کے دوران کچھ زیادہ ہی گریہ کیا تھا میری آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں اور ان میں خاصی جلن بھی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے تھوڑی دیر ستانے کے لئے آنکھیں بند کیں اور لیٹ گیا کہ شاید جلن میں کمی ہو جائے۔ اسی دوران شاید مجھے نیند آگئی یا حالتِ مشاہدہ میں چلا گیا، دیکھتا ہوں کہ ایک وسیع و عریض دالان میں کرسی پر بیٹھا ہوں اس ہال کا نام "ذہب" ہے۔ اس دالان میں میرے علاوہ بے شمار لوگ اس طرح کرسیوں پر بیٹھے ہیں جیسے کوئی امیدوار کمرۂ امتحان میں بیٹھا ہوتا ہے۔ امتحانی پرچے تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ اس دالان میں انہوں نے "عالمِ ارواح" میں جو کچھ پڑھا تھا اور "عالمِ ذر" میں اللہ سبحانہ سے جو معاہدہ کیا تھا اس کے مطابق پرچہ حل کرنا ہے۔ یعنی ان کا امتحان یہ ہے کہ وہ انسانی کمالات پر قائم ہیں یا نہیں ؟! ان کا اعتقاد کیا ہے ؟! اپنے اختیار سے انہوں نے جو اعمال کئے ہیں وہ کیسے ہیں ؟! اللہ سبحانہ اور اپنے اساتید کے ساتھ وفاداری کی عملی کیفیت کیا ہے ؟! یہ دیکھ کر مجھے افسوس ہوا کہ اس کمرۂ امتحان میں اکثر امیدوار کامیاب ہونے یا پوزیشن حاصل کرنے کی فکر کرنے کے بجائے دیگر امور میں معروف دکھائی دے رہے ہیں۔ وہ کمرۂ امتحان کے در و دیوار پر جو رنگ و روغن یا نقاشی ہوئی ہوئی تھی اس کے نظارے میں محو ہیں، اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں اور آپس میں باتوں میں معروف ہیں۔ ان کا دھیان پرچے کی طرف بالکل نہیں ہے۔ تقریباً پانچ ارب امیدوار اس دالان میں موجود ہیں جن میں کے تقریباً تین ارب ایسے ہیں جو اپنے اساتید جو "عالمِ ارواح" میں ان کو دو ہزار سال تک مسلسل پڑھاتے رہے تھے اور جن کے ساتھ ان کا روز کا پالا تھا بالکل بھلا بیٹھے ہیں، ان پر انہیں بالکل اعتقاد نہیں رہا ہے اور ان کی اکثر تعلیمات بھول گئے ہیں اگر ان میں سے کسی کسی کو کوئی نام یاد بھی ہے تو غیروں کا !۔ ان ہی کی ایک ارب نفری جو جناب پرنسپل حضرت رسولِ اکرم

خاتم الانبیاء (ص) پر اعتقاد تو رکھتے ہیں، قرآن مجید کو بھی اپنا نصاب سمجھتے ہیں۔ مگر ان میں کی اکثریت اصل مفسرین اور معلمین قرآن مجید سے شناسا نہیں ہے اور قرآن مجید کا مفہوم اپنی ذاتی رائے (تفسیر بالرائے) سے سمجھ رہے ہیں۔ یوں اصلی راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک قلیل تعداد آج کے معلم حضرت بقیۃ اللہ العظمیٰ کو جانتی ہے اور ان سے بھی ایک چھوٹا گروہ پانچ ارب کا ان سے مربوط ہے اور ان سے عملی زندگی میں راہنمائی لیتا ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو مخفی رکھا ہوا ہے۔ تاکہ ان کے شاگرد اپنی ذاتی صلاحیت کو بروئے کار لاکر زیادہ نمبر حاصل کریں۔ اس دالان میں اکثر افراد بھول گئے ہیں کہ وہ یہاں امتحان دینے کے لئے آئے ہیں۔ جب کہ سوئے ہوئے افراد کو امتحانی نگران برابر لاؤڈ سپیکروں سے جگا رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ وہ کمرۂ امتحان میں بیٹھے ہیں مگر صد افسوس کہ اکثر افراد آخر وقت تک سوتے رہے۔

اس مشاہدے کے بعد مجھے دنیاوی زندگی کی حقیقت معلوم ہو گئی اور میں اپنی تمام تر توانائیوں کو امتحان دینے میں صرف کرنے لگا۔

انہوں نے فرمایا:

ایک رات خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ دنیا کے لوگ ایک شفاف شیشے کے ٹکڑوں کی طرح ہیں جو ایک سرنگ میں سے گزر رہے ہیں۔ سرنگ کے ایک طرف سے اندر جا رہے ہیں اور دوسری سے باہر آ رہے ہیں۔ باہر آنے والوں کی اکثریت کا رنگ سیاہ دھندلی ہو چکی ہے اور ان کے اوپر کالا گاڑھا دھواں چپکا ہوا ہے۔ جب کہ بعض دوسرے جن کی تعداد بہت ہی تھوڑی ہے۔ بالکل اسی طرح نکل رہے ہیں جیسے داخل ہوئے تھے۔ میں نے جب غور سے سرنگ میں دیکھا تو مسئلہ واضح ہو گیا کہ جو سیاہ ہو کر باہر آ رہے تھے۔ سرنگ کے عین درمیان میں چلنے کے بجائے دائیں بائیں ہو کر سرنگ کی دیواروں اور اس میں رکھی ہوئی دوسری چیزوں سے بڑی محویت کیساتھ آلودہ ہو رہے تھے البتہ جو لوگ عین درمیان گویا کہ "صراط مستقیم" پر چل رہے تھے وہ بالکل صاف و شفاف تھے۔

انہوں نے فرمایا:

ایک شب جمعہ دعائے کمیل پڑھ کر فارغ ہوا ہی تھا کہ کیفیتِ مشاہدہ مجھ پر طاری ہو گئی کیا دیکھتا ہوں کہ دنیا میں رہنے والے "قبر" نامی ایک گڑھے میں گھسے چلے جا رہے ہیں۔ جس کے دوسری طرف ایک بڑی کھلی سی جگہ ہے۔ اس قبر میں داخل ہونے کی جگہ پر کچھ فرشتے کھڑے ہیں جو داخل ہونے والوں سے مختلف قسم کے سلوک کر رہے ہیں۔

حضرت امام زین العابدینؑ سے مروی ایک روایت کے مطابق اِنَّ الْقَبْرَ اِمَّا رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّۃِ وَاِمَّا حُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النِّيْرَانِ۔ یعنی یا تو قبر جنت کے باغوں میں کا ایک باغ ہوتی ہے یا جہنم کے تنوروں میں کا ایک تنور۔

بعض کے لئے قبر باغ تھی اور بعض کے لئے جہنم کا گڑھا۔ بہرحال فرشتے بعض افراد سے بڑے ادب و احترام اور گرمجوشی سے پیش آ رہے تھے اور بعض کے ساتھ لاپرواہی بلکہ بعض کے ساتھ سختی برت رہے تھے انہیں اذیتیں دے رہے تھے۔ میرے غور کرنے سے معلوم ہوا کہ فرشتے مومن اور باعمل مسلمانوں کے ساتھ گرمجوشی اور محبت سے پیش آ رہے تھے، گنہگار مسلمانوں کے ساتھ لاپرواہی برت رہے تھے اور کفار، ناصبین اور منافقین سے سختی کر رہے تھے۔

انہوں نے فرمایا:

ایک دن میرے ایک شاگرد نے مجھ سے عجیب سوال کیا! یہ میرا شاگرد بڑا تن دہ محنتی اور روحانیت میں خاص قابلیت رکھتا تھا اس نے سوال کیا، کب میں اولیاء اللہ میں شمار ہونے لگوں گا؟ کیا کوئی ایسی علامت ہے جس سے پتہ چل سکے کہ انسان اولیاء اللہ کی صف میں آ گیا ہے یا نہیں؟

میں نے جواب دیا قرآن مجید کے مطابق:

قُلْ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

(اے حبیب) یہودیوں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ اولیاء اللہ بنتے ہیں تو ذرا موت کی تمنا کریں!

(سورہ جمعہ آیت نمبر ۶)

اولیاء اللہ موت کو پسند کرتے ہیں۔ اس نے کہا اگر یہی علامت ہے تو پھر آج دنیا میں کوئی ولی اللہ نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی مرنا نہیں چاہتا۔

اس موقع پر میں نے اُسے مندرجہ ذیل واقعہ سنایا:

ایک دفعہ میں کرمان گیا ہوا تھا وہاں ایک دن ایک ولی اللہ سے ملاقات ہو گئی۔ میرے نزدیک وہ شخص روحانیت میں کمال رکھتا تھا۔ وہ ایک ضعیف آدمی تھا اور مدتوں نجف و قم کی دینی یونیورسٹیوں میں رہ کر سینکڑوں اولیاء اللہ سے مل چکا تھا بلکہ بعض سے کسبِ فیض بھی کر چکا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا ولی اللہ کی واضح ترین علامت کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: "ولی اللہ، اللہ سُبحانہٗ پر یقین کامل رکھتا ہے اپنے آپ کو عذابِ آخرت سے بچایا کرتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ سے ملاقات کے لئے بے چین رہتا ہے۔ موت کو پسند کرتا ہے۔ صرف اور صرف اللہ سُبحانہٗ پر بھروسہ کرتا ہے۔ غیر اللہ سے دُور رہتا ہے۔ اور اس سے کبھی کوئی توقع نہیں رکھتا۔ جواباً اللہ سُبحانہٗ بھی اسے پسند کرتا ہے اور ایک طرزِ خاص سے اظہارِ محبت بھی کرتا ہے۔ اُسے اطمینان ہو جاتا۔ یہ وہ منزل ہے جب انسان اولیاء اللہ کی صف میں شامل ہو جاتا ہے۔

عالمِ قبر یا عالمِ برزخ

انہوں نے فرمایا:

ایک رات خواب میں دیکھتا ہوں کہ جناب ملک الموت سفید نورانی لباس پہنے میری خوابگاہ میں تشریف لائے اور باتیں کرنے لگے: میں نے عرض کیا: میرے لائق کیا خدمت ؟ فرمانے لگے۔ تم سمجھتے تھے کہ تم اولیاء میں سے ہو چنانچہ میں اللہ سُبحانہٗ کی طرف سے آیا ہوں کہ تجھے تیرے سرپرست، محبوب اور دوست اللہ سُبحانہٗ کے پاس لے چلوں! میں گھبرا گیا، گڑگڑانے لگا اور التماس کرنے لگا کہ مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دیجئے کیونکہ ابھی میں مرنے کے لئے تیار

نہیں ہوں۔ وہ راضی ہوگئے اور فرمایا چلو کوئی بات نہیں میں تمہیں نہیں لے جاتا ابھی تم دنیا ہی میں رہو مگر میرے جانے کے بعد سوچنا کہ تم کیوں مرنے کے لئے تیار نہیں تھے، وہ وجہ ڈھونڈنا اور جب تم اس وجہ کو ختم کرلو تب سمجھنا تم اولیاء اللہ میں سے ہو!

میری آنکھ کھل گئی اور بڑی دیر تک میری حالت اسی شخص جیسی رہی جو پھانسی کا پھندا تڑوا کر بھاگتے ہوئے کسی پناہ گاہ میں آگیا ہو اور کسی لمحہ بھی دوبارہ پکڑے جانے کی فکر دامن گیر ہو یا جو حالیہ جاں بخشی سے تو خوش ہو مگر دوبارہ پکڑے جانے کے خوف سے اس کی سانس پھولی ہوئی ہو۔ اسی طرح میں کافی دیر بستر پر نیم مردہ لیٹا رہا۔ پھر میں نے جناب عزرائیلؑ کے حکم کے مطابق سوچنا شروع کیا کہ آخر موت سے اتنا ڈرتا کیوں ہوں؟!

کیا یہ دنیا ایک قید خانہ نہیں ہے؟! کیا قید خانے سے نجات اچھی بات نہیں! کیا میں اللہ سبحانہٗ سے محبت نہیں کرتا؟ کیا موت اللہ سبحانہٗ سے ملاقات نہیں؟ آخر کار میں اس نتیجے پر پہنچا کہ نہ مرنے کی خواہش دو وجوہات سے ہوسکتی ہے۔

۱۔ دنیاوی زندگی سے رغبت، اس قیدی کی طرح جس نے قید خانہ سے دل لگا لیا ہو

۲۔ "عالمِ برزخ" اور مابعد کے عذاب کا خوف اور نہ معلوم مستقبل!

بہرحال میں نے ان دونوں وجوہ کو ختم کرنے کی ٹھانی اور بحمداللہ استادِ محترم کی ہدایات اور ریاضت کی وجہ سے کافی حد تک کامیاب ہوگیا۔

پہلی بات یہ کہ دنیا کی محبت کو دل سے نکالا اور اس بات کا یقین کرلیا کہ اگر میں واقعی اللہ سبحانہٗ سے محبت کرتا ہوں تو پھر محبوب کی نافرمانی بُری بات ہے بلکہ اس کے احکامات کی پابندی کرنی چاہیئے اس کے واجبات ادا کروں اور محرمات سے پرہیز کروں، اسے ظالم نہ سمجھوں نہ اس پر بدگمانی کروں کہ وہ "عالمِ برزخ" یا بعد میں مجھے اکیلا چھوڑ دے گا یا مجھے عذاب دے گا۔ پس مجھے یقین ہوگیا کہ اس کی بارگاہ میں جانے کے لئے اب کوئی رکاوٹ موجود نہیں ہے۔

اس منزل پر مجھے سورہ جمعہ آیۃ نمبر ۶۔ "قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا ... صَادِقِينَ۔

یعنی اگر یہودی اولیاء اللہ ہونے کے مدعی ہیں تو موت کی تمنا کیا کریں" کا مفہوم سمجھ آگیا۔

بحار الانوار جلد نمبر ۶ صہ ۱۲۷ پر مندرجہ ذیل واقعہ درج ہے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا:
جب حضرت ابراہیمؑ کی وفات کا وقت آیا اللہ سبحانہ نے جناب ملک الموت کو ان کی خدمت میں بھیجا کہ ان کی روح قبض کر لائے۔ وہ آئے اور علیک سلیک کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا کیسے آنا ہوا ویسے ہی آئے ہو یا قبضِ روح کا ارادہ ہے؟ ملک الموت نے جواب دیا جناب اس وقت تو میں قبضِ روح کے لئے آیا ہوں۔ حضرت خلیل اللہ نے فرمایا: اے عزرائیلؑ کبھی تم نے دیکھا ایک دوست دوسرے دوست کو مارنا چاہے؟! جناب عزرائیلؑ واپس بارگاہِ اللہ سبحانہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کے خلیلؑ نے یہ سوال کیا ہے! اللہ سبحانہ نے فرمایا: عزرائیلؑ جاؤ اور ہمارے دوست سے یہ کہو کہ کبھی تم نے دیکھا کہ ایک شخص کو اس کا محبوب دوست بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے!!

انہوں نے فرمایا:

جب انسان اپنے نفس کی تربیت کرے، بُری صفات سے اس کو بچائے تمام تاریک اور خوشنما پردے درمیان سے ہٹائے، اچھی صفات و عادات کا اکتساب کرے، اپنے اور کامل شخصیتوں یعنی معصومین علیہم السلام کے درمیان عملی تطابق و مماثلت پیدا کرے اور یوں اللہ سبحانہ کی صفاتِ کمالیہ اپنے اندر پیدا کرے تو وہ ایک لمحے میں ماضی و مستقبل کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اس کی معلومات کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جنت جہنم بھی دیکھ سکتا ہے۔ دنیاوی زندگی کے بعد کے تمام عوامل اس کی نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔ وہ ایک آن بھی اللہ سبحانہ کی رضا کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔ یہاں تک کہ اس کی خواہشات اللہ سبحانہ کی مشیت کی تابع محض بن جاتی ہیں۔

انہوں نے فرمایا:

اگر تم ہمیشہ اللہ سبحانہ حضرت رسولِ اکرمؐ اور ائمہ علیہم السلام کا لطف و کرم اپنے شاملِ حال رکھنا چاہتے ہو تو اپنے نفس کی تربیت کرو، حیوانی صفات کو دور کرو اور انسانی صفات کو اختیار کرو، اب

تک جو طریقہ تربیت نفس میں نے بتایا ہے اس پر باقاعدگی سے عمل کرو تاکہ کامیابی تمہارے قدم چومے انسانی کمالات حاصل ہوں۔ کامل انسان بنو تاکہ معصومینؑ کی محفل میں جگہ پاسکو۔ بعض باتیں میں نے صرف تمہارے لئے کہی ہیں۔ خبردار عام لوگوں کو رٹ بنانا بلکہ صرف خود تم ان پر عمل کرنا البتہ اصولی باتیں بیشک اپنے دوستوں اور عزیزوں کو بھی بتاتے رہنا۔

انہوں نے فرمایا:

ذکرِ خفی یعنی باطنی طور پر ہمیشہ اللہ سبحانہ کی طرف متوجہ رہا کرو۔ اگر ظاہر بظاہر عبادت یا ذکر کا موقع، جگہ اور محل آئے تو بیشک ظاہراً عبادت کرنا کیونکہ اللہ سبحانہ کا ذکر ہی تمام کمالات کے حصول کا ذریعہ ہے!

خـتـم شد

یادداشت